قال النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف

امام العصر حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ

ترجمہ و تشریح

شہید اسلام حضرت اقدس

مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

مکتبہ لدھیانوی

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف

امام العصر حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ

ترجمہ و تشریح

شہید اسلام حضرت اقدس

مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

طبع جدید : اپریل ۲۰۲۳ء

باہتمام

شاہین ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ

ناشر

مکتبہ لدھیانوی سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی

021-34125590-021-34130020

0321-2115595-0321-2115590

ترتیب

مقدمہ	: مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی	۵
پیش لفظ	: مولانا سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ	۹
دیباچہ مترجم	: مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ	۱۶
تبویب	: مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ	۱۹
فہرست نمبرات :		۲۱
اردو ترجمہ	: مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ	۴۳
فارسی متن	: حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ	۲۲۲
اشاریہ	: مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ	۳۳۶

فہرست

عرضِ ناشر

بسمِ اللہِ الرّحمٰنِ الرّحیم

قرآنِ کریم، احادیثِ متواترہ، فقہائے اُمّت کے فتاویٰ اور اِجماعِ اُمّت کی رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بِلا استثناء تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے علی الاطلاق خاتم ہیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص کسی مفہوم میں بھی ''نبی'' نہیں کہلاسکتا، نہ منصبِ نبوّت پر فائز ہوسکتا ہے۔ اور جو اس کا مدّعی ہو، وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے!

جھوٹے مدّعیٔ نبوّت مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے دعاوی کے تار و پود بکھیرتے ہوئے اِمام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ نے جو خدمات سَرانجام دیں، ان کے تذکرے میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ رقم طراز ہیں:

''اس دور کے اِمام و مقتدا حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری نوّر اللہ مرقدہٗ نے ختمِ نبوّت کے موضوع پر فارسی میں رسالہ ''خاتم النّبیین'' تالیف فرمایا، جو آیتِ ختمِ نبوّت کی تفسیر میں دقیق معارف کا ذخیرہ ہے۔ فتنۂ قادیانیت کی شدّت نے حضرت کشمیریؒ کو ماہیٔ بے آب کی طرح بے چین اور مضطرب کردیا تھا۔ انہوں نے اس اضطراب و بے چینی کا اظہار اپنے بعض قصائد میں بھی کیا ہے۔ ایک طویل عربی قصیدہ میں جو ''اکفار الملحدین'' میں طبع ہوا ہے، اس قصیدہ کا زورِ بیان، قلق و اضطراب آج بھی اُمّتِ اسلامیہ کا خون گرمادینے کی صلاحیت رکھتا ہے..... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس فتنہ کے استیصال کے لئے مامور من اللہ تھے، اور ان کی تمام صلاحیتیں اس پر لگی ہوئی

تھیں کہ وہ قادیانیت کے قصرِ الحاد کو پھونک ڈالیں۔‘‘

حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے ایما اور حکم پر میرے حضرت ناناجانؒ (شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ) نے رسالہ ’’خاتم النّبیین‘‘ کا اُردو میں ترجمہ وتشریح کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اور بقول حضرت شیخ بنوریؒ: ’’اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ اس کے ترجمہ وتشریح کے فرض سے نہایت کامیابی سے عہدہ برآ ہوئے، اور اس علمی ودِینی خدمت کا حق ادا کردیا ہے۔‘‘

۱۳۹۷ھ میں یہ کتاب ’’خاتم النّبیین‘‘ عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت حضوری باغ روڈ ملتان سے شائع ہوئی تھی، جو اَب کمیاب تھی۔ اس لئے اہلِ علم خصوصاً شاہینِ ختمِ نبوّت حضرت مولانا اللہ وسایا دامت برکاتہم کی خواہش تھی کہ کتاب اکابرین کے ذوق کے مطابق جدید کمپوزنگ کرواکر، خوبصورت انداز میں طبع کی جائے۔ چنانچہ حضرت مولانا مدّظلہٗ کی سرپرستی میں کتاب کی کمپوزنگ کروائی گئی، تصحیح اور جدید سیٹنگ کے مراحل کے بعد عمدہ کاغذ پر چھپائی کروائی گئی۔ اس طرح یہ خوبصورت گلدستہ تشنگانِ علومِ انوریہ کی خدمت میں پیش ہے۔ اللہ ربّ العزّت ہماری اس حقیر خدمت کو اپنی بارگاہِ عالی میں قبول ومنظور فرمائے، حضرت مصنّفؒ، میرے اکابرین کے رفعِ درجات اور ہمارے لئے سعادتِ دارین کا ذریعہ بنائے، آمین!

محمد طلحہ طاہر

نبیرہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

ناظم مکتبہ لدھیانوی، کراچی

۲۳؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

مطابق ۶؍مئی ۲۰۲۱ء

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ

(از جناب مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی عم فیضہٗ)

’’خاتم النّبیین‘‘ جس کے تعارف کے لئے یہ چند سطور تحریر کی جارہی ہیں۔ حضرتِ اُستاذ شیخ الاسلام سیّد محمد انور شاہ قدّس اللہ سرہٗ کی سب سے آخری اور نہایت محبوب تصنیف ہے۔ اُستاذِ مرحوم کو تدریسِ حدیث کے غیر منفک مشغلے کے ساتھ، اسلام اور اس کے بنیادی عقائد کے خطرناک ترین حریف نبیٔ قادیاں کی ملحدانہ تعلیمات کے استیصال سے جو قدرتی شغف تھا، اس نے آپ کو بسترِ علالت پر بھی چین نہ لینے دیا۔ مرض کی غیر معمولی شدّت اور تسلسل کے باعث اگرچہ تمام اعضا صحت و توانائی کو آخری جواب دے چکے تھے، تاہم تحفظ دِینِ محمدی کے جذبات میں ڈُوبا ہوا یہ وجودِ مقدّس دَمِ واپسیں تک دِینِ اِلٰہی کی خدمت میں اس شان سے منہمک رہا گویا علالت و نقاہت کا کہیں آپ کے پاس سے بھی گزر نہیں۔ وفات سے چند روز قبل رسالے کی تصنیف و تسوید سے فراغت ہوئی۔ ابھی تبییض کی بھی نوبت نہ آئی تھی کہ پیغامِ اجل آپہنچا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تمنّا تھی کہ اس تحریر کو خاص اپنے مصارف سے طبع کراکر کشمیر اور ان ممالک میں خصوصیت سے تقسیم فرمائیں جن میں فارسی زبان مروّج ہے۔ اور جہاں نادار و مفلس مسلمانوں کی سادہ لوحی کے سبب قادیانی اِلحاد و اِرتداد کے

ناپاک جراثیم پھیلتے جارہے ہیں۔ایک دفعہ راقم الحروف کی موجودگی میں حضرتِ مرحوم نے مسوّدے کی کتابت کے لئے ہمارے علاقے کے ایک نامور کاتب کو طلب فرمایا۔ حضرت نے انتہائی ضعف کے باوجود کاتب صاحب کے سامنے جو رقّت آفریں اور دردانگیز کلمات فرمائے،ان میں ایک جملہ یہ تھا:

''مولوی صاحب!اس وقت زندگی کی آخری منازل سے گزر رہا ہوں، میرے پاس آخرت کا کوئی ذخیرہ نہیں، یہ دو چار تحریریں ہیں جو میرے لئے سامانِ آخرت ہیں، چاہتا ہوں کہ اس رسالے کو ذاتی مصارف سے بہترین کتابت وطباعت کے ساتھ شائع کروں اور کتاب مفت تقسیم کی جائے۔''

افسوس! یہ تمنّا آپ کے ساتھ ہی گئی اور آپ کی حیات میں یہ متبرک کتاب -جس کی سطر سطر میں اسلامی جوش وخروش اور ایمانی غیرت کے نقش ونگار چمک رہے ہیں- منطبع نہ ہوسکی۔

''مجلسِ علمی'' کی اِستدعا پر ورثائے حضرتِ مرحوم نے بکمالِ عنایت کتاب کا مسوّدہ ''مجلس'' کے سپرد کردیا،اور شکر ہے کہ مہینوں کی مسلسل محنت کے بعد آج یہ مبارک تحریر ''مجلس'' کی طرف سے شائع ہورہی ہے۔مسوّدہ ایسی حالت میں تھا کہ اس کی قابلِ اطمینان کتابت حضرت کی موجودگی ہی میں ہوسکتی تھی،تاہم اِمکانی کوشش سے جو کچھ ہوسکا وہ توقع سے بڑھ کر ہے۔جن اصحاب کو حضرت کے طریقِ تسوید وتصنیف سے واقفیت ہے،وہ ان مشکلات کا بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں جو مضامینِ کتاب کی ترتیب وکتابت کے سلسلے میں پیش آئی ہیں۔ کتاب کے مقصد کے متعلّق حضرتِ مرحوم نے دیباچۂ کتاب میں حسبِ ذیل سطور تحریر فرمائی ہیں:

''اس مقالۂ ایست درختمِ نبوّت وتفسیر کریمہ خاتم النّبیین کہ در ردِّ

اِلحاد وزَندقہ وکُفروارتدادِکادیانی علیہ ماعلیہ صورت تحریر بست۔"

قدیم وحدیث تفاسیر کے ذخیرے کو سامنے رکھو، پھر اندازہ ہوگا کہ عصرِحاضر کے اس فقید المثال محدّث ومفسر نے ان چنداَوراق میں مدلول کلامِ الٰہی کی تفہیم وتسہیل میں حقائق ومعارف کے لعل ویاقوت کس سخاوَت سے بکھیرے ہیں!

ہمارے مُلک کی عام زبان چونکہ اُردو ہے، فارسی کا ذوق عوام میں تو کیا، علماء میں بھی قریب قریب ناپید ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ فارسی ایڈیشن کی اشاعت کے متصل ہی اُردو ایڈیشن کی اشاعت کا بندوبست کیا جائے، لہٰذا "مجلس" کی طرف سے اس رسالے کی اُردو شرح بہت جلد مسلمانوں کی خدمت میں پیش کی جائے گی، اور فارسی ایڈیشن کے تمام منافع اُردو ایڈیشن کی تیاری پر صَرف کئے جائیں گے۔

کتاب کا اُردو ایڈیشن خدانے چاہا تو قادیانی لٹریچر اور اِلحاد وزَندقہ کی فتنہ سامانی کے لئے پیامِ موت ثابت ہوگا۔ اوراس کے مطالعے کے بعد ہی اصل تحریر کی قدروقیمت کا صحیح اندازہ ہوسکے گا۔

بالکل ممکن تھا کہ عام مذاق کے پیشِ نظران جواہر پاروں کو فارسی کی جگہ اُردو کے قالب میں سطحِ تعارف پر رکھا جاتا، لیکن مصنّف کے حقائق آگاہ قلم سے جو مضامین پہلوی زبان میں نکلے ہیں، ظلم ہوتا اگر محض قبولِ عام کے لئے ان کی حقیقی لطف اندوزی، ابدی وسرمدی برکت اور قدرتی زورِ بیان کی کیف آفرینیوں سے اربابِ ذوق اور وابستگانِ دامنِ انوری کو محروم کیا جاتا۔ پھراس تحریر کی اشاعت کا اوّلین مقصد- جیسا کہ اُستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا ظاہر فرمایا- یہ تھا کہ باشندگانِ کشمیر وبلوچستان خصوصی طور پر اس سے منتفع ہوں۔

آخر میں یہ ظاہر کردینا بھی ضروری ہے کہ جہاں تک فہمِ مطالب کا تعلق ہے! کتاب کو ابواب وفصول پر تقسیم کرنا مفید ہوتا، لیکن اس خیال سے کہ اُردو ایڈیشن

میں مطالب کی تشریح کے ساتھ اس ضرورت کو بھی بطریقِ احسن پورا کر دیا جائے گا، اصل مسوّدے میں یہ معمولی تغیّر بھی مناسب نہ سمجھا گیا۔

کتاب کا دوسرا حصّہ زیادہ تر ملّتِ مُرتدہ قادیانیہ سے ہنگامہ خیز سوالات پر مشتمل ہے، پر کسی تقریب سے جا بجا ضمنی مباحث آ گئے ہیں۔ یہ وہ جواہر ریزے ہیں جن کا نشیمن کتابوں کے دفتر میں نہیں، کاملین کا سینہ ہی ہوتا ہے!

حق تعالیٰ علم و دولت کے اس بیش قیمت خزینے سے مسلمانوں کے دامن کو دامانِ باغباں بنائے۔ آمین

پیش لفظ

حضرت علّامہ مولانا سیّد محمد یوسف بنوری مدّظلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّدنا محمدٍ

خاتم النّبیین وعلیٰ آلہ الطاھرین وصحبہٖ اجمعین

اَمّا بعد! دِینِ اسلام کی اساسی خشت ختمِ نبوّت کا عقیدہ ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کائنات کی ہدایت کے لئے رُشد وہدایت کا جو سلسلہ جاری فرمایا، وہ نبوّت ورسالت کا سلسلہ ہے۔ اس کی ابتدا حضرت آدم (علیہ صلوات اللہ وسلامہٗ) سے ہوتی ہے، اور اس عمارت کی تکمیل کی آخری خشت حضرت سیّد العالمین خاتم النّبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ باوجود اور ظہورِ پُرنُور ہے۔

اللّٰھم صل علیہ صلٰوۃ تکرم بھا مثواہٗ وتشرف بھا عقباہ، وتبلغ بھا

یوم القیامۃ مناہ ورضاہ، وبارک وسلم

ختمِ نبوّت کے اس عقیدے پر خدا تعالیٰ کی سب سے آخری آسمانی کتاب قرآنِ کریم کی بے شمار تصریحات موجود ہیں، اور جس طرح یہ ثبوت کے اعتبار سے قطعی ہے۔ اسی طرح دلالت کے لحاظ سے بھی قطعی اور ہر شک وشبہ سے پاک ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی مسئلے میں قرآنِ کریم کی ایک آیتِ کریمہ بھی اگر قطعی الدلالت ہو تو مضمون کی قطعیت کے لئے کافی ہے۔ چہ جائیکہ قرآنِ کریم کی ایک سو سے زائد آیات ختمِ نبوّت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس قطعیت کی نظیر قرآنِ کریم میں بھی کم ملے گی۔ اسی طرح

عقیدۂ ختمِ نبوّت پر اَحادیثِ نبویہ بھی تواتر کو پہنچ گئی ہیں، اور تواتر بھی ایسا ہے کہ جس کی نظیر اَحادیثِ متواترہ کے ذخیرے میں نہیں، دوصد اَحادیث سے یہ عقیدہ ثابت ہوا ہے۔ گویا قرآن واحادیث میں اس قطعیت کی نظیر کسی اور مسئلے میں نہیں ملے گی۔ پھر اُمّتِ محمدیہ کا اس پر اِجماع بھی ہے، اور نہ صرف اُمّتِ محمدیہ کا اِجماع! بلکہ تمام کُتبِ سماویہ کا اس پر اِجماع ہے، اور تمام انبیائے کرام کا اس پر اِجماع ہے۔ عالمِ اَرواح میں تمام انبیائے کرام علیہم صلوات اللہ وسلامہٗ کا یہ عہد و پیمان ہے۔

پس جس طرح توحیدِ الٰہی تمام اَدیان کا اجماعی عقیدہ ہے، اسی طرح ختمِ نبوّت کا عقیدہ بھی تمام کُتبِ اِلٰہیہ، تمام انبیائے کرام اور تمام اَدیانِ سماویہ کا متفق علیہ اور اِجماعی عقیدہ ہے۔ آغاز اِنسانیت سے لے کر آج تک اس پر ہمیشہ اتفاق رہا ہے کہ خاتم النّبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں گے، اور سلسلۂ نبوّت و رِسالت آپ کی ذاتِ گرامی پر ختم ہوجائے گا۔ اُصولی واعتقادی مسائل میں انبیائے کرام کے درمیان اختلاف نہیں ہوا، بلکہ وہ ہر دور میں متفق علیہ رہے ہیں۔ پس جس طرح دیگر عقائدِ دینیہ تمام نبوتوں میں مشترک ہیں، ٹھیک اسی طرح حضرت محمدِ مصطفیٰ اَحمدِ مجتبیٰ علیہ صلوات اللہ وسلامہٗ کا آخری نبی ہونا، اور آپ ہی کی نبوّت پر دُنیا کا خاتمہ ہونا، تمام انبیائے کرام کی شریعتوں اور آسمانی کتابوں کے مُسلّمات میں سے رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کُتبِ سماویہ میں اس کی ان گنت پیش گوئیاں کی گئیں۔ آپ کا نام، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے القاب، آپ کا مُلک، آپ کی جائے وِلادت، آپ کے دارِ ہجرت وغیرہ کی خبریں دی گئیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات پر اور تمام اَقوامِ عالم پر اپنی حُجّت پوری کردی۔

اور اِسلام کی پوری تاریخ میں اس اِجماعی عقیدے کا ظہور اس طرح ہوتا رہا کہ جب کبھی کوئی مدعیٔ نبوّت کھڑا ہوا، اس کا سَر قلم کردیا گیا۔ یہ اس عقیدے کا عملی ثبوت

تھا جو اسلام کے ہر دور میں ہوتا رہا، اور جس پر اُمّت کا تعامل مسلسل جاری رہا۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی جہاد کا آغاز ہی مسیلمہ کذّاب کے مقابلے میں جنگِ یمامہ سے ہوا، جس میں سات سو صرف حفاظِ قرآن شہید ہوئے، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں "اہل القرآن" کے لقب سے مشہور تھے۔ گویا اسی عقیدے کی حفاظت کے لئے سب سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے، اور اسی بنیاد کو مضبوط کرنے کے لئے اَصحابِ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے اپنے خون کی قربانیاں پیش کیں۔ معرکہ حق و باطل سب سے پہلے اسی عقیدے کی خاطر برپا ہوا، اور اَصحابِ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے مقدّس خون سے اس باغیچے کو سیراب کیا گیا۔ یہ حق تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ تھی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں اَسوَد عنسی اور مسیلمہ کذّاب کے فتنے کی سرکوبی کراکے قیامت تک آنے والی اُمّت کو دوٹوک اور غیر مبہم انداز میں بتادیا گیا کہ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو لوگ دعوائے نبوّت کے ساتھ اُٹھیں، اُمّت کو ان سے کیا سلوک کرنا ہوگا!

الغرض! یہ عقیدہ اتنا بنیادی اور اتنا اہم ہے کہ اسے عالمِ ارواح سے لے کر آج تک ہر آسمانی دِین میں مسلسل دہرایا جاتا رہا، اور قولاً، عملاً، اِعتقاداً اس کی مسلسل تاکید و تلقین کی جاتی رہی۔ بدقسمتی سے برطانوی اقتدار میں جھوٹی نبوّت کا فتنہ کھڑا کیا گیا، اور یہ سمجھ کر کہ "ختمِ نبوّت اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے، اس کے متزلزل ہوجانے سے اسلام کی عمارت منہدم ہوجائے گی" اس پر کاری ضرب لگانے کی کوشش کی گئی۔ اس کے لئے مدّعیٔ نبوّت مرزا غلام احمد قادیانی......علیہ ما علیہ......کا انتخاب کیا گیا۔ متحدہ ہندوستان اسلامی حکومت کے سائے سے محروم تھا، ورنہ مرزا کا حشر بھی اَسوَد عنسی اور مسیلمہ کذّاب وغیرہ سے مختلف نہ ہوتا۔ اس لئے مسلمان سوائے دِینی بحثوں اور مناظروں کے کچھ نہیں کرسکتے تھے، برطانوی حکومت اپنے تمام لامحدود وسائل سے اس فتنے کی

پرورِش اور اپنے خود کاشتہ پودے -مرزا غلام احمد قادیانی- کی حفاظت کرتی رہی۔

اُمّت کے جن اکابر نے اس فتنے کے استیصال کے لئے محنتیں کی ہیں، ان میں سب سے زیادہ امتیازی شان حضرت اِمام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی رحمہ اللہ کو حاصل تھی، اور دار العلوم دیوبند کا پورا اِسلامی اور دِینی مرکز انہی کے انفاسِ مبارکہ سے اس شجرۂ خبیثہ کی جڑوں کو کاٹنے میں مصروف رہا۔ قادیانیوں کے شیطانی وساوِس اور زِندیقانہ دسائس کا اِمام العصر نے جس طرح تجزیہ کرکے ان پر تنقید کی، اس کی نظیر تمام عالمِ اسلام میں نہیں ملتی۔ حضرتِ مرحوم نے خود بھی گراں قدر علوم وحقائق سے لبریز تصانیف رقم فرمائیں، اور اپنے تلامذہ، مدرّسینِ دیوبند سے بھی کتابیں لکھوائیں۔ اور ان کی پوری نگرانی واعانت فرماتے رہے۔

میں نے خود حضرت رحمہ اللہ سے سُنا کہ ”جب یہ فتنہ کھڑا ہوا تو چھ ماہ تک مجھے نیند نہیں آئی، اور یہ خطرہ لاحق ہوگیا کہ کہیں دِینِ محمدی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کے زوال کا باعث یہ فتنہ نہ بن جائے۔ فرمایا: چھ ماہ کے بعد دِل مطمئن ہوگیا کہ اِن شاء اللہ! دِین باقی رہے گا، اور یہ فتنہ مضمحل ہوجائے گا۔“ میں نے اپنی زندگی میں کسی بزرگ اور عالم کو اس فتنے پر اتنا دردمند نہیں دیکھا، جتنا کہ حضرت اِمام العصر رحمہ اللہ کو۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دِل میں ایک زخم ہوگیا ہے، جس سے ہر وقت خون ٹپکتا رہتا ہے۔ جب مرزا کا نام لیتے تو فرمایا کرتے تھے: ”لعین اِبن اللعین لعینِ قادیان“ اور آواز میں ایک عجیب درد کی کیفیت محسوس ہوتی۔ فرماتے تھے کہ: ”لوگ کہیں گے کہ یہ گالیاں دیتا ہے، فرمایا کہ ہم اپنی نسل کے سامنے اپنے اندرونی درِ دِل کا اِظہار کیسے کریں، ہم اس طرح قلبی نفرت اور غیظ وغضب کے اظہار کرنے پر مجبور ہیں۔ ورنہ محض تردید وتنقید سے لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ تو علمی اختلافات ہیں جو پہلے سے چلے آتے ہیں۔“

مرضِ موت میں جب تمام قوّتیں جواب دے چکی تھیں اور چلنے پھرنے کے

قابل نہیں تھے، ایک دِن (یہ جمعہ کا دِن تھا) جامع مسجد میں ڈولی میں لائے گئے، اور اپنے شاگردوں اور علماء اور اہلِ دیوبند کو آخری وصیت فرمائی کہ دِینِ اسلام کی حفاظت کی خاطر اس فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی کے لئے پوری کوشش کریں۔ اور فرمایا: ”میرے تلامذہ کی تعداد جنھوں نے مجھ سے حدیث پڑھی ہے، دو ہزار ہوگی، ان سب کو میں وصیت کرتا ہوں کہ اس فتنے کے خلاف پوری جدّوجہد کریں۔“ حضرت رحمہ اللہ کی یہ وصیت ”دعوتِ حفظِ اِیمان“ کے نام سے ایک پمفلٹ کی شکل میں شائع ہوگئی تھی۔

حضرت رحمہ اللہ نے اپنی آخری زندگی میں مسلمانانِ کشمیر کو اس فتنے سے بچانے کے لئے آخری تصنیف فارسی زبان میں تالیف فرمائی۔ کشمیر میں فارسی زبان عام تھی اور وہاں کی علمی زبان فارسی ہی تھی، اس لئے آیت خاتم النّبیین کی شرح فرمائی۔ حضرتِ مرحوم کا دِل و دماغ جس طرح علوم و معارف سے بھرا ہوا تھا، ظاہر ہے کہ قلم سے اسی انداز کے علوم وحقائق نکلیں گے۔ زبان فارسی ہو یا اُردو، علومِ انوری کے جواہرات اپنی پوری تابانی کے ساتھ ظاہر ہوں گے۔ ہر شخص نہ اس کی تہوں تک پہنچ سکتا تھا، اور نہ یہ علوم اس کے قبضے میں آسکتے تھے، اس کے لئے حسبِ ذیل اُمور کی ضرورت تھی:

۱- عام فہم، شستہ اُردو زبان میں ترجمہ کیا جائے۔

۲- مترجم ذکی و محقق عالم ہو کہ علمی اِشارات و لطائف کو بخوبی سمجھتا ہو۔

۳- حضرت اِمام العصر رحمہ اللہ کے طرزِ تحریر سے مناسبت رکھتا ہو، اور اس کے سمجھنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو۔

۴- قادیانیت کے موضوع سے دِلچسپی رکھتا ہو، اور قادیانی مذہب کے لٹریچر سے پوری طرح باخبر ہو۔

۵- علمی دقائق کی تشریح پر اُردو میں قادر ہو، اور قلمی اِفادات سے عوام کو مستفید بنانے کی قابلیت رکھتا ہو۔

۶- تالیفی ذوق رکھتا ہو، تصنیفی ملکہ حاصل ہو، تا کہ مناسب عنوانات سے مضمون کو آسان کر سکتا ہو۔

۷- حضرت اِمام العصر رحمہ اللہ سے اِنتہائی عقیدت و محبّت ہو کہ مشکلات حل کرنے میں گھبرا نہ جائے، اور غور و خوض سے اُکتا نہ جائے۔

۸- محنت و عرق ریزی کا عادی ہو، دِل کا درد رکھتا ہو، قادیانیت سے بغض ہو۔

۹- اپنے علمی کاموں میں محض رضائے حق کا طالب ہو، حُبِ جاہ وثنا سے بالاتر ہو۔

۱۰- عام علمی مہارت اور دِینی ذوق کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ عربیت و بلاغت کے سمجھنے کی قابلیت رکھتا ہو، اور معانی و بلاغت کی نکتہ سنجیوں سے واقف ہو۔

یہ دس اُمور تھے جو اِرتجالاً زبانِ قلم پر آ گئے، ''عشرة كاملة'' کے بعد اَب مترجم صحیح ترجمے پر قدرت پا سکتا ہے۔ مجھے کسی سے توقع نہ تھی کہ یہ خدمت صحیح طور پر انجام دے سکے گا۔ میری خود بھی ہمت نہ تھی کہ اس لق و دق صحرا میں قدم رکھوں۔ اگرچہ عرصہ دراز سے احساس تھا کہ اس کے ترجمہ و تشریح کی ضرورت ہے، جس وقت شباب تھا اور فرصت بھی تھی، دِماغ میں تازگی تھی اور عہدِ اَنوری کی صحبتوں کی یاد تازہ تھی، اس وقت توجّہ نہ کر سکا، اور اس سعادت سے محروم رہا۔ حالانکہ ''نفحة العنبر'' میں ۴۵ برس پہلے لکھ چکا تھا کہ خدا کی قسم! انوری علوم کے باغ و بہار اور وہبی علوم کا نمونہ اگر دیکھنا ہو تو رسالہ ''خاتم النّبیین'' ملاحظہ کیا جائے۔ (۱)

---

(۱) ''نفحة العنبر'' کا متعلقہ اقتباس حسبِ ذیل ہے:

"اودع الشيخ فيها نكات وأسراراً وهبيّة ما يرهف الألباب والبصائر، ويروح القلوب والخواطر، احتوت عليٰ حقائق سامية ربّانية، وبدائع حِكم إلٰهية يبهت لها الخيال وتحار لها العقول، ستحسن أوان مطالعتها أن المزنة السحاء يهطل بديمها، أو أنّ البحر الذاخر يسمح بعببه، وأيم الله إنّ محاسنها الجلية تأخذ بالقلوب، لا أدرى بأىّ وصفٍ أصفها، دررٌ فاق بهائها، وغرر شاع ضوئها وسنائها، وزهر فاح أريجها وراق زهائها، لله من حكم يمانية سمح بها صدرهٔ ولله من معارف عالية نثرت من سني قلمه۔"

الحمدللہ! کہ یہ سعادت میرے ہم نام اور میرے ہم کام، میرے مخلص رفیقِ کار مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی کے حصے میں آئی، جو اس ’’عشرۃ کاملۃ‘‘ سے متصف تھے، باکمال تھے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ اس کے ترجمہ وتشریح کے فرض سے نہایت کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے، اور اس علمی ودِینی خدمت کا حق ادا کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بارگاہِ قدس میں قبول فرمائے اور مترجم کے لئے سعادتِ دارین کا وسیلہ بنائے اور حضرت مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی شفاعتِ مقبولہ کا ذریعہ بنائے۔ آمین

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ - کراچی
امیر مجلس تحفظِ ختم نبوّت
جمعہ ۲۴؍جمادی الاولیٰ ۱۳۹۷ھ

دیباچۂ مترجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی! امابعد

حجۃ الاسلام حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری (۱۳۵۲ھ) کی آخری تصنیف ''خاتم النّبیین'' - جو عقیدۂ ختمِ نبوّت پر علوم وحقائق کا بے مثال خزینہ ہے۔ ۱۳۵۴ھ میں جب پہلی بار شائع ہوئی تھی، تب حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی زِیدمجدہم نے اپنے مقدّمہ میں اس کے ترجمہ وتشریح اور تبویب کی ضرورت کا اظہار فرمایا تھا۔ یہ گویا ایک قرض تھا جو مسلسل چالیس پینتالیس برس سے وابستگانِ دامنِ انوری کے ذِمہ چلا آتا تھا۔ ۱۳۹۵ھ کے وسط میں حضرتِ شیخ علّامہ مولانا سیّد محمد یوسف بنوری مدّظلہ کی جانب سے ایما ہوا کہ یہ ناکارہ اس خدمت کو بجالائے۔ یعنی: ع ''قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند!''

اپنی کم سوادی وہیچ میرزی کے باوجود تعمیلِ ارشاد کی سعادت سے محرومی گوارا نہ ہوئی۔ توکلاً علیٰ اللہ اس کے لئے کمربستہ ہوگیا، اور بتوفیقِ خداوندی شعبان، رمضان اور عشرۂ شوال ۱۳۹۵ھ میں اس کے ابتدائی مسوّدے کی تکمیل ہوئی۔ اکابر کی تصحیح اور نظرِثانی کی غرض سے اس کا قسط وار سلسلہ ماہنامہ ''بینات'' میں شروع کردیا گیا، اور اب کافی اصلاح وترمیم کے بعد اسے مستقل شائع کیا جارہا ہے۔ جدید اِشاعت میں درج ذیل اُمور کی رعایت کی گئی ہے۔

الف:...... فارسی متن میں کافی غلطیاں تھیں، ان کی تصحیح پر حتّی الامکان توجّہ کی گئی ہے۔

ب:...... قرآنِ کریم کی آیات، اَحادیثِ طیبہ اور دیگر نقول کے بیشتر حوالوں کی تخریج کی گئی۔

ج:...... کتاب کے منتشر مضامین کو ''تبویب'' کے عنوان سے مرتّب کردیا گیا۔

د:...... کتاب کے آخر میں آیات، اَحادیث، اسماء، اَماکن اور کتابیات کا اِشاریہ شامل کیا گیا۔

ہ:...... فارسی متن اور اُردو ترجمہ دونوں کو الگ الگ کردیا گیا، اور دونوں میں مطابقت پیدا کرنے کے لئے کتاب کو ۲۳۰ فقروں میں تقسیم کردیا گیا، (تبویب اور اِشاریہ میں بھی انہی فقرہ نمبروں کا حوالہ دیا گیا ہے)۔

و:...... ترجمے کو عام فہم بنانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ تشریحی الفاظ کا اضافہ قوسین ( ) کے درمیان کیا گیا ہے۔ بعض جگہ ''تشریح'' کا عنوان دے کر شرح کی گئی ہے، اور بعض مقامات پر حواشی میں۔

کتاب کے ترجمہ وتشریح اور تخریج وتبویب میں اس ناکارہ کو جو تعب اُٹھانا پڑا، اس کی داستان سرائی مقصود نہیں، نہ اسے الفاظ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ البتہ اپنی معذوری کا اِظہار ضروری ہے، بس یوں سمجھئے کہ کسی ناتواں آدمی کو ایک بھاری پتھر اُٹھانے پر مامور کردیا جائے اور وہ مسکین اس مہم پر اپنی ساری توانائیاں صَرف کرڈالے، اس کے باوجود اگر اسے کامیابی نہ ہو تو ملامت کا نہیں بلکہ عفو وترحم کا مستحق ہے۔ اسی طرح ''خاتم النّبیین'' میری اِستعداد سے بہت بلند وبالا تھی، پس اگر میرے کوتاہ قلم کو کسی جگہ اَدائے مطالب میں لغزش ہوئی ہو، یا کسی تعبیر میں کوئی سقم نظر آئے تو مجھے اپنی بے بضاعتی کا اعتراف ہے، اور میں اہلِ علم سے عفو واِصلاح کا خواستگار

ہوں۔ اور اگر کہیں ناگاہ کوئی بات ٹھکانے کی نکل گئی ہو تو یہ حق تعالیٰ شانہ کی عنایت اور میرے اکابر کی کرامت ہے...... ع ''وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم!''

مصنّف اِمام رحمہ اللہ نے جگہ جگہ مرزا غلام احمد قادیانی کو ''ایں شقی'' اور ''ایں لعین'' جیسے الفاظ سے یاد کیا ہے، اور مترجم نے بھی اسی کا تتبع ضروری سمجھا ہے۔ مترجم اس سلسلے میں کسی معذرت کی ضرورت محسوس نہیں کرتا، کیونکہ دعویٰ نبوّت کی وجہ سے جو حیثیت مسیلمہ کذّاب اور اَسوَد عنسی کی تھی، وہی مرزا قادیانی کی ہے، اور جن القاب وخطابات کے وہ مستحق تھے، وہی استحقاق مرزا قادیانی کو بھی حاصل ہے۔

مصنّف اِمام رحمۃ اللہ علیہ کی اس امانت کو اُردو قالب میں پیش کرتے ہوئے میں بارگاہِ رَبّ العزّت میں سجداتِ شکر بجا لاتا ہوں۔ اور اس کریمِ مطلق سے ملتجی ہوں کہ اپنے مقبول بندوں کے طفیل اس حقیر خدمت کو قبول فرمائے اور اسے اپنے بندوں کی ہدایت اور اس ناکارہ کی نجات ومغفرت کا ذریعہ بنائے۔

شنیدم کہ در روز امید وبیم
بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم

بندہ محمد یوسف لدھیانوی عفا اللہ عنہ وعافاہ
خادم مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت پاکستان
تغلق روڈ، ملتان
۲۶/ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۷ھ

تبویب

رسالہ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مضامین متفرق اور منتشر تھے، اس کی نہ کوئی فہرست تھی، نہ کسی موضوع کا عنوان۔ جس سے نہ تو کتاب کی افادیت کا ٹھیک اندازہ ہوسکتا تھا نہ کسی مضمون کا تلاش کرنا آسان تھا، اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ابواب وفصول کی سلک میں منسلک کردیا جائے۔

پیش نظر تبویب میں کتاب کو دو حصوں اور درج ذیل اٹھارہ فصلوں پر مرتب کردیا گیا ہے:

حصہ اوّل:...... نبوت اور منصبِ نبوت...... ختم نبوت...... خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم تفسیر آیت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم...... ختم نبوت اور حدیثِ نبوی...... اجماع اُمّت اور ختم نبوت...... ختم نبوت اور صوفیاء کرام...... عیسیٰ علیہ السلام۔

حصہ دوم :...... تحریفاتِ مرزا...... تلبیساتِ مرزا...... کفریاتِ مرزا...... دعاویٔ مرزا...... تناقضاتِ مرزا...... عقائدِ مرزا...... عجائباتِ مرزا...... سیرتِ مرزا الہاماتِ مرزا......

پوری کتاب ۲۳۰ فقروں پر مشتمل ہے اور ہر مضمون کے سامنے فقروں کے نمبرات درج ہیں۔

محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

عقیدۂ ختمِ نبوت اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔جس پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ نبوت کیا تو امام العصر حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ نے اپنے عزیز شاگردوں کو مرزا قادیانی کے گمراہ کن عقائد و نظریات کے رد میں رسائل و مضامین لکھنے کا حکم فرمایا۔خود بھی فارسی زبان میں ’’خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ تصنیف فرمائی۔حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم و معارف اور وہ بھی فارسی زبان میں جس سے عوام الناس تو کیا خواص بھی استفادہ سے محروم تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے مایہ ناز شاگرد حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے اس لاجواب تصنیف کو اردو قالب میں منتقل کرنے کے لیے اپنے ہم نام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو راضی کیا۔چنانچہ حضرت شہیدؒ نے یہ ذمہ داری قبول فرمائی اور بلاشبہ ترجمہ کا حق ادا فرمایا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ فتنہ قادیانیت کی سرکوبی میں یہ کتاب کسی صائقہ آسمانی سے کم نہیں۔

’’خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ کی پی ڈی ایف بنانے میں خاص طور پر اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ فہرست سے ہی کسی بھی عنوان یا نمبر پر کلک کرکے اس تک بہ سہولت رسائی حاصل کی جاسکے اور کسی بھی صفحہ سے فہرست تک رسائی ممکن ہو۔جبکہ یونی کوڈ ورژن میں سرچ کے ساتھ ساتھ کاپی اور شیئر کا اضافی فیچر شامل کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ ہمارے اکابر کے فیض کو عام فرمائے اور خلقِ خدا کی ہدایت کا ذریعہ بنائے اور ہمارے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔آمین

مفتی محمد الیاس لدھیانوی
بانی و منتظم ’’شہیدِ اسلام پورٹل‘‘
۱۴/۸/۱۴۴۷ھ

١ نبوت اور منصبِ نبوت

نبوت کی کُنہ صرف نبی کو معلوم ہوسکتی ہے: ۱۳۱

نبوت ورسالت میں عموم وخصوص کی نسبت ۱۰۷

نبوت عطیۂ خداوندی ہے: ۱۰ ۴۶

نبوت استخلاف الٰہی: ۱۰۵-۱۰۶ ۱۶۱

نبوت شرف واختصاص: ۴۷

نبوت کی حسّی مثال: ۱۰۶

نبوت ایک ظاہر وباہر منصب ہے: ۱۰۵

نبوت کی تشبیہ عمارتِ حسّی کے ساتھ: ۱۳

نبوت کی ضرورت اور مقصد: ۳۰

نبوت کی ضرورت اب باقی نہیں رہی: ۵۳

نبوت کی تمت تمام ہوچکی: ۴۳

نبوت بند اور فیوض نبوت جاری ہیں: ۱۷ ۱۰۶ ۱۷۰

نبوت کا جزاخیر اختصاص ہے، جو متعدی نہیں: ۱۰۵

نبوت کے جو اجزا قابل تعدیہ تھے وہ متعدی ہیں: ۱۰۶

نبوت کا ذیلی شعبہ، ولایت: ۳۰

نبوت کی تقسیم (بالواسطہ، بلاواسطہ) نکالنا من گھڑت مفروضہ ہے ۹ ۱۲
۱۵۔۱۶۔۱۷ ۲۳ ۵۵ ۶۲

نبوت میں تولید نہ پہلے تھی نہ اب ہے: ۱۷۰

نبوت وہبی ہے، مگر بے استحقاق نہیں: ۱۹۰

نبوت کا استفادہ لغو ولایعنی ہے: ۲۸

نبوت میں ظلّیت کا دعویٰ بغاوت کے مترادف ہے: ۲۸

نبوت میں انتقال وتعدیہ ناممکن ہے: ۱۰۵

نبوت میں شرکت نہیں: ۱۲۹ ۶۴

نبی اور رسول کی تعریف: ۸۱

نبی عام ہے اور رسول خاص: ۱۸

انبیاء کی ضرورت کیوں؟ ۵۹

انبیاء کو اسم لازم، وہبی اور مطلق عطا کیا گیا: ۱۸۳

بعثت ہدایت عامہ کے لئے ہے: ۱۵۴

انبیاء کرام کی سیرت کا اجمالی خاکہ: ۱۳۰

انبیاء کرام اور غیر انبیاء کے طریق میں فرق: ۶۰

انبیاء کرام کبھی ایک دوسرے سے اختلاف نہیں کرتے: ۶۱

انبیاء کرام کو سیادت وقیادت کے لئے بھیجا جاتا ہے: ۱۰۴

انبیاء کرام کے طریق میں ہدایت منحصر ہے: ۵۹

انبیاءکرام پر اعتماد ہی ایمان وکفر کے درمیان خطِّ فاصل ہے: ۵۹

انبیاءکرام کے احکام میں چون و چرا روا نہیں: ۶۱

انبیاءکرام میں ’’الناقص کالمعدوم‘‘ کا اصول جاری کرنا کفر ہے: ۹۴

انبیاءکرام امت کی تربیت کیسے کرتے ہیں: ۱۰۵

معجزہ وکرامت میں فرق: ۱۰۵

۲ ختم نبوت

ختم نبوت کی حکمت: ۳۰ ۳۲ ۳۵-۳۶ ۵۳ ۴۷ ۱۵۱

ختم نبوت کی حسّی مثال: ۱۳

ختم نبوت نقص نہیں، کمال ہے: ۲۶

ختم نبوت رحمت ہے: ۱۵۲

ختم نبوت ختم کمالات کی فرع ہے: ۳۵ ۱۳۵

ختم نبوت سیادت وقیامت کی دلیل ۳۶ ۴۵

ختم نبوت زمانہ کا طبعی تقاضا: ۳۸ ۴۲

ختم نبوت نظامِ عالم کا مقتضا: ۴۱ ۴۳ ۱۲۷

ختم نبوت کا عقیدہ قطعی متواتر ہے: ۱۴۸

ختم نبوت کا عقیدہ ’ضروریات دین‘ میں سے ہے: ۱۴۸

ختم نبوت کا عقیدہ اور نصوص کی تشریح: ۱۴۸

ختم نبوت اور عیسیٰ علیہ السلام:	۲۷، ۱۶۳، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۹۲
ختم نبوت پر اعتراض خدا سے معارضہ ہے:	۱۴، ۲۴، ۳۸، ۴۳، ۵۴
ختم نبوت میں تاویل خدا سے مذاق ہے:	۲۴۔۲۵، ۱۱۴
ختم نبوت میں تاویل مومن کا شیوہ نہیں:	۷۷

۳ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

خاتم النبیین ﷺ امت کے رسول اور انبیاء سابقین کے خاتم:	۹، ۵۲
خاتم النبیین ﷺ باعتبار 'لم' کے مبدا اور باعتبار 'ان' کے منتہا ہیں:	۳۵
خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اول الفکر آخر العمل:	۱۴
خاتم النبیین ﷺ نبوت کے فاتح بھی ہیں اور خاتم بھی:	۱۳۵
خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء ہیں:	۴۵
خاتم النبیین ﷺ نے تمام دائرہ نبوت کو طے فرمایا ہے:	۳۳
خاتم النبیین ﷺ کے بعد نبوت مقدر ہوتی تو اس کی تاکید و تصریح ہوتی:	۱۵۸
خاتم النبیین ﷺ کے بعد نبی کو آنا نقص ہے:	۳۳، ۳۷، ۵۲
خاتمیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے:	۷۶، ۸۱
خاتم النبیین ﷺ میں تمام محاسن جمع کر کے کارِ نبوت تمام کر دیا گیا:	۱۷۰
خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سلطان الانبیاء ہیں:	۳۶، ۱۰۴، ۱۶۴
خاتم النبیین ﷺ پر ایمان تمام انبیاء پر ایمان کو متضمن ہے:	۴۷

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے اور سابقین کے دور میں فرق: ۸ ، ۲۵

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں: ۴۹

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل ترین دور میں لایا گیا: ۳۲

خاتم النبیین ﷺ کی حیثیت واسطۃ العِقد کی نہیں بلکہ صدر جلسہ کی ہے: ۵۱

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو ''نبی ساز''، کہنا خدا سے کٹ حجتی ہے: ۳۹

خاتم النبیین ﷺ کے بعد نبوت کا کوئی مصرف نہیں: ۳۰ ، ۵۳ ، ۱۰۵

خاتم النبیین ﷺ کی خاتمیت منتہائے کمال کی علامت ہے: ۱۶۴

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کا صرف اعتقاد کافی نہیں: ۷۶

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے مصدِّق اور مصدَّق ہیں: ۷۷

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا لقب ہے جو محض اتفاقی نہیں: ۸۰ ، ۹۲

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء گرامی عاقب وحاشر مقفّی: ۱۰۴

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو المؤمنین کہنا ممنوع ہے: ۷۹

خاتم النبیین ﷺ عمارتِ نبوت کی آخری اینٹ ہیں: ۱۳ ، ۱۱۰ ، ۱۲۷

۴ تفسیر آیت خاتم النبیین

۶ تا ۹ ، ۱۸۔۱۹۔۲۰ ، ۲۴ ، ۲۹ ، ۲۶ ، ۷۵ ، ۷۸۔۷۹ ، ۱۰۳

۱۰۶ ، ۱۱۸ ، ۱۱۹ ، ۱۲۱ ، ۱۳۵ ، ۱۳۷ تا ۱۴۳

خاتَم اور خاتِم کے معنی: ۶۶ ، ۶۷

دونوں قرائتیں متواتر ہیں:	٦٦
ختم اور انقطاع میں فرق:	٣١
خاتم القوم کے معنیٰ 'آخری فرد':	٦٦
کثرت منتظمہ کا 'خاتم' سب سے آخر میں:	٨٧
امام لغت ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول:	٦٦
خاتم النبیین میں مضاف الیہ بمعنیٰ مفعول ہے:	٧٨، ١١٨
خاتم النبیین کے معنیٰ خاتم اشخاصِ انبیاء:	٨۔٩، ١٩، ٥٥، ١٦٧
خاتم کا تعلق سابقین سے ہے:	٩، ٣٤، ٣٦، ٤٥، ١٠٤، ١٠٨
خاتم باعتبار ماضی کے ہے، مستقبل کے نہیں، اور جزئی ہے، کلی نہیں:	١٢٤

خاتم بمعنیٰ مہر:	٦٧، ١٢٣
مہر کیوں لگائی جاتی ہے؟	١٢٣
مہر لگانے میں آخر اور کھولنے میں اول ہوتی ہے:	٤٦
آپ خود مہر ہیں، مہر لگانے والے نہیں:	٦٧، ١١٨، ١٢٢
کسی کی مہر کا استعمال خیانت ہے:	١٢٢

'لکن' استدراک کے لئے ہے:	٦، ٢٣، ١١٩
استدراک کی تفسیر:	٦

استدراک کا نکتہ: ٦ ۲۳ ۱۱۹

'لکن' کے قبل و بعد میں تدافع اور مقابلہ ضروری ہے: ۱۲۱

قصر قلب ٦ ۲۹ ۱۱۸ ۱۲۱

استدراک کی دوسری صورت ٦ ۱۴۳

ابوت سلسلۂ نبوت کے اجرأ کو متضمن ہے: ٦

ابوت اور ختم نبوت میں کیوں تدافع ہے: ٦ ۲۹ ۱۲۱ ۱۴۰

ابوت کے مفہوم میں دو چیزیں تھیں: ۱۳۹

أَحَدٍ میں تنکیر کا نکتہ: ۷۵

'مِّن رِّجَالِكُمْ' لانے کا نکتہ: ۷۵

تفسیر کا مدار شواذ پر نہیں رکھنا چاہئے: ۷۵

آیت کی جامع تفسیر: ٦ تا ٩ ۱۳۸ تا ۱۴۳

تفسیر آیت از ابن عباس رضی اللہ عنہ: ٦٦

تفسیر آیت از عطا تابعی رحمۃ اللہ علیہ: ۱۴۰

آیت میں منفی و مثبت جملوں کے جمع کرنے کا نکتہ: ۱۴۳

دونوں جملوں میں ربط: ٦ ۷۵

مہر اعتبار مراد لینے سے ربط فوت ہو جاتا ہے: ۱۲۵

عموم سے خصوص کی طرف انتقال کا نکتہ: ۱۸ ۱۲۵

تبنّی کے بجائے ابوت کی نفی کا نکتہ: ۲۰

آیت عقیدہ ختم نبوت پر قطعی الدلالت ہے: ۱۴۴

آیت سے نبوت بالاستفادہ کی بدرجۂ اولیٰ نفی ہوجاتی ہے: ۷

آیت سے استفادہ نبوت باعتبار عربیت بھی باطل ہوجاتا ہے: ۲۹

آیت نبوت غیر تشریعہ کے انقطاع پر بدرجۂ اولیٰ نصّ قطعی ہے: ۱۸ ۱۲۵

آیت میں دوام نبوت کو ختم سے تعبیر کرنا دعویٰ مع الدلیل ہے: ۷۸

آیت کا خطاب اہلِ جاہلیت سے نہیں: ۱۳۸

۵ ختم نبوت اور قرآن کریم

آیات ختم نبوت

۱۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ: ۱۸ ۷۵ ۹۷

۲۔ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ: ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۱۴ ۳۰ ۴۸ ۱۷۱

۳۔ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ: ۷۷ ۱۶۵

۴۔ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٩﴾ ۳۰

۵۔ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ: ۴۹ ۱۵۶

۶۔ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا: ۴۹ ۱۵۶

۷۔ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾: ۴۹ ۱۵۶

۸۔ لِيَكُونَ ٱلرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيۡكُمۡ وَتَكُونُواْ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ ۚ : ۴۹

۹۔ وَيَوۡمَ نَبۡعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٖ شَهِيدًا عَلَيۡهِم مِّنۡ أَنفُسِهِمۡۖ وَجِئۡنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِۚ : ۴۹

۱۰۔ وَٱلَّذِينَ يُؤۡمِنُونَ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيۡكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبۡلِكَ : ۱۵۴

۱۱۔ لَّٰكِنِ ٱلرَّٰسِخُونَ فِي ٱلۡعِلۡمِ مِنۡهُمۡ : ۱۵۴

۱۲۔ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ ءَامِنُواْ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ : ۱۵۴

۱۳۔ وَلَقَدۡ أُوحِيَ إِلَيۡكَ وَإِلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكَ : ۱۵۴

۱۴۔ أَلَمۡ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يَزۡعُمُونَ أَنَّهُمۡ ءَامَنُواْ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيۡكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبۡلِكَ : ۱۵۴

۱۵۔ كَذَٰلِكَ يُوحِيٓ إِلَيۡكَ وَإِلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكَ : ۱۵۴

۱۶۔ وَمَآ أَرۡسَلۡنَا مِن قَبۡلِكَ مِن رَّسُولٍ : ۱۸ ۱۵۷

۱۷۔ وَمَآ أَرۡسَلۡنَا مِن قَبۡلِكَ مِن رَّسُولٖ وَلَا نَبِيٍّ : ۱۵۷

۱۸۔ وَمَآ أَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنَ ٱلۡمُرۡسَلِينَ : ۱۵۷

۱۹۔ ٱتَّبِعُواْ مَآ أُنزِلَ إِلَيۡكُم مِّن رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُواْ مِن دُونِهِۦٓ أَوۡلِيَآءَۗ : ۱۵۷

۲۰۔ وَمُبَشِّرَۢا بِرَسُولٖ يَأۡتِي مِنۢ بَعۡدِي ٱسۡمُهُۥٓ أَحۡمَدُۖ : ۱۲۷

آیاتِ ختم نبوت کی تعداد سو ہے: ۱۵۹

آیاتِ قرآن کا مطمح نظر یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی اور کوئی وحی نبوت نہیں: ۱۵۴

آپ ﷺ کے بعد قرآن کریم قیامت تک کسی نبوت اور کسی وحی نبوت کا پتہ نشان نہیں دیتا: ۱۵۴

قرآن کریم نے ختم نبوت اور اس کی علّت کو یکجا بیان کیا ہے: ۷۸

قرآن کریم مقامِ مدح میں بھی بے پیمانہ انداز اختیار نہیں کرتا: ۷۹

قرآنی محاورات کو سوقیانہ محاوروں پر ڈھالنا جہل وحماقت ہے: ۸۷

قرآن کریم کی نظر میں امّت محمّدیہ آخری امت ہے: ۴۹

قرآن کریم امّت محمّدیہ کا دامن قیامت تک وسیع کرتا ہے: ۱۵۶

قرآن کریم بطور طرد وعکس کے ختم نبوت کی دلیل پیش کرتا ہے: ۱۵۷

قرآن کریم 'من قبل' کی قید سے دورِ مابعد میں نبوت کی نفی کرتا ہے: ۱۵۷

قرآن کریم میں استفادۂ نبوت کا مضمون داخل کرنا خودغرضی ہے: ۱۰۴

تعدد قرأت کا نکتہ: ۷۷

قرآن کریم میں تاویل فاسد کفر ہے: ۸۹

قرآن کریم میں خودغرضی کے لئے قیدیں لگانا الحاد وزندقہ ہے: ۱۴۴

قرآن کریم کی مراد میں اجماع امّت پر انحصار لازم ہے: ۸۹

۶ ختم نبوت اور حدیثِ نبوی

احادیث ختم نبوت: ۱۳ ۱۹ ۲۱-۲۲ ۳۱-۳۲ ۴۴ ۶۴ ۵۳ ۶۶

۸۱ ۱۰۵ ۱۱۰ ۱۲۲ ۱۳۰ ۱۴۰ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۶۰ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۸۲

۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ (دیکھئے اشاریۂ احادیث)

احادیث ختم نبوت متواتر ہیں: ۱۷ ۱۶۰

احادیث ختم نبوت کی تعداد دوصد ہے: ۱۶۰

بعض احادیث مطلقاً انقطاع نبوت کی دلیل ہیں اور بعض علی الخصوص

نبوت غیر تشریعیہ کے انقطاع کی: ۱۶۰

حدیث نے تمام شبہات کا استیصال کر دیا: ۱۳

'لا الٰہ الاّ اللّٰہ' کی طرح 'لا نبیّ بعدی' میں بھی تاویل نہیں: ۸۳

حدیث دجّالین میں مدارِ حکم دعویٰ نبوت ہے: ۱۱۰

قصرِ نبوت کی کوئی اینٹ باقی نہیں: ۱۱۰

علّت نہی از نقش بر نقش نبوی: ۱۲۲

قرآن و حدیث کے درمیان متن و شرح کی نسبت ہے: ۲۱۳ ۲۱۴

شرح قول صدیقہ رضی اللہ عنہا: قُوْلُوْا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ: ۲۷ ۱۹۱

شرح حدیث: مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ إِمَامَ زَمَانِهٖ: ۱۲۹ (شعر ۳۱)

شرح حدیث: أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى: ۱۱۰ ۲۲

شرح حدیث: إِنِّيْ عِنْدَ اللهِ مَكْتُوْبٌ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ: ۴۶ ۳۲

شرح حدیث: اَلْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ: ۱۹ ۱۰۵

حدیثِ شفاعت اور ختم نبوت: ۴۶ ۱۲۲ ۱۶۳

شرح حدیث: كَانَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيلَ تَسُوْسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ: ۸۱ ۱۶۰

شرح حدیث: لَوْ عَاشَ إِبْرَاهِيْمُ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا: ۱۸۲ تا ۱۹۳

شرح حدیث: إِنَّ اللهَ بَدَأَ هٰذَا الْأَمْرَ نُبُوَّةً وَرَحْمَةً: ۱۵۲

شرح حدیث: لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا لَمَا وَسِعَهُ إِلَّا اتِّبَاعِيْ: ۱۸۵

شرحِ حدیث: نَحنُ الآخِرُونَ السَّابِقُونَ: ۴۶ ۱۶۳
شرحِ حدیث: لَانُورِثُ مَاتَرَکْنَاہُ صَدَقَۃ: ۲۱ ۱۳۰

۷ اجماعِ امت اور ختمِ نبوت

اجماعِ امت "سبیل المؤمنین" ہے: ۸۹ ۱۴۸
سب سے پہلا اجماع مدعیٔ نبوت کے قتل پر ہوا: ۹۰
قرآن کریم کی مراد کی تعیین میں اگر اجماع پر اعتماد نہ کیا تو اسلام و کفر کی تمیز ۸۹
مدعیٔ نبوت کے کفر و ارتداد پر ہمیشہ اجماع رہا ہے: ۹۰ ۱۴۴
اجماع، مسئلہ کے قطعی ہونے کی دلیل ہے: ۱۴۸
اجماع سبیل المؤمنین ہے: ۸۹ ۱۴۸
اجماعی مسائل میں تاویل کی گنجائش نہیں: ۱۴۸
متواتر کے اقسام: ۱۴۸

۸ ختمِ نبوت اور صوفیاء کرام

تاویل باطل کفر ہے۔ شیخ اکبرؒ: ۸۹
شیخ جیلانیؒ کا قول: ۱۲۹ ۱۸۳
شیخ اکبرؒ کا قول: ۱۰۲ ۱۲۹ ۱۵۵
نبوت لغویہ: ۱۸۴

۹ عیسیٰ علیہ السلام

نزول عیسیٰ علیہ السلام: ۱۲۱ ۲۱۳

نزول من السماء: ۲۱۶

نزول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث متواتر ہیں: ۱۲۱ ۲۱۴

تمام امت نے عیسیٰ سے مراد عیسیٰ بن مریم سمجھا ہے: ۲۱۴

عیسیٰ علیہ السلام کے رفع نزول کی حکمت: ۷۷

رفع ونزول کا مفہوم صنعت طباق کی وجہ سے واضح ہے: ۲۱۴ ۱۶۹

”وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿١٥٧﴾ بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ“ میں قتل اور رفع کے درمیان تدافع ہے اس لئے رفع جسمانی ہی مراد ہوسکتا ہے۔اس کے دلائل: ۱۲۱

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ختم نبوت کے منافی نہیں: ۲۷ ۱۶۷۔۱۶۸ ۱۹۲ ۱۵۳

حصہ دوم: قادیانیت

۱ تحریفاتِ مرزا

تحریف: وَءَاخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا۟ بِهِمْ: ۱۱۱

تحریف: قُلْ يَٰعِبَادِىَ: ۵۷

تحریف: فَأُو۟لَٰٓئِكَ مَعَ ٱلَّذِينَ أَنْعَمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِم: ۱۳۲ ۱۷۰

تحریف: ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ: ۱۳۲ ۱۴۷ ۱۷۱

تحریف: يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ إِمَّا يَأۡتِيَنَّكُمۡ رُسُلٞ مِّنكُمۡ : ۱۴۶

تحریف: صِرَٰطَ ٱلَّذِينَ أَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ : ۱۳۲

۲ تلبیساتِ مرزا

۱ نبوت بالاستفادہ: ۹تا۱۶ ۲۳ ۲۸،۲۹ ۵۵ ۱۰۴ ۱۳۵

۲ نبوت کو قوت مولّدہ پر قیاس کرنا: ۴۰ ۱۶۵

۳ صرف نبوت تشریعیہ بند ہے: ۱۲۵

۴ فنافی الرسول: ۵۵،۵۶ ۶۲ تا ۶۶ ۱۱۷

۵ خاتم بمعنیٰ نبی تراش: ۳۷ ۴۳ ۴۷ ۵۰ ۶۶ ۶۸ ۱۵۲

۶ انعکاسِ نبوت: ۱۲۵

۷ خاتم المحدثین پر قیاس: ۷۶ ۸۲ تا ۱۰۴ ۱۱۸ ۱۴۹

۸ خاتم بمعنی مُہر اعتبار: ۱۱۸ تا ۱۲۵

۹ شہنشاہ اور شاہانِ ماتحت: ۵۲، ۵۳ ۸۶ ۱۸۰،۱۸۱

۱۰ ”نبوت رحمت ہے“: ۴۳ ۵۰ ۱۵۲

۱۱ صوفیانہ اصطلاحات کی آڑ: ۵۶ تا ۶۲

۱۲ ظلّ و بروز: ۱۱۴ تا ۱۱۷ ۱۲۵ ۲۱۸

۱۳ عقیدہ ختم نبوت کے مقابلہ میں مرزائی جو کچھ پیش کرتے ہیں وہ رسوا کن مغالطے ہیں ۱۴۵

کسی لفظ کے مجازی معنیٰ ہی کو اصل ٹھہرالینا: ۹۶

۳ کفریاتِ مرزا

وجوہِ کفر:	۱۰۸
تفسیر قرآن کورد کرنا:	۷۰ ، ۱۷۷،۱۷۸
ردّ احادیثِ متواترہ:	۷۰ ، ۱۷۷،۱۷۸
متواترات وقطعیات کاانکار:	۱۷۸
تحریف آیات:	۱۱۵ ، ۲۱۲،۲۱۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب:	۷۰
احادیث کامذاق اڑانا:	۲۲۵
ضروریاتِ دین کامذاق اڑانا:	۱۰۸ ، ۱۳۴
قطعیات کودرہم برہم کرنا:	۲۲۲ ، ۲۲۹
انبیاء کرام کی توہین:	۱۰۸ ، ۱۷۶ ، ۲۲۳
حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر شراب نوشی کی تہمت:	۱۷۶
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پاگل کہنا:	۱۷۶
عیسیٰ اور یسوع:	۱۰
معجزات عیسوی کی تکذیب:	۲۲۲
معجزات انبیاء کاانکار:	۲۳۰
ادّعائے نبوت:	۱۰۸ ، ۱۷۶ ، ۲۰۵

ادّعائے وحی مثل قرآن:	۱۰۸ ، ۱۷۷
ادّعائے شریعت:	۱۰۹ ، ۱۷۶ ، ۲۰۷
ادّعائے شریعت جدیدہ:	۷۰ تا ۷۳ ، ۱۰۹
افضل الرسل ہونے کا دعویٰ:	۲۱۵
خصائص انبیاء کا ادّعا:	۱۰۸
خود کو بعثتِ ثانیہ کا مظہر کہنا:	۱۱۹ ، ۲۲۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے برتری کا ادّعا:	۶۸
معجزات نبوی سے اپنے معجزات کو زیادہ بتانا:	۲۳۰
انبیاء کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا:	۲۲۲ ، ۲۲۹
حضرت مریم صدیقہ پر زنا کی تہمت:	۱۰۹

۴ دعاویِ مرزا

نبوت کا دعویٰ:	۱۰۸ ، ۱۷۶ ، ۲۰۹
نبوت کی تعریف اور اس کا طریقِ حصول:	۲۱۹
وحی قطعی کا دعویٰ:	۱۰۸
بیس پارے سے زائد وحی:	۱۷۷،۱۷۸
تمام رسولوں سے بڑھ کر ہونے کا دعویٰ:	۲۱۵
خدا کا بروز ہونے کا دعویٰ:	۱۱۵ ، ۲۲۱

خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ: ۱۷۵

بروز کرشن ہونے کا دعویٰ: ۱۷۵ ۱۹۴

جے سنگھ رودر گوپال ہونے کا دعویٰ: ۱۹۴

برہمن اوتار ہونے کا دعویٰ: ۱۹۴

اسرائیلی ہونے کا دعویٰ: ۱۱

۵ تناقضاتِ مرزا

نبوت جاری بھی اور ختم بھی: ۶۳ ۱۷۹

دورِ سابق میں نبوت ثمرۂ اتباع نہ تھی اور تھی: ۱۰ ۶۴ ۱۲۴

مرزا کی نبوت ثمرۂ اتباع بھی اور نہیں بھی: ۷۴

مرزا کی شریعت جدید بھی اور نہیں بھی: ۷۰ تا ۷۳

انعکاس، نبوت کے مغائر بھی اور نہیں بھی: ۱۰۹ ۲۰۶

مرزا اجمالی بھی ہے اور نہیں بھی: ۱۰۵

مہر، نبوت کھولنے کے لیے بھی اور بند کرنے کے لئے بھی: ۱۲۴

محدثیت، مرزا کے دعویٰ کے مطابق بھی اور نہیں بھی: ۲۰۸

اجرائے نبوت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت بھی اور توہین بھی: ۱۸۰

تواتر حجّت بھی اور پھر غلط بھی: ۲۲۲

حدیثیں مردود بھی اور مرزا کی دلیل بھی: ۱۷۹

عقیدہ الہامی بھی اور شرک بھی: ۲۰۰

پیشگوئیاں لغو بھی اور مرزا کا معجزہ بھی: ۱۷۹

مرزا کو ادّعا یقین بھی اور پھر جہل بھی: ۲۲۷

مسیح علیہ السلام دوبارہ آئے گا۔نہیں آسکتا: ۲۰۰

مسیح پاگل بھی اور خدا کا خاص مقرّب بھی: ۱۰ ۱۷۶

۶ عقائدِ مرزا

وید خدا کا کلام: ۱۷۲ ۱۹۴

شرک کا عقیدہ: ۱۹۶

تناسخ کا عقیدہ: ۱۷۲ ۲۰۲ ۲۱۸

تفسیر قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر: ۶۸

ہندوستان کا ’کاہن‘ نبی: ۱۷۲

بعثت ثانیہ کا عقیدہ: ۱۱۱ ۱۷۴ ۲۲۵

عالم قدیم بالنوع: ۱۲۶

امت محمدیہ کافر ہے: ۱۱۰ ۱۲۵

۷ عجائباتِ مرزا

مرزا عورت: ۲۲۸

خدا سے ہنسی مذاق: ۲۲۸
خدا کی قوتِ رجولیت کا اظہار: ۲۲۸
استعاراتی حمل: ۲۲۴
نسوانی عوارض: ۲۲۴
مرزائی معجزات: ۱۷۹
الہام اور شرک: ۲۰۰
دروغ گوئی: ۱۷۴
مغالطہ اندازی: ۲۱۱
فحش کلامی: ۱۷۴ ۲۲۶
عقل و دانش: ۱۷۵
کشف کونیات: ۲۰۵
علوم و معارف: ۲۰۱ ۲۰۵ تا ۲۰۸
الہامی بچہ: ۲۲۴
عمانوایل: ۲۲۱
خدا کی غلطی: ۲۲۱
شعبدہ بازی اور مسمریزم: ۲۲۳
استعاراتی چکر: ۲۲۴
وحی اور مفہوم وحی: ۲۲۲

متشابہات ومحکمات: ۲۲۴

عقائد کا اخفا: ۲۲۷

قادیانی حج: ۷

اپنی بات کو نہ سمجھنا: ۷۳

کٹ حجتی: ۱۴۹ ۱۵۰

قرآن وحدیث سے مناسبت: ۱۷۴ ۲۱۲

قادیانی اعجاز چندہ: ۲۳۰

جو چندہ نہ دے وہ اسلام سے خارج: ۷۱

۸ سیرتِ مرزا

فہم وذکاوت: ۷۳ ۲۱۵

خدا سے مقابلہ: ۲۴،۲۵ ۳۸،۳۹ ۵۴ ۱۳۶

خودغرضی: ٦۲

دنیا طلبی: ۲۲۵

شرک وکفر: ۱۹٦

معجون مرکب: ۲۱۵

کبر وتعلی: ۱۷٦ ۲۱۷

قرآن یاد نہ تھا: ۱۷۴

حج نہیں کیا: ۱۷۴

ہیضہ واسہال: ۲۱۵

مہلت کی مدت: ۲۱۵

قادیانی سرمایہ: ۱۴۵ ۲۲۴

ضد اور ہٹ: ۱۵۰

کہانت: ۲۰۵

مراق اور اقرار مراق: ۱۷۴ ۲۰۵

مکاری و عیاری: ۱۷۹

تنگ ظرفی: ۲۲۵

رسوا کن مغالطے: ۱۴۵

لعنتی دین: ۲۵ ۴۳ ۵۰

زکوٰۃ و حج اور جہاد: ۲۲۴

۹ الہاماتِ مرزا

آتھم کی موت کا الہام: ۱۷۹

محمدی بیگم سے نکاح کا الہام: ۱۷۹

وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ: ۱۷۴

پیٹ پھٹ گیا: ۲۰۴

کمترین کا بیڑا غرق:	۲۰۴
دشمن کا وار خوب نکلا:	۲۰۴
عمانوئیل:	۲۲۱
عیسیٰ بننے کا الہام:	۲۲۴
انت منّی بمنزلۃ بروزی:	۲۲۱
انت منّی بمنزلۃ ولدی:	۱۷۵
انت منّی بمنزلۃ اولادی:	۱۷۵
انی مع الرسول اجیب:	۱۷۴ ، ۲۲۱
فخر رسل:	۱۹۷
جے سنگھ بہادر:	۱۹۴
برہمن اوتار:	۱۹۴
رودر گوپال:	۱۹۴

خاتم النّبیین ﷺ

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

(۱) بے حد حمد و شُکر اس ربِّ معبود کے لیے جو کون و مکان اور زمین و زماں کا خالق ہے اور بے شمار درود و سلام سرورِ کائنات فخرِ موجودات پر، جو اللہ تعالیٰ کے رسول، نبیوں کے ختم کرنے والے اور مقصودِ تخلیق عالم ہیں۔ اور آپ ﷺ کی آل و اصحاب پر، اور تمام اُمّتِ مرحومہ اور اس کے برگزیدہ حضرات پر۔

(۲)

(۱) جو خدا کہ روزِ جزا کا حاکم ہے، وہ بذاتِ خود موجود ہے (اسی لیے) اس کا نام خدا ہے۔

(۲) یہ بلندی و پستی سب اسی کے ہاتھ میں ہے، ہر چیز نے اسی سے جامۂ ہستی مستعار لیا۔

(۳) اگر غور سے دیکھو تو (موجودِ حقیقی) وہی ایک پاک ذات ہے، باقی یہ سب کچھ اس کی نشانیوں کا دفتر ہے۔

(۴) اِس بارگاہ میں جو کاروانِ رفتہ کی صدا ہے، اس اَمر کا اعلان ہے کہ اب سرورِ دو جہاں ﷺ کا دور ہے۔

(۵) محمد ﷺ -جو پیامِ اِلٰہی کے فاتح اور خاتم ہیں- آپ ﷺ پر بے شمار درود و سلام۔

(٦) آپ کا وجودِ پاک - جو بجائے خود صداقت کا نشان ہے - وہی تخلیقِ عالم کی اصل غرض وغایت ہے، باقی سب تمہید تھی۔

(۳) بعد از حمد وصلوٰۃ بندۂ ہیچ میرز محمد انور شاہ کشمیری، عفا اللہ عنہ، تمام اہلِ اسلام خواص وعوام کی خدمتِ عالی میں عرض پرداز ہے کہ یہ ایک مقالہ ہے ختمِ نبوّت اور آیتِ کریمہ ''خاتم النّبیین'' کی تفسیر میں، جو مرزا قادیانی......علیہ ما علیہ...... کے اِلحاد وزَندقہ اور کُفر واِرتداد کے ردّ میں تحریر کیا گیا۔

اور اگرچہ یہ شخص علم وعمل سے کوئی حصّہ نہیں رکھتا اور علم وفہم اور تقویٰ وطہارت کے فضائل سے یکسر عاری اور محض کورا تھا، اور اس نے عارفین کے حقائق میں سے ایک بات کو بھی صحیح نہیں سمجھا، اور اس کا خمیر خبط وخلط، جہلِ مرکب اور ذِلّت وخواری سے تیار ہوا تھا، لیکن اس نے نبوّت ومسیحیت کا دعویٰ کرکے اُمّتِ مرحومہ میں تہلکہ مچادیا۔

(۴) جو حضرات، قرآنِ حکیم کی بلیغ عبارت اور عربِ عَرْباء کے محاورے سے کچھ بھی ذوق رکھتے ہیں، وہ یقیناً اس مقالے سے محظوظ ومستفید ہوں گے، اور جس شخص نے مفردات وترکیب، تقدیم وتاخیر، تعریف وتنکیر، حذف وذِکر، اظہار واضمار، فصل ووصل اور ایجاز واطناب میں نظمِ قرآن کا اعجاز دیکھا اور سمجھا ہو، وہ حق کے پانے اور مُراد کے سمجھنے میں لغزش نہیں کھائے گا۔ ان تمام اُمور کے باوجود سب کچھ قدرت کے ہاتھ میں ہے۔ ''جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، اور جس کو وہ گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔'' حق تعالیٰ شانہٗ حق اور اہلِ حق کی مدد فرمائے۔

(ترجمہ شعر) ''ہمارا دردِ سر خود ہمارا سَر ہے، اور ہمارے کندھوں کا بوجھ خود اپنے کندھے ہیں۔''

(۵)

(۱) اے اللہ! دِینِ حق کو قائم رکھ تا کہ کُفر کو تباہ و برباد کر ڈالے۔

(۲) شیاطین کو سنگسار کرنے کے لیے شہابِ ثاقب نازل فرما، اور شیاطین کو خراطین کی طرح زیرِ زمین دفن کر دے۔

(۳) مجھ سرگرداں کے ہاتھ میں کیا رکھا ہے؟ جو کچھ کرتے ہیں بِلا شُبہ آپ ہی کرتے ہیں۔

(۴) میں اپنی خاطر (رَدِّ قادیانیت میں) نہیں اُلجھا ہوں، بلکہ آپ ہی کی رضا کے لیے سَر اُٹھایا ہے۔

(۵) جو نالۂ و سوز کہ سینے میں نہیں سما سکا، غم ہلکا کرنے کے لیے باہر اُبل پڑا۔

(۶) اے بادشاہ! اے مالک! اور اے بے نیاز! تیرا کام تو تجھ ہی سے ہوگا، نہ کہ کسی خانہ باز (قلاش و مفلس) سے۔

(۶) جاننا چاہیے کہ سلسلۂ اُبوّت اور نبوّت بِلا فصل، کے جاری کرنے میں کوئی عقلی یا شرعی تلازم نہیں (یعنی جس شخصیت سے سلسلۂ اُبوّت جاری ہو، عقلاً یا شرعاً یہ لازم نہیں کہ اس سے سلسلۂ نبوّت بھی جاری ہوا کرے) لیکن مشیتِ اَزَلیہ نے نبوّت اَوّلاً نوح علیہ السلام کی اولاد میں رکھی، اور پھر ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں، اور انہوں نے (اپنی اولاد کے حق میں) دُعا بھی کی تھی کہ ”بھیج ان میں ایک عظیم الشان رسول انہی میں سے“ (البقرہ:۱۲۹) اور اُبوّت جب معانی کی طرف مضاف ہوتی ہے تو اس سلسلے کے اِجراء کو متضمن ہوا کرتی ہے، جیسا کہ ”فتوحات“ کے باب ۱۳ ۳ میں ذِکر کیا ہے کہ ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے رُوحانی باپ ہیں اور آدم علیہ السلام جسمانی باپ ہیں، اور نوح علیہ السلام – جو آدمِ ثانی ہیں – رِسالت میں پہلے باپ ہیں، اور ابراہیم علیہ السلام اسلام میں پہلے باپ ہیں۔“

پس ''فتوحات'' کا یہ فقرہ اس مُراد کی جانب بھی مشیر ہے، (الغرض اُبوّت ونبوّت کے درمیان تلازمِ عقلی یا شرعی اگرچہ نہیں، لیکن سلسلۂ نبوّت جاری کرنے میں سُنّتِ الٰہیہ یہی رہی ہے کہ جس شخصیت سے سلسلۂ اُبوّت جاری کیا جائے اسی سے سلسلۂ نبوّت بھی جاری ہو) اس سُنّت کے پیشِ نظر خیال ہوسکتا تھا کہ اب یہ سلسلۂ نبوّت شاید محمد ﷺ کی اولاد میں جاری کیا جائے گا۔ اس وہم کو رَفع کرنے کے لیے فرمایا گیا کہ (محمد ﷺ سے) سلسلۂ اُبوّت (جاری) نہیں (ہوگا) بلکہ خود آپ ﷺ کی نبوّت کا سلسلہ ہی تاقیامت قائم ودائم رہے گا، آپ ﷺ کے بعد کوئی نبوّت نہیں ہوگی۔ اور ایسی اُبوّت، جو کسی سلسلے کے اِجراء کو متضمن ہوتی ہے اور جو یہاں اگر موجود ہوتی تو اِجرائے سلسلۂ نبوّت کے مناسب ہوتی، یہاں موجود نہیں ہے، بلکہ اس کے بجائے ختمِ نبوّت ہے۔ پس یہ ہے (آیت: ''مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ ۗ'' میں) کلام کی وجہ ربط، جو ''لَٰكِن'' میں شرط قرار دی گئی ہے، اور بہت سے لوگوں کو اس سے ذہول اور غفلت ہوئی اور انہوں نے یہ نہیں سمجھا کہ اُبوّت، اِجرائے سلسلہ کے مناسب ہے، اور ''اَبّ'' بمعنٰی ''اصل'' بھی اسی سے متفرّع ہے۔

تشریح...... مصنّف اِمام رحمہ اللہ نے 'لَٰكِن' کی جس شرطِ استعمال کی طرف اشارہ فرمایا، اس کی مختصر سی وضاحت ضروری ہے...... 'لَٰكِن' (مشدّدہ ہو یا خفیفہ) حرفِ اِستدراک ہے، جس کی تفسیر قولِ مشہور و محقق کے مطابق یہ ہے کہ اس کے مابعد کی طرف ایسا حکم منسوب کیا جائے جو حکمِ ماقبل کے مخالف ہو، یہی وجہ ہے کہ اس کے ماقبل کا مابعد کے مناقض، یا اس کی ضد ہونا لازم ہے۔

شیخ ابن ہشام لکھتے ہیں:

”مَعْنَاهَا ثَلَاثَة أَقْوَال أَحدهَا... وَهُوَ الْمَشْهُور... أَنّه وَاحِد وَهُوَ الِاسْتِدْرَاك وَفسّر بِأَن تنْسب لما بعْدهَا حكما مُخَالفا لحكم مَا قبلهَا، وَلذَلِك لَا بُد أَن يتقدمها كَلَام مُنَاقض لما بعْدهَا نَحْو مَا هَذَا سَاكِنا لكنه متحرك أَو ضدلَهُ۔“

(مغني اللبيب ص:۲۲۵ وقريب منه في القاموس)

پس ’لَـٰكِن‘ کے ماقبل و مابعد کے درمیان ضدّیت، تبادل اور تدافع کا ہونا یہی اتساقِ کلام ہے، جو ’لَـٰكِن‘ کے لیے شرط ہے، اور اسی بناء پر علمائے بلاغت کے نزدیک ’لَـٰكِن‘ ’’قصرِ قلب‘‘ کے لیے آتا ہے۔ یعنی جب مخاطب خلافِ واقعہ ایک حکم کے اِثبات اور دوسرے کی نفی کا زَعم رکھتا ہو، تو متکلم اس کی اِصلاح کے لیے پہلے تو اس کے ثابت کردہ حکم کی نفی کرتا ہے، اور پھر ’لَـٰكِن‘ کے بعد اس چیز کا اِثبات کرتا ہے جس کی مخاطب نے نفی کی ہو، (دیکھئے شروحِ تلخیص، بحثِ عطف)۔

اس تمہید کے بعد اب آیتِ کریمہ پر غور کیجئے کہ اس میں ’لَـٰكِن‘ سے قبل آنحضرت ﷺ سے اُبوّت کی نفی کی گئی ہے اور ’لَـٰكِن‘ کے بعد آپ ﷺ کے لیے رسالت وخاتمیت کا اِثبات کیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اُبوّت وخاتمیت کے درمیان آخر کونسی ضدّیت اور تدافُع ہے جس کے اظہار کے لیے کلمۂ ’لَـٰكِن‘ لایا گیا؟ اور مخاطبین کا وہ کیا زَعم تھا جس کی اِصلاح کے لیے بطور ’’قصرِ قلب‘‘ اُبوّت کی نفی کرکے ’لَـٰكِن‘ کے بعد خاتمیت کا اِثبات فرمایا گیا؟...... عام طور سے اس سوال پر توجّہ نہیں دی گئی اور اِستدراک کے ایک مرجوح معنیٰ ’’دفع التوهم الناشي من الكلام السابق‘‘ لے کر آیت کی تقریر یہ کی گئی کہ ’’نفیٔ اُبوّت سے اُبوّتِ رُوحانی کی نفی کا وہم ہوسکتا تھا، اس کو رَفع کرنے کے لیے فرمایا گیا کہ آپ ﷺ کی رُوحانی اُبوّت اعلیٰ واکمل بھی ہے اور تاقیامت دائم وقائم بھی، کیونکہ آپ ﷺ اللہ کے رسول بھی ہیں اور خاتم النّبیین بھی۔‘‘

یہ تقریر بجائے خود درست ہے، مگر اس میں 'لَـٰكِن' کی شرط استعمال، یعنی اس کے ماقبل و مابعد کے درمیان ضدّیت اور تنافر کا پایا جانا۔ اور ''قصرِ قلب'' کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ مصنّف اِمام رحمہ اللہ نے اس عقدے کو حل کیا ہے۔ آپ کی تقریر کا حاصل یہ ہے کہ سُنّتِ سابقہ کے مطابق اگر آپ ﷺ سے سلسلۂ اُبوّت جاری کیا جاتا تو لازم تھا کہ سلسلۂ نبوّت بھی جاری ہوتا۔ مگر مشیتِ اِلٰہیہ میں آپ ﷺ کے ذریعہ اِجرائے نبوّت نہیں، بلکہ اِختتامِ نبوّت مقدّر تھا، اس لیے آپ ﷺ کے حق میں اُبوّت مقدّر نہ ہوئی، اور اسی لیے آپ ﷺ کے صاحب زادگانِ عالی مقام کا بچپنے میں انتقال ہوا۔ اُدھر حضرت زید رضی اللہ عنہ کے متبنّٰی ہونے کی وجہ سے لوگوں نے آپ ﷺ کو ''زید کا باپ'' سمجھنا شروع کیا۔ ان کا یہ زَعم اِجرائے نبوّت کو مستلزم تھا۔ اس خیال کی اصلاح کے لیے بطور ''قصرِ قلب'' فرمایا گیا کہ آپ ﷺ سے اُبوّت مقدّر نہیں، جو اِجرائے نبوّت کو مستلزم ہے، بلکہ اس کے برعکس آپ ﷺ کے ذریعہ ختمِ نبوّت مقدّر ہے، اس لیے آئندہ کسی بالغ مَرد کو آپ ﷺ کا بیٹا کہہ کر نہ پُکارا جائے۔

(۷) اب آیتِ کریمہ کا حاصل یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ اِجرائے نبوّت کے لئے نہیں، بلکہ ختمِ نبوّت کے لیے ہیں۔ یہ آیتِ کریمہ (جس طرح کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبوّتِ مستقلہ کا دروازہ بند کردیتی ہے، اسی طرح) اِجرائے نبوّت بالاستفادہ کی بھی بدرجۂ اَولیٰ (نفی) کرتی ہے، کیونکہ اِستفادہ کی صورت میں اُبوّت اور بھی واضح تر ہے، برعکس اس کے نبوّتِ مستقلہ میں اُبوّت اس قدر واضح نہیں۔ خوب سمجھ لو!

(۸) زمانۂ سابق میں نئے نبی کی آمد کے بعد بھی گزشتہ نبی کی نبوّت اگرچہ بحال رہتی تھی، تاہم یہ بات صادق آتی تھی کہ ایک اور نبی آپہنچا اور عہدۂ نبوّت اَز سَرِ نو تازہ ہوگیا، بخلاف زمانۂ خاتم الانبیاء کے، کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ اس

لیے فرمایا: ''وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ'' یعنی آپ ﷺ اشخاصِ انبیاء کے خاتم اور آخری فرد ہیں (کہ علمِ اِلٰہی میں انبیاء کی جو تعداد مقرّر تھی، وہ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی اور انبیائے کرام علیہم السلام کی گنتی ایک ایک کرکے پُوری ہوچکی)۔ اور (جب آپ ﷺ کی آمد سے انبیائے کرام کی تعداد ختم ہوچکی تو) اس سے خودبخود یہ لازم آتا ہے کہ آپ ﷺ سلسلۂ نبوّت کے بھی خاتم ہوں۔ اور چونکہ آئندہ نبوّت کی تجدید نہیں ہوگی، اس لیے اب قیامت تک آپ ﷺ ہی کی نبوّت دائم وقائم رہے گی۔

(۹) اور اب یہ احتمال بھی باقی نہ رہا کہ آپ ﷺ نبوّتِ مستقلہ کے لیے تو خاتم ہوں، مگر آپ ﷺ کی پیروی سے نبوّت جاری رہے۔ نہیں! بلکہ آپ ﷺ تو اشخاصِ انبیاء کے خاتم اور ان کی تعداد کے تکمیل کنندہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی شخصیت کے لحاظ سے جُدا جُدا وجود رکھتے ہیں۔ یعنی ان کی نبوّت خواہ بِلاواسطہ ہو، یا (بالفرض) بواسطۂ اِتباع ہو، بہرصورت ہر ایک کی اپنی شخصیت دوسرے سے ممتاز اور جُداگانہ رہے گی۔ یہ تو نہیں ہوگا کہ اتباع کی صورت میں اُن کا شخصی تغایر کالعدم اور نظر سے ساقط ہوجائے، نہیں! بلکہ وہ تعداد میں جتنے تھے، اتنے ہی رہیں گے۔ اور نصِ قرآن اسی تعداد کے ختم ہونے اور اسی سلسلے کے اِختتام کا اعلان کرنے کی غرض سے نازل ہوئی ہے۔[۱] اور اس نے کہیں بھی تقسیمِ نبوّت سے تعرض نہیں کیا، اور نہ یہی بتایا ہے کہ نبوّت

---

(۱) علماء رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ ارشادِ خداوندی ''وخاتم النّبیین'' حق تعالیٰ کی جانب سے وصیت ہے، اور اہلِ جہان کو آگاہ اور متنبہ کرنا ہے کہ یہ پیغمبر آخری پیغمبر ہے۔ اور آخری حجّت ہے جو پوری کردی گئی، آپ ﷺ کا دِین آخری دِین اور آخری پیغامِ اِلٰہی ہے، ایسا نہ ہو کہ اس سے بھی محروم رہ جاؤ۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی قوم کا مقتدا اور رئیس یوں کہے کہ ''یہ میری تم سے آخری بات اور آخری عہد و وصیت ہے، ایسا نہ ہو کہ اس کو ضائع کرڈالو، اور پھر وقت ہاتھ سے نکل جائے!'' اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ آپ ﷺ رسول تو اپنی اُمّت کے لیے ہیں، اور خاتم الانبیاء سابقین کے لیے۔ اور یہ نکتہ جو علماء نے ارشاد فرمایا ہے، نہایت لطیف ہے، اور اس سے آیت کا باہمی ربط واضح ہوجاتا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کا انتظار مت رکھو۔ منہ

کی دو قسمیں ہوتی ہیں: ایک نبوّت بالاصالۃ (بِلا واسطہ)، اور دوسری نبوّت بواسطہ اتباع۔ پس قرآن کے صریح منطوق کو چھوڑ دینا، اور جو چیز اس کی نظر میں ناقابلِ اعتبار ہے، اس کا اعتبار کرنا، قرآن کو اس کے مقصد و مدّعا سے خالی کرنا (اور اسے اپنے خودتراشیدہ معنیٰ پہنانا) ہے، جو سب سے بڑا اِلحاد ہے۔

(۱۰) پھر نبوّت کو دو اقسام کی طرف تقسیم کرکے یہ کہنا کہ: ''انبیائے بنی اسرائیل، -جو شریعتِ موسوی پر عامل تھے- ان کی نبوّت ثمرۂ اِتباع نہیں تھی،[۱] بخلاف سلسلۂ محمدیہ کی نبوّت کے، کہ یہ آنحضرت ﷺ کی اتباع کا ثمرہ ہے'' یہ ایک بے معنی بات اور محض خودتراشیدہ سخن سازی ہے، کیونکہ نبوّت بِلاواسطہ ہو، یا بالواسطہ، نبوّت کے خصائص دونوں جگہ موجود ہوں گے۔ رہا یہ کہ نبوّت کے یہ امتیازی اوصاف وخصائص بمنزلہ شرط بے تاثیر اور موقوف علیہ محض کے ہیں؟ یا بمنزلہ سبب اور علتِ مؤثرہ کے؟ یہ تمام غیبی اُمور ہیں اور آسمانی دِین کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ منصب محض عطیۂ خداوندی ہے، کسب ومحنت سے حاصل نہیں ہوتا (اور جب یہ بات طے ہوئی کہ جہاں نبوّت ہوگی وہاں نبوّت کے امتیازی اوصاف وکمالات بھی بہرحال موجود ہوں گے) پس اگر آپ ﷺ کے بعد بھی نبوّت جاری ہوتی تو اس کا حال بھی دورِ سابق کی نبوّت سے قطعی طور پر یکساں ہوتا۔ جیسا کہ مرزا نے ''چشمۂ مسیحی'' صفحہ:۴۲ میں خود بھی نادانستہ اس کا اعتراف کیا ہے۔

(چنانچہ لکھا ہے: ''صِرَاطَ ٱلَّذِينَ أَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ'' اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کو یہ مرتبہ ملا، انعام کے طور پر ملا، یعنی محض فضل سے، نہ کسی عمل کا اجر'' پس انبیائے بنی اسرائیل کی نبوّت کو بِلاواسطہ بتانا، اور اپنی نبوّت کو بواسطہ اِتباعِ نبوی قرار دینا، محض سخن سازی نہیں کی تو اور کیا ہے؟)

---

(۱) اس مضمون میں قادیانی کا تناقض رسالہ 'مراقِ مرزا' صفحہ:۱۱ میں دیکھئے: ''یہ اعتقاد رکھنا پڑتا ہے کہ ایک بندہ خدا کا عیسیٰ نام، جس کو عبرانی میں یسوع کہتے ہیں، تیس برس تک موسیٰ رسول اللہ کی شریعت کی پیروی کرکے خدا کا مقرّب بنا۔'' منہ

(۱۱) اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ خود کو اِسرائیلی بھی کہتا ہے۔[۱] پس (جب وہ خود بھی بزعمِ خویش اسرائیلی ہے تو) مسیحِ اسرائیلی اور مسیحِ محمدی کا فرق، جس کا وہ نغمہ الا پتا ہے، درمیان سے اُٹھ گیا۔

(۱۲) اور چونکہ انبیائے بنی اسرائیل بھی، جو شریعتِ توراۃ پر عامل تھے، شریعتِ جدیدہ نہیں رکھتے تھے، پس ان کی نبوّت بھی غیر تشریعی تھی، ٹھیک اسی نوعیت کی غیر تشریعی نبوّت یہ ملحد، حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد بھی جاری رکھتا ہے۔ پس جو منصب کہ انبیائے بنی اسرائیل کے سپرد تھا اس کے درمیان، اور جو منصب یہ اپنے لیے تجویز کرتا ہے اس کے درمیان، کسی نوعیت کا فرق نہ رہا، بلکہ واقعہ اور مشاہدۂ حسی کے اعتبار سے اُمّت کے سامنے یہ دونوں منصب مساوی ہوئے۔ رہا وہ ذہنی اعتبار جو اس نے ایجاد کیا ہے (کہ انبیائے سابقین کی نبوّت بِلا واسطہ اور مستقل تھی، اور میری نبوّت غیر مستقل اور اِتباعِ نبوی کا ثمرہ ہے) اس سے اُمّت کو کیا واسطہ؟ اور اس کا کیا اعتبار؟ کیونکہ یہ ایک ذہنی مفروضہ ہے، جس کا وجود صرف فرض کنندہ کے ذہن میں ہوتا ہے، خارج میں وہ لائقِ اعتبار نہیں ہوتا، اور نہ اَحکامِ واقعیہ ہی اس پر مرتّب ہو سکتے ہیں۔ اپنے گھر بیٹھے آدمی جو چاہے تراشتا رہے، جس کو اُردو محاورہ میں ''مَن مانی'' کہتے ہیں، یعنی ایک ایسی بات ہے جو ایک شخص نے دِل میں فرض کرلی ہے، ایک نفسانی خیال ہے جو اس کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے، ایک جھوٹی تمنّا ہے جو اُس کے سینے میں اُبھرتی ہے، اور ایک خواہش ہے جو اس کے نہاں خانۂ خیال میں گردش کرتی ہے، اس کے سوا اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

(۱۳) اور حدیثِ مشہور (میں آنحضرت ﷺ) کا ارشاد ہے کہ:

''إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي، كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ

---

(۱) ''خدا نے مجھے یہ شرف بخشا ہے کہ میں اسرائیلی بھی ہوں۔'' (''ایک غلطی کا اِزالہ'' صفحہ نمبر:۱۵ اَز مرزا غلام احمد قادیانی) منہ

وَأَجْمَلَهُ، إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ، وَيَعْجَبُونَ لَهُ، وَيَقُولُونَ هَلَّا وُضِعَتْ هَذِهِ اللَّبِنَةُ؟ قَالَ: فَأَنَا اللَّبِنَةُ وَأَنَا خَاتِمُ النَّبِيِّينَ۔" (صحیح بخاری جلد ۱، صفحہ: ۵۰۱)

ترجمہ:- میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے ایک نہایت حسین و جمیل محل تیار کیا، مگر اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی، لوگ اس کے گرد چکّر لگانے اور اس (کی خوبیٔ تعمیر) پر تعجب کرنے لگے، اور لوگ بطور تعجب کہتے کہ: یہ اینٹ کیوں نہ لگادی گئی! (کہ محل بہمہ وجوہ کامل و مکمّل ہوجاتا) فرمایا: پس میں (قصرِ نبوّت کی) وہی (آخری) اینٹ ہوں اور خاتم النّبیین ہوں (کہ میری آمد سے انبیائے کرام علیہم السلام کی تعداد پوری ہوگئی)۔

اس حدیث نے نبوّت کو حسّی محل کے ساتھ تشبیہ دے کر (ملحدِ قادیان کے) ان تمام ذہنی اعتبارات اور خود تراشیدہ حیثیات کو بیخ و بُن سے نکال پھینکا ہے، اور مسئلۂ ختمِ نبوّت کو ذہن سے نکال کر محسوسات کے دائرے میں داخل کردیا ہے، جس میں ذہنی حیثیات و اعتبارات کا احتمال ہی نہیں (بلکہ ہر شخص سَر کی آنکھوں سے مشاہدہ کرکے یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ قصرِ نبوّت کی تکمیل ہوچکی۔ اب اس پر مزید اِضافے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں)۔

(۱۴) اور جب مالکِ عمارت، عمارت کو پایۂ تکمیل تک پہنچاکر اسے ختم کردے تو مزدوروں کو یہ حق حاصل نہیں کہ مناقشہ کریں کہ تعمیر کو ختم کردینا تو نقص ہے (پس جبکہ مالکِ مختار نے قصرِ نبوّت کی تکمیل کا اعلان کردیا، تو کس کی ہمت ہے کہ اس کی تعمیر جاری رکھنے کا اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کرے)۔

(۱۵) البتہ (نئے نبی کی آمد پر) شریعتِ سابقہ بعینہٖ باقی رہے گی؟ یا یہ کہ اس کے

کسی حکم کی تجدید ہوگی؟ یہ فرق معلوم بھی ہے اور معقول بھی۔ اسی طرح بنی اسرائیل میں نئے نبی کی آمد پر اکثر وبیشتر نئی اُمّت شمار نہیں کی گئی اور کبھی یہ تعلق تبدیل بھی ہوسکا، کیونکہ بقاء وتبدیل دونوں کو متحمل ہے۔ الغرض شریعتِ سابقہ کی بقاء یا تجدید کا تعلق اور اسی طرح کسی نبی کی اُمّت ہونے یا نہ ہونے کا تعلق تبدیل ہوسکتا ہے، اور یہ فرق معقول المعنیٰ بھی ہیں اور اثر ونشان بھی رکھتے ہیں۔ بخلاف اس فرق کے جو اس ملحد نے ایجاد کیا ہے (کہ پہلے زمانے میں نبوّت بلاواسطہ ملتی تھی اور اَب بواسطۂ اِتباع ملتی ہے) دِینِ سماوی میں اس کا کوئی نام ونشان نہیں ملتا، بلکہ یہ فرق محض من گھڑت اور خواہشِ نفس کی پیروی ہے، اور کسی کو یہ حق نہیں کہ اپنے نفسانی خیالات کی پیروی میں اندھیرے کے تیر چلائے اور اس کے مطابق فیصلہ کرے، کیونکہ سوائے دلیلِ قطعی کے اور کوئی چیز لائقِ اِلتفات نہیں۔

(۱۶) گزشتہ دور کے بارے میں بھی کہا جاسکتا ہے کہ (مثلاً انبیائے بنی اسرائیل کی نبوّت) نتیجۂ اِتباع تھی اور (اگر آنحضرت ﷺ کے بعد بھی نبوّت جاری ہوتو) زمانۂ مابعد کے بارے میں بھی یہی بات کہی جاسکتی ہے، خارج اور مشاہدہ کے اعتبار سے ان دونوں کے مابین کوئی فرق نہیں رہ جاتا، (پس ان دونوں زمانوں کے درمیان یہ فرق کرنا کہ زمانۂ سابق میں تو نبوّت ثمرۂ اِتباع نہیں تھی، بلکہ بِلاواسطہ حق تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوتی تھی، اور آنحضرت ﷺ کے بعد نبوّت بذریعۂ اِتباعِ نبوی حاصل ہونے لگی، یہ فرق) محض ایک ذہنی مفروضہ ہے جو کسی کے ایجاد کرنے سے دِین میں داخل نہیں ہوسکتا، نہ اس پر کسی حکم کی تفریع ہی دُرست ہوسکتی ہے۔

(۱۷) اہلِ حق بھی نبوّت کے فیوض وکمالات کو جاری کہتے ہیں اور نصِ قرآن اور بے شمار اَحادیث کے تواتر کی بناء پر، جو بغیر کسی قید اور شرط کے مسئلۂ ختمِ نبوّت میں وارد ہیں، بابِ نبوّت کو مطلقاً مسدود مانتے ہیں، اور مرزا بھی بزعمِ خود آیت خاتم النّبیین

کی پیروی کرتے ہوئے ”نبوّتِ مستقلہ“ کو ممنوع مانتا ہے۔ اور ”نبوّتِ مستقلہ“ کی قید کا اضافہ اپنی مطلب براری کے لیے، خود اپنی جانب سے کرتا ہے۔ پس جس طرح کہ اس ملحد نے آیت کا محمل اپنی طرف تراش رکھا ہے (کہ آیت میں نبوّتِ مستقلہ کا دروازہ بند کیا گیا ہے) کیا ٹھیک اسی طرح اہلِ حق کو یہ حق حاصل نہیں کہ تواترِ اَحادیث کی بناء پر، جو علیٰ رؤس الاشہاد تمام دُنیا کی آنکھوں کے سامنے بغیر کسی حرفِ تقیید کے موجود ہیں، نیز اِجماعِ بلا فصل کی بناء پر جو صدرِ اوّل سے آج تک چلا آتا ہے، اس کی تحریف کو ”کالائے بد بریشِ خاوند“ کہہ کر اس کے منہ پر ماردیں۔

(۱۸) اور یاد رہے کہ ”رسول“ اور ”نبی“ کے درمیان نسبتِ تباین نہیں ہے، کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے: ”وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ﴿٥١﴾“ (سورۂ مریم:۵۱) میں دونوں جمع ہیں اور ان دونوں کے درمیان نسبت مساوات بھی نہیں، کیونکہ ارشادِ خداوندی: ”وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ“ (الحج:۵۲) میں دونوں کو بالمقابل ذِکر فرمایا ہے، پس جب یہ دونوں نسبتیں نہیں ہیں تو لامحالہ کوئی اور نسبت ہوگی، اور وہ نسبت اسی آیتِ کریمہ:
”مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ“
(الاحزاب:۴۰) سے مستفاد ہوتی ہے کہ ”نبی“ عام ہے اور ”رسول“ خاص۔

”رسول“ جمہور علماء کے نزدیک وہ ہے جو کتاب یا شریعتِ جدیدہ رکھتا ہو، یا شریعتِ قدیمہ کے ساتھ قومِ جدید کی جانب مبعوث کیا گیا ہو،[۱] جیسا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام قبیلۂ بنوجرہم کی جانب مبعوث ہوئے۔ اور ”نبی“ وہ ہے جو صاحبِ وحی ہو، خواہ کتابِ جدیدہ، یا شریعتِ جدیدہ، یا قومِ جدید رکھتا ہو، یا نہ رکھتا ہو۔ ”رسول“ اور ”نبی“ کے درمیان عموم وخصوص کی نسبت کے اس آیتِ کریمہ سے مستفاد ہونے کی وجہ

---

(۱) حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ ”موضح القرآن“ سورۂ مریم میں فرماتے ہیں: ”رسول وہ ہے جو کتاب رکھتا ہو یا اُمّت۔“ اور یہ مختصر ہے۔ منہ

یہ ہے کہ اگر دونوں کے درمیان تساوی کی نسبت ہوتی تو یہاں ضمیر لوٹانے کا موقع تھا، نہ کہ اسمِ ظاہر لانے کا۔ اندریں صورت ''خَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ'' کے بجائے ''خاتمھم'' فرمایا جاتا۔ اور ''خَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ'' میں جو اسمِ ظاہر لائے وہ اسی نکتے کے لیے لائے تاکہ کلمۂ عموم سے ہر قسم کی نبوّت کا اختتام سمجھا جائے، اور آپ ﷺ کے بعد نبوّت کے بالکلیہ منقطع ہونے کی صاف صاف تصریح ہوجائے۔ پس یہ طرز ''نبی'' کے عموم اور ''رسول'' کے خصوص پر دلالت کرتا ہے۔ اور معلوم ہے کہ یہ عام، خاص کے بغیر اسی صورت میں پایا جاتا ہے جبکہ وحی تو ہو مگر بغیر کتاب یا شریعتِ جدیدہ کے، اسی مادّۂ اِفتراق کی خاطر عنوان کو ضمیر لانے کے بجائے اِسمِ ظاہر کی طرف تبدیل فرمایا۔ پس اس نکتۂ جزیلہ کو سمجھ لینے کے بعد معلوم ہوگا کہ یہ آیتِ کریمہ جس طرح نبوّتِ تشریعیہ کے انقطاع پر نصِ قطعی ہے، اس سے کہیں بڑھ کر نبوّتِ غیر تشریعیہ کے انقطاع پر نصِ قطعی ہے۔ اس لیے کہ ضمیر لانے کے بجائے اسمِ ظاہر اسی مقصد کے لیے واقع ہوا ہے کہ لفظ ''خَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ'' سے ہر قسم کی نبوّتِ عامہ کے منقطع ہونے کی صراحت کردی جائے۔ اس ملحد کو قلّتِ علم اور کثرتِ جہل کی بناء پر اس کی ہدایت نہ ہوسکی۔'' والحمد للہ الذی عافانا مما ابتلاہ بہ۔''

(۱۹) اور خاتم الانبیاء ﷺ انبیائے کرام علیہم السلام کی اُس تعداد کو، جو اُن کے شخصی تغایر پر مبنی ہے، ختم کرنے کی وجہ سے ''خاتم الانبیاء'' ہیں، نہ کہ کسی اور لحاظ سے۔ اور جس طرح کہ بالغ مَردوں کے حق میں آپ ﷺ کی اُبوّت ہر اعتبار سے منقطع ہے، اور تبنّی بھی باطل ہوئی، اسی طرح اُمّت کے بالغ مَردوں میں نبوّت کی بھی کوئی قسم باقی نہیں رہی، اور نہ اس کا باقی رہنا مقدّر ہوا، اور اس کا توارث اور استفادہ بھی باقی نہ رہا۔ البتہ اس کے بدل میں آپ ﷺ کی شخصی نبوّت دائم وقائم ہے، کیونکہ مورث خود موجود ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ: ''انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے

ہیں۔''[۱] اوراسی بناء پر اس سورت میں فرمایا: ''وَأَزْوَاجُهُۥٓ أُمَّهَـٰتُهُمْ ۗ'' (الاحزاب:٦) پس دیگر تمام تعلقات کو باقی رکھا، مگر سلسلۂ نبوّت کو باقی نہیں رکھا۔

(۲۰) اور حاصل آیت کا مع لحاظ قصۂ تبنّي کے یہ ہے کہ تم لوگ آنحضرت ﷺ سے سلسلۂ اُبوّت کو جاری سمجھتے ہو، جو کہ اِجرائے نبوّت کے مناسب ہے، اس کے برعکس ہماری تقدیر میں آپ ﷺ کے ذریعے اِجرائے نبوّت نہیں، بلکہ آپ ﷺ پر نبوّت کا اِختتام مقدّر ہے، پس اسی وجہ سے لفظِ ''اُبوّت'' کو ذِکر کیا، نہ کہ لفظ ''تبنّي'' کو۔ حالانکہ نزولِ آیت کے وقت آپ کا کوئی فرزند موجود ہی نہ تھا، پس لفظ ''تبنّي'' کا ترک کرنا اسی نکتے کے لیے ہے، ورنہ بظاہر حقِ مقام یہ تھا کہ ''اُبوّت'' کو نہیں بلکہ ''تبنّي'' کو باطل کیا جاتا۔

(۲۱) اور شاید ارشادِ نبوی: ''ہم میراث نہیں چھوڑتے ہیں، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔'' (مشکوٰۃ ص:۵۵۰) اسی آیتِ کریمہ سے ماخوذ ہے، یعنی نہ تو مال کی وراثت جاری ہوگی اور نہ نبوّت کی، جو کہ باپ سے بیٹے کو میسّر ہوا کرتی ہے، چنانچہ آیتِ کریمہ: ''يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ ءَالِ يَعْقُوبَ ۖ'' (سورۂ مریم:٦) اور آیت: ''وَوَرِثَ سُلَيْمَـٰنُ دَاوُۥدَ ۖ'' (سورۂ النمل:١٦) میں علماء نے دونوں احتمال لکھے ہیں۔ گویا فرمایا گیا ہے کہ یہاں دونوں وراثتیں نہیں، بلکہ ایک ہی رِسالت اور ختمِ نبوّت ہے جو تا قیامت ایک ہی رہے گی۔ ہمیشہ اسی کے سایۂ عاطفت میں نفع اندوز رہو، اور اِجرائے وراثت کا انتظار مت رکھو۔

(۲۲) اور شاید اسی تناسب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا کہ: ''تم مجھ سے وہی تعلق رکھتے ہو جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھا، مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی

---

(۱) فتح الباری، ج:٦ ص:۵۲۰،۳ مجمع الزوائد ج:۸ ص:۲۱۱

نہیں۔"(۱) کیونکہ منشاء استثناء ذاتِ علی رضی اللہ عنہ کو ذاتِ ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دینا نہیں ہے، اس لیے کہ حدیث کے لفظ یہ نہیں کہ "تم بمنزلہ ہارون کے ہو" بلکہ یہ ہیں کہ "تم مجھ سے وہی علاقہ رکھتے ہو جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھا" یعنی ایک تعلق کی تشبیہ دوسرے تعلق کے ساتھ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو مانگ کر لیا تھا، میں نے بھی تجھ کو مانگ کر لیا ہے، لیکن اس اُخوّت سے نبوّت بطور ورثہ کے حاصل نہیں ہوگی۔ اور "خصائص" (جلد:۲، صفحہ:۲۴۹) میں طبرانی کی روایت سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: "مگر یہ کہ نہ نبوّت ہے نہ وراثت۔"

(۲۳) اِثباتِ اُبوّت سے وراثتِ نبوی جاری ہونے کا وہم ہوسکتا تھا، اور جب آیتِ کریمہ میں اُبوّت کی نفی کردی گئی تو اِستدراک ختمِ نبوّت کے ساتھ مناسب ہوا، اور ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نبوّت مقدّر ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہی ہوتی، لیکن وہ بھی مقدّر نہ ہوئی۔ پس نبوّت کی اس قسم کا نکالنا ہی خالص اِلحاد ہے، اور محض اپنی خواہشِ نفسانی کو پورا کرنے کے لیے ہے اور بس۔

(۲۴) اور جب کسی کام کا صاحبِ اختیار مالک خود ہی فیصلہ کردے کہ "فلاں سلسلہ، جو فلاں حد سے شروع ہوا تھا، ہم اسے فلاں حد پر ختم کردیں گے!" اب اگر کوئی شخص اس مقرّرہ حد کے بعد بھی تاویل و تحریف کے ذریعے اس سلسلے کا جاری رہنا تجویز کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ اس مالکِ مختار سے معارضہ اور مقابلہ کرتا ہے، اور اس کے کلام کا مذاق اُڑاتا ہے، کیونکہ صاحبِ اَمر تو اس سلسلے کے بقاء کی مدّت بیان کرکے اس کی آخری حد مقرّر کرتا ہے، اور یہ سرکش خود اسی کے رُوبرو اس کے کلام کے ایسے خود تراشیدہ معنی بیان کرتا ہے جو اس کے مقصود و مدّعا کی عین ضد ہیں۔

(۲۵) پس (ارشادِ خداوندی کے مطابق) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کا زمانہ اِجرائے

---

(۱) مشکوٰۃ ص:۵۶۳ بحوالہ بخاری و مسلم۔

نبوّت کا دَور تھا (اس لیے انبیائے کرام علیہم السلام یکے بعد دیگرے تشریف لاتے رہے)، اور خاتم الانبیاء ﷺ پر وہ دور ختم ہوچکا، اور زمانہ آخر تک آپ ﷺ کی نبوّت کے ذیل میں شامل ہوگیا۔ (الغرض جب نبوّت محض عطیۂ اِلٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ خود اعلان کرچکا کہ ''محمد ﷺ پر سلسلۂ نبوّت ختم کیا جاتا ہے، آپ ﷺ کے بعد کوئی شخص اس منصب پر فائز نہیں ہوگا!'' اس صریح اعلان کے بعد بھی جو شخص اِجرائے نبوّت کا مدّعی ہے، وہ گویا اللہ تعالیٰ سے مناقشہ کرتا ہے کہ ''نبوّت کی فلاں قسم تو ابھی باقی تھی (نعوذ باللہ!) آپ نے غلط فہمی سے مطلقاً ختمِ نبوّت کا اعلان کردیا!'' لیکن سوال تو یہ ہے کہ) کسی کام کے ختم کرنے میں صاحبِ اختیار کے ساتھ مناقشہ کیوں؟ آخر وہ کس وقت ختم کرتا؟ (اور کس کے مشورے سے کرتا؟ جب مالکِ مختار اور حکیمِ مطلق کی جانب سے سلسلۂ نبوّت کے بالکلیہ اِختتام کا اعلان ہوچکا تو) اس کے بعد یہ سوال کرنا (کہ نبوّت کیوں ختم ہوگئی؟ اور یہ کہنا کہ ''وہ دِین تو لعنتی دِین ہے، جس میں نبوّت کا سلسلہ جاری نہ ہو'') یہ ٹھیک اسی طرح کی کٹ حجتی ہے جو حدیث میں مذکور ہے کہ لوگ ہر بات میں بیہودہ سوالات کیا کریں گے، یہاں تک کہ کہا جائے گا کہ ساری چیزیں تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں، اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟''(۱) ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ۔''

(۲۶) اور کسی کام کی اِنتہا کبھی تو فقدانِ قابل کے سبب ہوتی ہے (کہ اب کوئی ایسا آدمی ہی میسّر نہیں آتا جو اس کام کو کرنے کی صحیح اہلیت رکھتا ہو، اس لیے مجبوراً وہ کام بند کردینا پڑتا ہے، اور) یہ نقص ہے۔ اور کبھی کسی کام کی انتہا بسبب اِرادۂ فاعل کے ہوتی ہے کہ وہ اس کام کو نقطۂ کمال تک پہنچا کر ختم کردینا چاہتا ہے، اور یہ (نقص نہیں، بلکہ عین) کمال ہے۔ (چنانچہ ختمِ نبوّت کے مسئلے میں یہی دوسری صورت پیش

---

(۱) مشکوٰۃ ص:۱۸ بحوالہ بخاری و مسلم۔

آئی ہے کہ نبوّت کو اس کی معراجِ کمال تک پہنچا کر اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی پر ختم کردیا گیا۔)

(۲۷) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''خاتم الانبیاء'' کہو، مگر یہ نہ کہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔''(۱) (اس سے قادیانی گروہ نے اِستدلال کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک آیتِ خاتم النّبیین اِجرائے نبوّت کے خلاف نہیں۔ مگر اس سے یہ اِستدلال کرنا قادیانی ملاحدہ کی کج فہمی ہے۔ کیونکہ اوّل تو یہ قول بِلا سند ہے، جو لائقِ اعتبار نہیں۔ بالفرض! اس کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس کے دو صحیح محمل ہوسکتے ہیں، ایک) احتمال یہ ہے کہ انہوں نے یہ ارشاد اس وہم کو رفع کرنے کے لیے فرمایا ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد معاذ اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا قصہ بھی ختم ہوا، اور اَب اس کا حکم بھی باقی نہیں رہا۔ یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کا زمانہ، زمانۂ فترت کی مانند ہوگیا۔ (اس خیالِ باطل کی تردید کے لیے فرمایا کہ یہ توصحیح ہے کہ آپ ''خاتم النّبیین'' بمعنی آخری نبی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوّت ختم کردیا گیا، اب کوئی شخص منصبِ نبوّت پر فائز نہیں ہوگا، مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دورِ نبوّت بس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک ہی محدود تھا، اور زمانۂ مابعد کے لیے نہ کوئی نبی ہے، نہ کسی نبوّت کا حکم باقی ہے، نہیں! بلکہ خاتم النّبیین کی نبوّت کا حکم تا قیامت جاری وساری رہے گا) جیسا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے پیشِ نظر فرمایا ہو، (یعنی ''خاتم الانبیاء'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص منصبِ نبوّت پر فائز نہیں ہوگا، یہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کے تمام نبی مرچکے ہیں اور اب کوئی سابق نبی بھی نہیں آئے گا۔ بہرحال! حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ارشاد سے قادیانی گروہ کا اِجرائے نبوّت پر اِستدلال کرنا حُمق وغباوت ہے)۔

---

(۱) درّمنثور ص۲۰۴، ج:۵۔

(۲۸) شاگرد کا اُستاذ کے علم کو سیکھ لینا اور اپنی فطری اِستعداد کے مطابق اس سے کمالات کا اِستفادہ کرنا، اہلِ جہان کی عادت ہے۔ اسی طرح مُرید کا مُرشد سے اِستفادہ کرنا بھی موجود و معلوم ہے۔ لیکن یہ صورت کہ کسی شخص میں نبوّت منعکس ہوجائے اور صحبت و ریاضت اور کمالِ اِتباع کی بدولت اسے مقامِ نبوّت حاصل ہوجائے، یہ ایک لایعنی دعویٰ ہے، جس سے دِینِ سماوی کی پوری تاریخ ناآشنا ہے۔ محض لفاظی ہے جو مفہوم و معنٰی سے عاری ہے، خالی عنوان جس کے تحت کوئی معنون نہیں، اور نہ اس پر کوئی واقعی حکم مرتّب ہوسکتا ہے۔ اس کی مثال ایسی سمجھئے کہ ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بادشاہ کا ظل و بروز ہے، اور ''اس بروزی اتحاد'' کی وجہ سے اسے بادشاہ کا نام و مقام حاصل ہوگیا ہے، (لہٰذا شاہی محلّات اور حشم و خدم اب اس کے زیرِ تصرف ہیں، اور مُلک کا تمام نظم و نسق اب بادشاہ کے بجائے اس کے سپرد ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص واقعتاً بادشاہ کا محبّ و عاشق نہیں کہلائے گا، بلکہ اسے سرکش، غدّار اور باغی تصوّر کیا جائے گا، اور) وہ سزائے بغاوت کا مستحق ہوگا اور اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ کر رہے گا۔ (ٹھیک اسی طرح جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ظلّی اتحاد کا دعویٰ کرکے نبوّت کے نام و مقام اور حقوق کو اپنی طرف منسوب کرکے یہ کہے: ''اب میں محمد رسول اللہ ہوں! رحمۃ للعالمین ہوں! اور تمام دُنیا کی نجات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بجائے اب میری اتباع میں منحصر ہے!'' ایسا شخص اگر پاگل اور دیوانہ نہیں تو اِسلام کا غدّار اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا باغی ہے، اور وہ جرمِ بغاوت و اِرتداد کی بناء پر قتل کا مستحق ہے)۔

(۲۹) اور معلوم رہے کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے اِستفادے کے ذریعے نبوّت کا جاری ہونا اس آیتِ کریمہ میں عربیت کے لحاظ سے بھی باطل ہے، کیونکہ حرف ''لٰکِن'' ''قصرِ قلب'' کے لیے آتا ہے، اور اس کا مابعد، ماقبل کے بدل میں واقع ہوتا ہے، اور وہ دونوں جمع نہیں ہوسکتے۔ بلکہ ان دونوں کے درمیان تبادُل اور تدافع شرط ہے

تا کہ بدل اور مُبدل منہ جمع نہ ہوجائیں۔ جیسا کہ کُتبِ نحو ومعانی میں تفصیل سے ذِکر کیا گیا ہے۔ آیتِ کریمہ میں ’لَـٰكِن‘ سے ما قبل اُبوّت کی نفی ہے، اور ’لَـٰكِن‘ کے بعد ختمِ نبوّت کا اثبات ہے، اور اہلِ فہم پر مخفی نہیں کہ اُبوّت اور ختمِ نبوّت کے درمیان بِلا واسطہ کوئی تدافع نہیں کہ مؤخر الذکر، اوّل الذکر کے بدل میں واقع ہوسکے، اور ’لَـٰكِن‘ کے استعمال کی شرط پوری ہوجائے، بلکہ دونوں جمع ہوسکتے ہیں۔ پس آیت کی تفسیر وہی ہے جو ہم اُوپر ذِکر کرچکے ہیں۔ یعنی اُبوّت سے اِجرائے نبوّت کا وہم ہوسکتا تھا، اس لیے اُبوّت کی نفی کرکے اس کے بدل میں ختمِ نبوّت کو رکھا گیا۔ کیونکہ سنّتِ سابقہ کے مطابق بقائے اُبوّت اور ختمِ نبوّت کے درمیان ایک طرح کا تدافع تھا، خوب سمجھ لو!

(۳۰) نبوّت درحقیقت انبیائے کرام علیہم السلام کی تکمیلِ ذات کے لیے نہیں ہوتی، کیونکہ یہ تکمیلِ ذات تو ولایت ہے، جو نبوّت کا ایک ذیلی شعبہ ہے۔ بلکہ نبوّت یا تو تشریع کے لیے ہوتی ہے، یا شریعت کی حفاظت وبقاء اور اُمّت کی سیاست ونگہداشت کے لیے (یہ نکتہ ملحوظ رکھ کر غور کروگے تو معلوم ہوگا کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت کی ضرورت ہی ختم ہوچکی، کیونکہ) یہاں شریعت خود اوجِ کمال تک پہنچ چکی ہے (چنانچہ اعلان فرمادیا گیا: ”اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ“ (المائدۃ:۳) اور شریعت کی بقاء وحفاظت کی کفالت خود حضرت حق جل شانہٗ نے اپنے ذِمہ لے رکھی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ”إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا ٱلذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَـٰفِظُونَ ۝٩“ (الحجر:۹)۔

لہٰذا اب نہ تشریع کے لیے اِجرائے نبوّت کی ضرورت رہی، نہ شریعت کی حفاظت کے لیے۔ چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ واقعہ میں بھی وہ محفوظ ہے۔ (رہی سیاستِ اُمّت! تو وہ خلفاء کے سپرد ہوچکی ہے) اور تکمیلِ نفسی کا شعبہ ولایت ہے (جو اولیائے اُمّت کے سپرد کیا جاچکا۔ الغرض! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی منصب ایسا باقی نہ رہا جس کے لیے کسی نئے نبی کی ضرورت ہو)۔

(۳۱) اور شاید لفظِ 'ختم' کا استعمال عُرف لغت میں اشخاص کے ساتھ زیادہ مناسب ہے، اور لفظ ''انقطاع'' وصفِ رسالت ونبوّت کے ساتھ اَنسب ہے، نہ کہ اشخاص کے ساتھ۔لفظ ''ختم'' ماقبل کے اِمتداد کو چاہتا ہے، اور یہ اَمر 'انقطاع' کے مفہوم میں معتبر نہیں۔ پس قرآن نے فرمایا کہ (وہ) اشخاص (جنھیں ''نبی'' کہا جاتا ہے) ختم ہولیے (اور ان کی فہرست مکمّل ہوگئی)۔اور حدیث نے بتایا کہ یہ عہدہ ہی باقی نہیں رہا، یا یوں کہو کہ یہ منصب بند کردیا گیا (چنانچہ ارشادِ نبوی ہے: ''اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ'' (ترمذی) ترجمہ: بے شک رِسالت ونبوّت منقطع ہوچکی، پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا نہ نبی)۔

(۳۲) عالَم کی موجودہ صورت نہ تو اِبتدا ہی سے کامل پیدا کی گئی ہے، اور نہ تماثلِ اَدوار واَکوان سے ظہور پذیر ہوئی، بلکہ بطور تربیت تمہید سے مقصود کی جانب ترقّی ہوتی رہی، جیسا کہ جواہر واَحجار، نباتات واَشجار اور حیوانات واِنسان میں مشاہد ہے۔ چونکہ مخلوق کا آغاز نفسِ واحدہ سے کیا گیا، اور پھر اسے عروج وکمال تک پہنچایا گیا، تو اس سے معلوم ہوا کہ کامل ترین ذات حضرت خاتم النّبیین ﷺ کو کامل ترین دَور ہی میں لایا جائے گا، نہ کہ اس کے برعکس۔ اور جس طرح کہ عالم کی اِبتدا آدمِ صوری وزمانی سے ہوئی ہے، نہ کہ کسی اعتباری واضافی سے۔ اسی طرح اِنتہا بھی ایسے خاتم پر ہونی چاہیے جو صورۃً ومعنًی دونوں طرح کا خاتم ہو۔ یعنی اس کے بعد اصل نبوّت اور کمالِ نبوّت دونوں کا انقطاع ہوجائے، نہ کہ وہ فقط اضافی ومعنوی خاتم ہو۔ اور یہی مدّعا ہے حدیثِ عرباض بن ساریہؓ کا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں اللہ تعالیٰ کے ہاں 'خاتم النّبیین' لکھا ہوا تھا، جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ہنوز آبِ وگِل میں تھے۔'' (مشکوٰۃ، ص:۵۱۳ بحوالہ شرح السنّہ ومسند احمد) مُراد یہ کہ آغازِ کار ہی سے یہ اَمر ملحوظ تھا کہ سلسلۂ نبوّت کا اختتام مجھ پر ہوگا، زمانے کے اعتبار سے بھی اور کمال کے اعتبار سے بھی۔ اب اگر

آپ ﷺ کی خاتمیت کو حقیقی نہیں بلکہ اضافی فرض کریں تو آدم علیہ السلام سے تقابل فوت ہوجاتا ہے، اور حدیث بے ربط ہوجاتی ہے، اور یہ مضمون احادیث میں بار بار آیا ہے۔

(۳۳) اور مخفی نہ رہے کہ آنحضرت ﷺ نے نبوّت کے تمام دائرے کو اور اس کے مقام ومسافت کو اوّل سے آخر تک طے فرمایا ہے۔ اور اسی بناء پر اوّل وآخر میں ظہور فرمایا، اور آپ ﷺ اس تمام دَور پر حاوی ہوئے۔ اندریں صورت کسی شخص کا آپ ﷺ کے بعد آنا - اگرچہ آپ ﷺ سے اِستفادے کے ذریعے آئے- آپ ﷺ کے حق میں ایک نقص ہے، گویا آپ ﷺ بذاتِ خود اس مرحلے کو طے نہیں کرسکے۔ اس نکتے کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ یہ غبی شقی قادیانی اس سے محروم رہا ہے۔

(۳۴) اور ''فتوحات'' کے باب ۳۸۲ میں اس نوعیت کے خواتم اور فواتح پر کچھ بحث کی ہے، اور ان خواتم کے زیرِ سیادت سابقین کو رکھا ہے، نہ کہ بعد میں ان سے استفادہ کرنے والوں کو، کیونکہ اس صورت میں ختم علی الاطلاق صادق نہیں رہتا۔

(۳۵) اور یہ اَمر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ منتہائے کمال اگر باعتبار 'لِمْ' کے مبدا ہے تو باعتبار 'اِنْ' کے مرتّب اور مستند ہے، جو کہ مؤخر ہوتا ہے اور شاید قوسِ نزولی وعروجی میں، جو صوفیائے کرام کے یہاں مقرّر ہے اور غالباً آیت کریمہ: ''یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ'' (الطّلاق:۱۲) میں اور پھر ''مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾'' (المعارج:۳) میں اسی کی جانب اشارہ ہے، اسی طرح ہوتا ہوگا اور شاید اس قسم کے خواتم میں ختمِ معنوی یعنی ختمِ کمالات کی ظاہری صورت سُنّت اللہ میں یہی ختمِ زمانی ہوگی، کیونکہ ہر معنیٰ کے لئے ایک صورتِ مناسبہ ہوتی ہے، اسی طرح ہر مرتبہ ومنزلت بھی کسی مناسب صورت میں ہی جلوہ گر ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کو چونکہ فاتح اور خاتم بنانا منظور تھا تو اس کی صورت یہی ہوسکتی تھی کہ آپ کو باعتبار 'لِمْ' کے مبدا قرار دیا جائے اور باعتبار 'اِنْ' کے سب سے آخر میں رکھا جائے۔ مشہور اشراقی فلسفی شیخ شہاب الدین مقتول، تقدم وتأخر کی تمام اقسام کا

مرجع تقدم وتأخرِ زمانی کو قرار دیتا ہے۔

(۳۶) اور یہ اَمر بھی سمجھ لینا چاہیے کہ لفظ 'ختم' کے مدلول کا تعلق ماقبل سے ہے، نہ کہ مابعد سے۔ پس مدلولِ آیت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو تعلق انبیائے کرام علیہم السلام سے ہے، وہ تمام تر خاتمیت کا تعلق ہے، اور یہ تعلق انبیائے سابقین علیہم السلام سے ہے، نہ کہ بعد میں آنے والے نبیوں سے۔ اور انبیائے سابقین علیہم السلام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیرِ سیادت رکھا گیا کیونکہ کسی پیشرو کا بعد میں آنے کی اتباع کرنا مؤخر الذکر کی سیادت وکمال کو زیادہ واضح کرتا ہے بہ نسبت اس کے برعکس (کہ بعد میں آنے والے اپنے پیشرو کی اتباع کیا ہی کرتے ہیں، الغرض انبیائے سابقین علیہم السلام بمنزلہ رعیت کے ہیں اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ سلطان الانبیاء کے ہیں) اور قاعدے کی بات ہے کہ رعیت پہلے سے موجود ہوتی ہے، تب سلطان ان کے بعد آتا ہے۔ جیسا کہ شبِ معراج میں انبیائے کرام علیہم السلام، بیت المقدس میں جمع ہونے کے بعد نماز کے لیے اِمام کے منتظر تھے۔ غرضیکہ جو چیز اجتماع کا مقتضا ہو وہ اجتماع کے بعد ہوتی ہے، نہ کہ اس سے قبل۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصے میں بھی یہی ہوا کہ سامان پہلے سے مہیّا کیا گیا، اور خلیفہ بعد میں لایا گیا۔

(۳۷) اور کسی[۱] شخصیت پر کمال کا ختم ہوجانا اور مقصد کا اس پر پورا ہوجانا بذاتِ خود اعلیٰ درجے کی فضیلت ہے، جو 'نبی ساز' ہونے کے مغالطے کے معارض ہے۔ پس اگر ان

---

(۱) قادیانی یہ مغالطہ دیا کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا 'نبی ساز' ہونا آپ کی بہت بڑی فضیلت ہے، اور ''ختمِ نبوّت'' کو تسلیم کرنے سے یہ فضیلت فوت ہوجاتی ہے۔ آگے دُور تک اسی مغالطے پر بحث چلی گئی ہے کہ اوّل تو 'نبی ساز' کا افسانہ محض سخن سازی اور ملمع کاری ہے۔ قرآن وحدیث میں کہیں اس کا ذِکر نہیں، پھر آپ کی خاتمیت جو اعلیٰ درجے کی فضیلت ہے، اس کے معارض ہے، اور اگر اس کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا 'نبی ساز' ہونا انبیائے سابقین کے اعتبار سے ہے، اس میں دونوں باتیں جمع ہوجاتی ہیں۔ منہ

دونوں فضیلتوں کو جمع کرنا ہوتو اس کی بس یہی صورت ہے کہ انبیائے سابقین کو آپ ﷺ کے زیرِ سیادت رکھا جائے اور آپ ﷺ کو ختم کنندۂ کمالِ یقین کیا جائے، کیونکہ آپ ﷺ کے بعد بھی اگر نئے نبیوں کی آمد باقی ہو تو اس سے تو یہ ثابت ہوگا کہ (آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے بھی) مقصدِ نبوّت ہنوز پورا نہیں ہوسکا۔ بلکہ تشنۂ تکمیل ہے (اس سے ہر فہیم سمجھ سکتا ہے کہ حضرت خاتم النّبیین ﷺ کے بعد سلسلۂ نبوّت کا جاری رہنا آپ کی فضیلت و منقبت کو ظاہر نہیں کرتا، بلکہ اس سے آپ ﷺ کی تنقیص ہوتی ہے کہ سب سے اعلیٰ و افضل ہونے کے باوجود آپ مقاصدِ نبوّت کی تکمیل نہیں کرسکے، تبھی تو مزید انبیاء کے بھیجنے کی ضرورت لاحق ہوئی)۔

(۳۸) مختصر یہ کہ انبیائے سابقین کے دور میں زمانہ چونکہ ممتد تھا، اس لیے انبیائے کرام علیہم السلام کو تکمیلِ کار کے لیے یکے بعد دیگرے لایا جاتا رہا۔ اور جب عالم کی بساط لپیٹ دینے کا ارادہ فرمایا گیا تو نوبت خاتم الانبیاء ﷺ تک پہنچی اور (چونکہ آپ ﷺ کی آمد سے مقاصد نبوّت کی تکمیل ہوگئی اور کوئی حالتِ منتظرہ باقی نہ رہی، اس لیے) اس سلسلے کو ختم فرمادیا۔ اب یہ شُبہ کرنا کہ (اگر آپ ﷺ کے بعد نبوّت کا دروازہ بند ہو تو آپ کی) نبوّت ''نبی ساز'' نہیں رہے گی، محض شیطانی وسوسہ اور سُوفیانہ واحمقانہ قیاس آرائی ہے، اور براہِ راست صاحبِ اختیار مالک الملک کے ساتھ مزاحمت ہے۔

(۳۹) اور اس کٹ حجتی کا آغاز سب سے پہلے اِبلیس نے کیا تھا جس کی وراثت وہ اپنی ذُرّیت کے لیے چھوڑ گیا ہے۔ حق تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کو ''نبیوں کے ختم کرنے والا'' بنایا ہے، اور یہ شقی (مرزا) کہتا ہے کہ آپ ﷺ نبی تراشنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ سے ایسا صریح مقابلہ ومناقضہ اِبلیس نے کیا تھا، جس کی وراثت اس شقی کو پہنچی ہے۔

(۴۰) اور یہ شقی نبوّت کو قوّتِ مولّدہ پر، جو اِبقائے نوع کے لیے ہوتی ہے اور جو انواعِ متناسلہ میں پائی جاتی ہے، قیاس کرتا ہے، جبکہ حق تعالیٰ عہدۂ نبوّت ہی کے ختم ہونے کا اعلان فرماتے ہیں، اور اس نوع ہی کو ختم کر رہے ہیں،'' واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل!''

(۴۱) پس حق تعالیٰ نے مجموعہ شخص اکبر میں، کہ مجموعۂ عالم ہے، ایک خاص نظام ملحوظ رکھا ہے، اور کمالِ عالم کو سَروَرِ کائنات ﷺ پر ختم فرمادیا ہے۔ ''کسی شے کا مقصد ذہن میں سب سے اوّل ہوتا ہے اور وجود میں وہ سب کے بعد آتا ہے۔'' احقر نے ایک نعت میں کہا ہے: ''اے ختمِ رسل! آپ ﷺ کی اُمّت سب سے بہتر اُمّت تھی، اس لیے سب کے بعد وجود میں آئی، جس طرح کہ درخت کا ثمرہ اصل مقصود ہوتا ہے اور فصل کے آخر میں وجود پذیر ہوتا ہے۔''

(۴۲) اور جانتے ہو کہ جو کثرت کہ وحدت کی طرف راجع اور اس کے رشتے میں منسلک نہ ہو وہ شیرازۂ منتشر کی طرح ہے، جو رفتہ رفتہ فنا ہوجاتا ہے۔ اور جس چیز میں جس قدر وحدت قوی تر ہوگی وہ اسی قدر زیادہ معزّز ہوگی، اور اس کی صورتِ نوعیہ سب سے افضل تَر ہوگی۔ انسان کی رُوح، پھر اس کے جسم، پھر دیگر کائنات ومَوالید میں درجہ بدرجہ غور کرو، کہ یہ بکھرے ہوئے سامان کی طرح نہیں ہیں، اور نہ عناصر کی مانند ہیں، جو کہ مادّہ ہے۔ اسی وجہ سے فلاسفہ کہتے ہیں کہ مادّہ سے کثرت ہے اور صورت سے وحدت۔

(۴۳) (حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت سے کتاب نبوّت کی) تمت تمام ہوچکی اور سلسلۂ نبوّت ایک خاص نظام کے مطابق پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا، اس کے بعد مرزا قادیانی کی یہ کج بحثی کہ ''وہ دِین، لعنتی دِین ہے جو نبی ساز نہ ہو'' (فعلِ خداوندی پر اعتراض ہے، اگر یہی منطق ہے تو -نعوذ باللہ-) گزشتہ اُمتوں کو بھی اپنے نبیوں کے

مقابلے میں یہ کہنے کا حق حاصل تھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ تمہی لوگوں کو نبوّت کے لیے مخصوص ومنتخب کیا گیا؟ اور یہی معارضہ اِبلیسِ لعین نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا کہ اَمرِ خلافت کا مدار آپ کے انتخاب واجتباء پر کیوں ہے؟ یہی کج بحثی بطورِ وراثت، ابلیس سے اس مدّعی (قادیانی) کو پہنچی ہے۔

اور حقیقۃ الاَمر یہ ہے کہ جس طرح کہ پہلی اُمتیں انبیائے سابقین کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرتی تھیں اور مشیتِ اِلٰہیہ کے مطابق نبوّت کے علاوہ دیگر مراتبِ قُرب حاصل کرتی تھیں اور اُمّت کے کسی فرد کو یہ حق نہیں تھا کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام سے مقابلہ آرائی کرے، اور نہ وہ اس معاملے میں کٹ حجتی کرسکتا تھا (اسی طرح اُمّتِ محمدیہ بھی قیامت تک آنحضرت ﷺ کی نبوّت کے ظلِ رحمت میں زندگی بسر کرے گی اور نبوّت کے علاوہ جس قدر مراتبِ قُرب، کسی کے حق میں اللہ تعالیٰ کو منظور ہیں انہیں حاصل کرے گا، لیکن اس کٹ حجتی کا کسی کو حق حاصل نہیں کہ کسی اُمتی کو مقامِ نبوّت کیوں نہیں عطا کیا جاتا؟) پس جیسا کہ اُس نبی کی نسبت اُس زمانے میں اپنی اُمّت کے ساتھ تھی، اسی طرح اب مشیتِ اِلٰہیہ یہ ہے کہ وہی نسبتِ واحدہ اَخیر زمانے تک قائم رہے اور یہ تعلق پوری اُمّت کے ساتھ ختمِ عالم تک باقی رہے۔

(۴۴) اور ترمذی کی حدیث نے ہرغم وفکر سے اہلِ ایمان کو شفائے صدر عطا کردی ہے (اور قادیانی ملاحدہ کے تمام وسوسوں کا جواب شافی دے دیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”رسالت ونبوّت بند ہوچکی ہے پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ نبی“ راوی کہتے ہیں کہ یہ خبر لوگوں کو شاق گزری (کہ رسالت ونبوّت تو ایک رحمت تھی اس کا انقطاع، اُمّت کے لیے موجبِ حرمان ہوگا) آپ ﷺ نے فرمایا: ”لیکن مبشرات باقی ہیں۔“ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مبشرات سے کیا مُراد

ہے؟ فرمایا: ''مؤمن کا خواب! اور یہ اجزائے نبوّت میں سے ایک جز ہے۔'' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔[1] اس حدیث نے اسی قلق کا اِزالہ کیا ہے (جو آج قادیانی ملاحدہ کی جانب سے پیش کیا جاتا ہے) اور صاحبِ ''فتوحات'' نے بھی باب: ۳۲۳ میں اس سلسلے میں کچھ تحریر فرمایا ہے۔

(۴۵) اور چونکہ آنحضرت ﷺ کے زیرِ سیادت تمام انبیائے سابقین ہیں اور محشر میں تمام انبیائے کرام علیہم السلام آپ ﷺ ہی کے جھنڈے تلے ہوں گے، اور نیز چونکہ آپ ﷺ نبی الانبیاء ہیں، جیسا کہ علمائے عارفین نے تصریح کی ہے۔ اس لیے انبیائے سابقین علیہم السلام نے آپ ﷺ کی ماتحتی میں آکر اس باب میں، بعد میں آنے والے نبیوں سے مستغنی کردیا ہے، اور اب مزید انبیاء کی حاجت نہیں رہی۔ اور یہ بات صادق آئی کہ آپ ﷺ ایسے نبی ہیں کہ اپنے ماتحت انبیاء رکھتے ہیں، مگر وہ انبیائے سابقین علیہم السلام ہیں، نہ کہ آپ ﷺ کے بعد میں آنے والے۔ نظامی فرماتے ہیں: ''آپ ﷺ ایسے نبی ہیں کہ سب سے آگے نکل گئے۔ حق تعالیٰ نے ختمِ نبوّت کا منصبِ محمد ﷺ کے سپرد کیا۔''

(۴۶) اور یہی مدّعا ہے حدیث ''نَحنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ''[2] کا۔ یعنی ''ہم سب کے بعد آئے اور سب سے آگے نکل گئے۔'' اور یہی مفہوم ہے اِس حدیث کا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تخلیق میں سب نبیوں سے پہلے تھا، اور بعثت میں سب سے آخر میں آیا۔'' یہ حدیث اِبنِ ابی شیبہ اور اِبنِ سعد وغیرہ نے روایت کی ہے، اور اس کی تفسیر ایک دوسری حدیث میں آئی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ تعالیٰ کے

---

(۱) سنن ترمذی: ابواب الرؤیا، ج:۲ ص:۶۲۔

(۲) مشکوٰۃ ص:۱۱۹ بحوالہ بخاری و مسلم۔

نزدیک ''خاتم النّبیین'' لکھا ہوا تھا۔ درآنحالیکہ آدم علیہ السلام ہنوز آب وگل میں تھے۔'' اس کو بغوی نے ''شرح السنۃ'' میں اور اِمام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے، جیسا کہ ''مشکوٰۃ'' میں ہے۔[۱] اور ''لکھا ہوا ہونے'' سے مُراد محض نبوّت کا مقدّر ہونا نہیں، کیونکہ یہ چیز تو تمام انبیائے کرام علیہم السلام میں مشترک ہے، بلکہ اس سے خلعتِ نبوّت اور اِختصاصِ اِلٰہی کے ساتھ مشرف ہونا مُراد ہے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبوّت محض عطیۂ ربّانی ہے۔ محنت وریاضت سے حاصل نہیں ہوتی۔ اور آنحضرت ﷺ کو سب سے اوّل اس خلعت کے ساتھ مشرف کیا گیا، گویا عالمِ وجود میں آپ ﷺ جس وقت بھی چاہیں، اس تشریف وتکریم کے ساتھ آراستہ اور اس منصب پر فائز ہوں۔

اور اِمام مسلمؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوق کی تقدیریں لکھیں اور ''الذکر'' میں تحریر فرمایا کہ محمد ﷺ 'خاتم النّبیین' ہیں'' یہ حدیث ''مواہب لدنیہ'' میں صحیح مسلم کے حوالے سے نقل کی ہے، مگر صحیح مسلم کے موجودہ نسخے میں یہ پوری حدیث ان الفاظ میں مجھے نہیں ملی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے آنحضرت ﷺ کے شمائل میں مروی ہے کہ ''آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مُہرِ نبوّت تھی، اور آپ ﷺ خاتم النّبیین تھے'' (شمائل ترمذی)۔

''خاتم'' یعنی جس چیز سے کسی چیز پر مُہر کی جائے وہ لگاتے وقت تو سب سے آخر میں ہوتی ہے، لیکن نظرِ ثانی میں وہ سب سے اوّل واقع ہوتی ہے، اور سب سے پہلے اسی کو کھولا جاتا ہے۔ ''مسند طیالسی'' (ص:۳۵۴) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اسی مضمون کی

---

(۱) مشکوٰۃ، ص:۵۱۳۔

جانب اشارہ ہوا ہے۔(۱)

(۴۷) اس کے بعد یہ شبہ کرنا کہ ''دِین کامل وہ ہے جو نبی ساز ہو'' اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اگر حصولِ نبوّت کا مدار علّیت بالطبع اور ایجابِ ذاتی پر ہے، جیسا کہ اِبلیس نے بحث کی تھی، اور یہی کٹ حجتی بطورِ وراثت اس کی اولاد (مرزا قادیانی وغیرہ) کو نصیب ہوئی، تو یہ ایک ایسا اَمر ہے جو خدا تعالیٰ نے پہلے ہی دِن تسلیم نہیں کیا۔ اور اگر نبوّت کا حصول اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادے پر موقوف ہے، تو ہم کہیں گے کہ نبوّت، شرف واختصاص کی وہ خلعتِ فاخرہ ہے جو ہر کسی کی قامت پر راست نہیں آتی۔

اور یہاں معاملے کی نوعیت کچھ اور ہے، وہ یہ کہ سلسلۂ نبوّت کو اس کے

---

(۱) ''مسند طیالسی'' کی جس حدیث کا حضرت مصنّف نوّر اللہ مرقدہٗ نے حوالہ دیا ہے، اس کا مضمون یہ ہے کہ جب لوگ طلبِ شفاعت کے لیے علی الترتیب حضرت آدم، حضرت نُوح، حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے تو وہ یہ کہہ کر عذر کردیں گے کہ مجھے اور میری والدہ کو معبود بنایا گیا۔ اس کے ساتھ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری کا مشورہ دیتے ہوئے فرمائیں گے: ''ولکن ارأیتم لو ان متاعًا في وعاءٍ قد ختم علیه آکان یوصل الیٰ مافیه حتی یفضّ الیٰ مافیه حتی یفضّ الخاتم؟ فیقولون: لا۔ فیقول: فانّ محمدًا ﷺ قد حضر الیوم۔ الحدیث'' (مسند طیالسی ص: ۳۵۴ مطبوعہ حیدرآباد دکن)

ترجمہ:۔ ''لیکن یہ بتاؤ کہ اگر کچھ سامان کسی ایسے برتن میں ہو جو سربمہر کردیا گیا ہو، تو جب تک اس مُہر کو نہ کھولا جائے کیا اس برتن کے اندر کی چیز تک رسائی ممکن ہے؟ حاضرین اس کا جواب نفی میں دیں گے تو آپ علیہ السلام فرمائیں گے کہ پھر محمد ﷺ آج یہاں موجود ہیں۔ ان کی خدمت میں جاؤ۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس تشبیہ سے مقصد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ خاتم النّبیین ہیں، لہٰذا جب تک نبیوں کی مُہر کو نہ کھولا جائے اور آپ ﷺ شفاعت کا آغاز نہ فرمائیں تب تک انبیاء علیہم السلام کی شفاعت کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔ اور نہ کسی نبی کی شفاعت کا حصول ممکن ہے، لہٰذا تم لوگ سب سے پہلے حضرت خاتم النّبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں، پہلے 'نبیوں کی مُہر' کو کھولو۔ آپ ﷺ سے شفاعت کا آغاز کراؤ، تب کسی اور نبی کی شفاعت ممکن ہے۔ واللہ اعلم (مترجم)

کمال کی آخری حد تک پہنچا کر ختم فرما دیا گیا اور نہیں چاہا گیا کہ اسے انحطاط پر ختم کریں۔ اور نبوّت کا یہ اختتام اس وقت ہوا جبکہ کارِ نبوّت ختم ہولیا۔ مقصدِ نبوّت پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا، اور عالم کے خاتمہ کا وقت قریب آ پہنچا۔ نیز حکمتِ خداوندی نے نہ چاہا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اُمّتِ مرحومہ کا تعلق واسطہ دَر واسطہ ہو، بلکہ یہ چاہا گیا کہ ایک ہی تعلق اوّل سے آخر تک پوری اُمّت کو شامل ومحیط ہو۔ نیز یہ نہیں چاہا گیا کہ اُمّتِ مرحومہ کے لیے جن اُمور پر ایمان لانا ضروری ہے، ان میں سے کوئی جز باقی رہ جائے، کہ آئندہ کسی مدّعیٔ نبوّت کے انکار سے وہ کافر ٹھہریں، بلکہ یہ چاہا گیا کہ ان کا ایمان تمام انبیائے سابقین کے پورے سلسلے کو حاوی ہو، کیونکہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان لانا تمام انبیائے سابقین (علیہم السلام) پر اِیمان لانے کو متضمن ہے، اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان لانے کے بعد اس سلسلے کا کوئی جزوِ اِیمان باقی نہیں رہ جاتا۔

(۴۸) ”موضح القرآن“ میں سورۂ اَعراف کی آیت: ”وَٱلَّذِينَ هُم بِـَٔايَٰتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٦﴾“ کے ذیل میں اس مضمون کی جانب اشارہ ہوا ہے اور سورۂ حج میں بھی۔[۱]

اور یہی مدّعا ہے اس آیتِ کریمہ کا: ”ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِى وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَٰمَ دِينًا“ (المائدہ:۳) حافظ اِبنِ کثیر

---

(۱) سورۂ اعراف کی آیت ۱۵۶ کے ذیل میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”شاید حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اُمّت کے حق میں دُنیا اور آخرت کی نیکی کی جو دُعا مانگی، مُراد اس سے یہ تھی کہ سب اُمتوں پر مقدّم رہیں۔ فرمایا کہ میرا عذاب اور رحمت کسی فرقے پر مخصوص نہیں۔ سو عذاب تو اسی پر جس کو اللہ چاہے اور رحمت سب کو شامل ہے، لیکن وہ خاص رحمت لکھی ہے ان کے نصیب میں جو اللہ کی ساری باتیں یقین کریں، یعنی آخری اُمّت کہ سب کتابوں پر اِیمان لاویں گے۔ سو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمّت میں جو کوئی آخری کتاب پر یقین لاوے وہ پہنچے اس نعمت کو، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا ان کو لگی۔“ اور سورۂ حج کی آخری آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: ”یعنی پسند کیا تم کو اس واسطے کہ تم اور اُمتوں کو سکھاؤ، اور رسول تم کو سکھادے۔ اور یہ اُمّت جو سب سے پیچھے آئی سب کی غلطی اس پر معلوم ہوئی، سب کو راہ صحیح بتاتی ہے۔“

رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''یہ اس اُمّت پر حق تعالیٰ شانہٗ کا سب سے بڑا انعام ہے کہ ان کے لیے ان کے دِین کو کامل کردیا۔ اس لیے وہ اپنے دِین کے سوا کسی اور دِین کے اور اپنے نبی (صلوٰات اللہ وسلامہٗ علیہ) کے سوا کسی اور نبی کے محتاج نہیں۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خاتم الانبیاء بنایا، اور تمام جِنّ و اِنس کی طرف مبعوث فرمایا۔'' (تفسیر ابنِ کثیر)

پس اہلِ حق نے سلسلۂ نبوّت کے اِختتام کو نعمت و رحمت شمار کیا ہے (جب کہ قادیانی کے نزدیک یہ نعمت -معاذ اللہ- لعنت ہے) اور یہی مصداق ہے ارشادِ خداوندی: ''وَمَآ أَرۡسَلۡنَٰكَ إِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعَٰلَمِينَ ﴿١٠٧﴾'' (الانبیاء:۱۰۷) کا۔ یعنی ''ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہان والوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

(۴۹) اور حق تعالیٰ آیاتِ کریمہ میں تمام اُمتوں کو ایک طرف اور اس اُمّتِ مرحومہ کو دوسری طرف رکھتے ہیں، اور پوری امّت کو اوّل سے آخر تک ایک ہی اُمّت شمار کرتے ہیں، اس سلسلے کی چند آیات ملاحظہ فرمائیے:

(۱) ''كُنتُمۡ خَيۡرَ أُمَّةٍ أُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ'' (آلِ عمران:۱۱۰)

(۲) ''وَكَذَٰلِكَ جَعَلۡنَٰكُمۡ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُواْ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ وَيَكُونَ ٱلرَّسُولُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيدًا'' (البقرۃ:۱۴۳)

(۳) ''فَكَيۡفَ إِذَا جِئۡنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئۡنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾'' (النساء:۴۱)

(۴) ''لِيَكُونَ ٱلرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيۡكُمۡ وَتَكُونُواْ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ'' (الحج:۷۸)

(۵) ’’وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِى كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم مِّنْ أَنفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ‘‘ (النحل:۸۹)

اور حق تعالیٰ شانہٗ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو قیامت کے متصل رکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قیامت کے درمیان کوئی اُمّت نہیں رکھتے (پس جب تمام اُممِ سابقہ کو ایک طرف اور اُمّتِ مرحومہ کو دوسری طرف رکھا گیا، اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے متصل مبعوث فرماکر اُمّتِ مرحومہ کا دامن قیامت تک وسیع کردیا گیا تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ آپ آخری نبی ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں، بلکہ قیامت تک اُمّتِ مرحومہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا سایۂ نبوّت ورحمت محیط رہے گا۔ والحمدللہ!)۔

(۵۰) اور (قادیانی ملحد کا یہ کہنا کہ ’’وہ دِین لعنتی دِین ہے جس میں نبوّت کا سلسلہ جاری نہ ہو۔‘‘ اس کے جواب میں) بطورِ معارضہ کہا جائے کہ وہ دِین، دِینِ رحمت نہیں جس کے تمام اجزاء پر آدمی ایمان لائے، مگر باوجود اس کے محض کسی شقی کی نبوّت کے انکار سے کافر ٹھہرے۔ نیز قادیانی سے یہ سوال کیا جائے کہ آیا دِین کے بارے میں بھی یہی منطق جاری ہوگی کہ وہ دِین، دِینِ رحمت نہیں جو نئے دِین کو پیدا نہ کرے؟ نیز یہ اَمر بھی دریافت طلب ہے کہ اس شقی کی نبوّت -جس نے اب تک کوئی نبی پیدا نہیں کیا، اور نہ اس پر وہ راضی ہے- اس پر بھی لعنت ہے یا کیا ہے؟

(۵۱) اور گزشتہ بحث سے آپ نے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ’’واسطۃ العقد‘‘ (ہار کے درمیانہ موتی) کی حیثیت سے عالمِ وجود میں نہیں لایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق سابقین سے کچھ اور نوعیت کا ہوتا اور لاحقین سے کسی دوسری نوعیت کا۔ نہیں! بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صدرِ جلسہ کی حیثیت سے لایا گیا ہے کہ ساری تمہید پہلے ہوا کرتی ہے، اور صدرِ جلسہ کی آمد کے بعد جلسے کا اختتام ہوجاتا ہے، اور مقصد ختم ہوجانے کے بعد

سوائے کوچ کا نقّارہ بجانے کے اور کوئی کام باقی نہیں رہ جاتا، ورنہ لازم آئے گا کہ مقصد ابھی تک پورا نہیں ہوا۔

(۵۲) (قادیانی نے نبوّت کو بادشاہت پر قیاس کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''شہنشاہ'' وہی کہلاتا ہے جو اپنے ماتحت بہت سے بادشاہ رکھتا ہو۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کا کمالِ نبوّت اسی وقت ظاہر ہوسکتا ہے جب کہ آپ ﷺ کے فیضِ نبوّت سے بہت سے نبی وجود میں آئیں۔ لیکن) اس شقی غبی نے بزعمِ خود کمال ثابت کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی تنقیص کا التزام کیا ہے۔ کیونکہ ''شہنشاہ'' کو اپنے ماتحت بادشاہوں اور جانشینوں کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ مقصد ہنوز نامکمّل ہے، کیونکہ سلطنت کا سلسلہ جاری ہے۔ (اس کے برعکس آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے مقصدِ رِسالت پایۂ تکمیل تک پہنچ چکا) اور کوئی حکیم ودانا مقصد کی تکمیل کے بعد کام کو جاری نہیں رکھا کرتا۔ (اب اگر آنحضرت ﷺ کے بعد بھی انبیاء کے مبعوث ہونے کی ضرورت باقی رہے تو اس کے صاف معنٰی یہ ہیں کہ آپ ﷺ مقصدِ رِسالت کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے سے — معاذ اللہ — قاصر رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر آپ ﷺ کی تنقیص اور کیا ہوسکتی ہے!) پس ایک طرف مقصد کی تکمیل کو اور دوسری طرف اس شقی کے قیاس کو رکھ کر دونوں کا اچھی طرح موازنہ کرو۔

(۵۳) علاوہ ازیں یہ کہنا کہ ''شہنشاہ اپنے ماتحت بادشاہوں کو پیدا کیا کرتا ہے'' نہایت سطحی بات ہے! ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ایک ہی شخصی سلطنت ہوتی ہے جو کارپردازی کے لیے اپنے ماتحت نائب مقرّر کرتی ہے، اور ولی عہد اَصل کی غیرموجودگی کے سبب مقرّر کیا جاتا ہے۔ ان تمام لوگوں کی ضرورت محض اس بناء پر پیش آتی ہے کہ بادشاہ کی ذات تن تنہا حکومت کا تمام کاروبار چلانے سے قاصر ہے۔ اور یہاں اگر آنحضرت ﷺ کے بعد انبیاء کی پیدائش اَعمالِ نبوّت کے لیے (فرض کی جائے تو غلط) ہے، کیونکہ ذاتِ

سَرورِ کائنات ﷺ نے اس سے کفایت فرمادی ہے، اور اگر نئے نبیوں کی آمد محض ان کی ذات کے لیے ہے، اُمّت اور اَعمالِ اُمّت سے انہیں کوئی سروکار نہیں، تو درحقیقت یہ نبوّت ہی نہیں۔ باقی رہی سیاست اور اُمّت کی نگہداشت! تو حدیث میں ختمِ نبوّت کا اعلان کرکے سیاستِ اُمّت کو ''خلافت'' پر چھوڑ دیا ہے، اور رُوحانی تربیت کا منصب ''ولایت'' کے سپرد ہے جو نبوّت کا ایک ضمنی شعبہ ہے۔ (الغرض! خاتم النّبیین ﷺ کے بعد جدید نبوّت کا کوئی مصرف ہی باقی نہ تھا، اس لیے یہ منصب ختم کردیا گیا)۔

(۵۴) اور یہاں اِبلیس کی بحث کی مراجعت کی جائے، جس کا خلاصہ شہرستانی نے کتاب ''اَلْمِلَل وَالنِّحل'' میں یہ ذِکر کیا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت میں کلام نہیں تھا، بلکہ اس کی حکمت پر اعتراض تھا۔[۱] اور اس ہیچ مدان کے نزدیک اسے متعدّد اُصول میں کلام تھا، اور اس کی اصل بحث اس اَمر میں تھی کہ (نبوّت ورِسالت اور دیگر مواہبِ اِلٰہیہ کا مدار) ایجاب بالذات اور طبعی صلاحیت پر ہے؟ یا کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے اِرادہ واختیار اور مشیت پر؟ (اِبلیس شقِ اَوّل کا قائل تھا، یہی وجہ ہے) کہ وہ ہر کام کی علت کے بارے میں اُلجھتا ہے، اور (اس کے برعکس) آدم علیہ السلام اور اولادِ آدم (کا مسلک یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے کسی فیصلے پر چُون وچرا نہیں کرتے کہ یہ تقاضائے

---

(۱) شہرستانی نے مقدمۂ ثالثہ میں اِبلیس اور ملائکہ کے درمیان مناظرہ نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اِبلیس نے فرشتوں سے کہا: ''میں مانتا ہوں کہ باری تعالیٰ میرا اور ساری مخلوق کا معبود ہے، وہ عالم ہے، قادر ہے، اس کی قدرت ومشیت پر بحث نہیں ہوسکتی، کیونکہ وہ جب کسی چیز کا اِرادہ کرے تو اس کے کلمۂ ''کن'' سے وہ فوراً وجود میں آجاتی ہے۔ وہ حکیم بھی ہے، مگر اس کی حکمت پر چند سوالات متوجّہ ہوتے ہیں۔'' فرشتوں نے پوچھا: ''وہ سوال کیا ہیں؟ اور کتنے ہیں؟'' وہ ملعون بولا: ''سات!'' اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: ''اس سے کہو کہ تُو اپنے پہلے اقرار میں، کہ میں تیرا اور ساری مخلوق کا معبود ہوں، صادق اور مخلص نہیں، کیونکہ اگر تُو واقعی تصدیق کرتا کہ میں اِلٰہ العالمین ہوں تو ''یہ کیوں؟ اور وہ کیوں؟'' کی منطق کے ساتھ مجھ پر حکم چلانے کی کوشش نہ کرتا۔'' (دیکھئے: ''الملل والنحل'' برحاشیہ کتاب ''الفصل'' لابنِ حزم صفحہ:۱۰ تا ۱۳۔ مترجم)

عبدیت کے خلاف ہے، بلکہ وہ) معاملے کو صاحبِ معاملہ (جل شانہٗ) کے سپرد کر کے اطاعت وتسلیم بجالاتے ہیں اور اپنی عبدیت پر نظر رکھتے ہیں، (اور سچ پوچھو تو آدمیّت کی محبوب ترین ادا یہی عبدیت اور تفویض وتسلیم ہے۔ چنانچہ انسانیت کے گُلِ سرسبد اور اولادِ آدم کے مایۂ افتخار سیّدنا محمد ﷺ کا سب سے بڑا وصف یہی بیان کیا گیا ہے) کہ ”عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ“۔ اور (اس کے مقابلے میں) شیطان ہے جو مالک کے اختیار میں نزاع کرتا ہے اور ہر بات کی علت میں اُلجھتا ہے۔[۱] اور قصۂ (آدم واِبلیس) سے یہ

(۱) آیتِ کریمہ: ”وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَـٰٓئِكَةِ إِنِّى جَاعِلٌ فِى ٱلْأَرْضِ خَلِيفَةً“ (البقرة:۳۰) متعدّد مسائل وفوائد پر مشتمل ہے۔ چنانچہ اس میں ایمان باللہ کے بعد مسئلۂ نبوّت ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو مبعوث فرمائیں گے جن کی اطاعت فرض ہوگی، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت جبھی معتبر ہے جبکہ اس کے حکم سے اس کے مامور کی اطاعت کی جائے، اور یہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے حدِّ فاصل اور فیصلہ کن معیار ہے، اور یہی مطلب ہے حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا کہ: ”حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا“ (النساء:۵۹)۔ نیز اس ارشاد کا کہ: ”اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس واسطے کہ اس کا کہا مانا جائے اللہ کے حکم سے“ (النساء:۶۴)۔ نیز اس حدیث کا جس میں آپ ﷺ نے ایک خطیب کو فرمایا تھا کہ: ”یوں کہہ کہ جو شخص نافرمانی کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی“ (صحیح مسلم، ج:۱ ص:۲۸۶) اس حدیث میں قرآنِ کریم سے اقتباس کرتے ہوئے اللہ ورسول کو الگ الگ ذِکر فرمایا۔ کسی شخص کا اپنی عقل سے کسی کی اطاعت کرنا یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں بلکہ اپنے نفس کی اطاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت تو جب متحقق ہوتی ہے جبکہ اس کے حکم سے کسی دوسرے کی اطاعت کی جائے (چنانچہ قصۂ اِبلیس وآدم میں شیطان نے خدا کو سجدہ کرنے سے انکار نہیں کیا، بلکہ اس کے حکم پر حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سربسجود ہونے سے انکار کیا، جس کے بارے میں خدا تعالیٰ نے حکم دیا تھا، اس لیے خدا کا نافرمان اور منکر ٹھہرا)۔ نیز اس آیت میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ حُسن وقبح شرعی ہے یا عقلی؟ اور تعدیل وتجویر، اسماء واَحکام اور وعدہ وَعید کے مسائل بھی ہیں۔ یہ تو شہرستانی نے ذِکر کیے ہیں۔ نیز اس میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ خیر وشرّ کی تقدیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، اور یہ کہ علوم کی اِنتہا اللہ تعالیٰ کے علم پر ہوتی ہے، اسی واسطے آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم دی۔ اور یہ کہ انسان کا شرف عبدیت اور توبہ وانابت میں ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی باز پُرس نہیں کرسکتا، اور وہ سب سے باز پُرس کرسکتا ہے۔

........(باقی اگلے صفحے پر)

فہرست

بھی معلوم ہوا کہ ایمان میں خلل قابلِ برداشت نہیں، ہاں اعمال میں تقصیر اور کوتاہی ہو تو قابلِ مغفرت ہے۔

(۵۵) اور جب (قرآنِ کریم نے اعلان کردیا کہ) آنحضرت ﷺ اشخاصِ انبیاء علیہم السلام کے خاتم ہیں، تو (اس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی جو تعداد علمِ اِلٰہی میں طے شُدہ تھی، آپ ﷺ پر اس کا اِختتام ہوچکا، آپ ﷺ سلسلۂ انبیاء کے آخری فرد تھے، آپ ﷺ کے بعد اب کوئی ایسی شخصیت باقی نہیں رہی جس کا نام انبیاء کی فہرست میں درج ہو۔ لہٰذا آپ ﷺ کے بعد حصولِ نبوّت کا دروازہ بالکلیہ بند ہوچکا، اور اَب) محبانہ اِتحاد (یا ظلّ و بروز وغیرہ کا دعویٰ بھی) نبوّت کے اِجراء و بقاء کے لیے سُودمند نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ یہ اَمر قطعی و بدیہی ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام اپنی شخصیت کے اعتبار سے الگ الگ اشخاص ہیں (ان کے اسی شخصی تغایر کے لحاظ سے ان کی ایک قطعی تعداد علمِ اِلٰہی میں معیّن ہے، جس میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی) اور نصِ قرآن اسی تغایرِ اَشخاص پر مبنی تعداد کو ختم کرنے کے لیے وارد ہوئی ہے، نہ کہ وساطت وعدمِ وساطت پر (مدار رکھنے کے لیے۔ لہٰذا یہ کہنا) کہ (خاتم النّبیین کے بعد بِلاواسطہ نبوّت کا دروازہ تو بند ہے، مگر بالواسطہ نبوّت کا دروازہ کھلا ہے) یہ قرآن کی تحریف اور اس کے مقصود کو باطل ٹھہرانا ہے، جس کا منشا محض شیطانی فریب اور خواہشِ نفس کی پیروی ہے۔ اس لیے کہ اگر بالفرض! نبوّت بالواسطہ بھی (کسی شخص کو حاصل) ہوتی، تب بھی تعدّدِ اَشخاص سے تو الگ نہیں ہوسکتی تھی، (بلکہ لامحالہ ایسے شخص کی نبوّت بھی

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)......

نیز اس میں مراحمِ ملکیہ (شاہانہ نوازشوں) کا مسئلہ ہے، اور یہ کہ یہ (اللہ کے رحم وکرم سے فیض یاب ہونے کی) آخری تدبیر ہے، اور ہر گنہگار پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، کیونکہ اس کی رحمت، اس کے غضب سے بڑھی ہوئی ہے۔ نیز اس میں انبیائے کرام علیہم السلام کے تمام مخلوق سے افضل ہونے کا مسئلہ ہے۔ نیز ایجاب واختیار کا مسئلہ بھی ہے۔ منہ

فہرستِ انبیاء علیہم السلام میں ایک نئے نبی کا اضافہ کرتی) حالانکہ قرآن نے اس قصے ہی کو ختم کردیا، اور تمام نبیوں کا ان کے اَشخاص کی مجموعی تعداد کے اعتبار سے اِحاطہ کیا ہے) نہ کہ نبوّت کی کسی خاص قسم کے اعتبار سے۔ (پس قرآن یہ نہیں بتاتا کہ نبوّت کی فلاں فلاں قسمیں ختم ہوچکی ہیں، اور فلاں قسم ابھی باقی ہے۔ نہیں! بلکہ وہ تو یہ اعلان کرتا ہے کہ ''نبیوں کی کُل تعداد، جو عند اللہ مقرّر تھی، وہ ایک ایک کرکے پُوری ہوچکی ہے۔'' لہٰذا نبوّت کی تقسیم کرنا اور بالواسطہ، بِلاواسطہ، مستقل غیرمستقل کی رَٹ لگانا قرآن کی نظر میں سراسر لغو و لایعنی ہے)۔

(۵۶) علاوہ ازیں اِتحادِ محبانہ، ولولۂ عاشقانہ، فنا و محویت اور اس طرح کی دیگر اِصطلاحات کا اِطلاق، بابِ عشق میں ہوتا آیا ہے، اور یہ کسی قدر وجہِ تسمیہ بھی پیدا کرسکی ہیں، لیکن سب کچھ (حقیقتِ واقعیہ پر محمول نہیں، بلکہ) اَحوال اور خیال آفرینی کے قبیل سے ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ''فقر خیال بندی کا نام ہے'' اور (اگر کسی اَز خود رفتہ عاشق نے ''مَن تُو شُدم، تُو مَن شُدی، مَن جان شُدم تُو تن شُدی۔ تا کس نگوید بعد اَزیں مَن دیگرم، تُو دیگری'' کا نعرہ لگایا تو اس کے یہ معنی نہیں کہ سچ مچ عاشق و معشوق کی ذات متحد ہوگئی اور اَب ان کی دونوں شخصیتوں کے الگ الگ اَحکام باقی نہیں رہے، بلکہ یہ تصوّرات کی دُنیا میں عاشق و معشوق کو) نقطۂ نظر میں ایک سمجھنے اور اس سلسلے میں تیزنگہی کا مظاہرہ کرنے کے باب سے ہے۔ یہ نہیں کہ (ان خیالی تصوّرات سے) حقائق بدل جائیں اور اَحکام میں تغیّر و تبدل ہوجائے (کہ -نعوذ باللہ- بندے پر خدا کے، یا خدا پر بندے کے اَحکام جاری ہونے لگیں، یا کوئی فنافی الرسول کا مدّعی واقعۃً ''محمد رسول اللہ'' بن بیٹھے)۔

(۵۷) اور عالمِ خیال اپنے دائرے میں ایک وسیع مملکت رکھتا ہے، اور یہ تمام کا تمام اَمثال و صوَر کے قبیل سے ہے، نہ کہ حقیقتِ واقعیہ کے باب سے۔ اور اس کے آثار و اَحکام اِس جہان میں مشاہد و معلوم نہیں ہیں، لہٰذا ان فدویانہ الفاظ اور اَز خود رفتہ

لوگوں کے اقوال کی بناء پر شریعتِ سماویہ اور قانونِ اِلٰہی کے اَحکام کو بدل ڈالنا اِلحاد وزَندقہ ہے!

ان اَحوال واَقوال کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جو کچھ کیا جا سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ ان کی اِصلاح وتاویل کی جائے، اوران کے قائلین کی گلوخلاصی کی صورت پیدا کی جائے۔ یہ نہیں کہ ان کے ذریعے دوسروں کی گردن ناپی جائے۔ اور جو کچھ کہ اس ملحد نے ''حقیقۃ الوحی'' صفحہ: ۶۴ میں کہا ہے۔مع ''قُلْ یٰعِبَادِیَ'' کی تفسیرِ باطل کے، یہ قرآن کا شیوہ نہیں ہے۔[۱]

اور فرق ظاہر-جس میں مرتبۂ نفس الامر بھی شامل ہے- اس کو لغو قرار دینے کا راستہ باطنیہ اور حلولیہ ہمیشہ سے ہموار کرتے آئے ہیں۔ اور قرآنِ کریم انہی تحریفات کی اصلاح کے لیے نازل ہوا ہے، جو مختلف ادیان میں (اس قسم کے لوگوں کی کج فہمی سے) پیدا ہوگئی تھیں۔ مثلاً یہود میں عقیدۂ رجعت، اور نصاریٰ وہنود میں عقیدۂ حلول۔ (اب انہی تحریفات کو قرآن میں ٹھونسنا بدترین ظلم واِلحاد ہے)۔

(۵۸) اور معلوم رہے کہ علمائے ظاہر، ظاہرِ شریعت سے باطن کی طرف جا کر، اور خود کو فرمانِ اِلٰہی ونبوی کی صورت میں مقید کر کے سلامتی میں رہے ہیں۔ خواہ حقیقت ومسمّٰی تک بِلاکم وکاست پہنچے ہوں، یا صرف اطاعتِ فرمان میں کوشاں رہے ہوں۔ جیسا کہ علمائے باطن، باطن سے ظاہر کی طرف آتے ہوئے پوشیدہ اَسرار ورُموز کے اظہار میں کبھی کبھی ٹھیک نشانے پر اپنا تیر نہیں لگا سکے، اور یہیں سے اختلاف رُونما ہوا۔

یہی سبب ہے کہ بسا اوقات انہوں نے ایسی چیزیں بیان فرمائیں جو دوسروں کے فہم تک نہ پہنچ سکیں، باوجودیکہ انہوں نے مبسوط اور ضخیم کتابیں لکھی تھیں۔ اور

---

(۱) اس مقام میں مرزا کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ فنا ومحویت کی حالت میں نبیوں پر بطورِ اِستعارہ ''خدا'' اور ''خدا کے بیٹے'' کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اسی بناء پر ''قُلْ یٰعِبَادِیَ'' میں لوگوں کو ''رسول اللہ ﷺ کے بندے'' کہا گیا ہے۔ مترجم۔

ایک صاحبِ فن عالم یہ سمجھتا ہوگا کہ اس قدر توضیح وتشریح کے بعد اب کونسی بات لوگوں کی اِستعداد سے بالاتَر رہی ہوگی، مگر واقعہ یہ نہیں، بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں اُمور اَب بھی فہم سے بالاتَر رہ گئے ہیں۔ اور خود صوفیائے کرام نے وصیت فرمائی ہے کہ اجنبی لوگ، جو ہمارے ''حال کا ذوق'' نہیں رکھتے، وہ ہماری کتابوں کا مطالعہ نہ کریں۔(۱) خود انہی کی وصیت کے بعد اور کیا چاہتے ہو؟ اِبنِ خلدون نے مقدمہ میں اس سلسلے میں کچھ لکھا ہے۔(۲)

(۵۹) اور معلوم رہے کہ ایمان اور کُفر کے مابین حدِّ فاصل صرف ایک حرف ہے، اور وہ ہے انبیائے کرام علیہم السلام پر اِیمان لانا اور ان کی تعلیم وہدایات پر اِنحصار کرنا۔ یہی چیز ہے جو اِیمان و کُفر کے درمیان امتیاز کی لکیر کھینچتی ہے، ورنہ تمام قومیں اِثباتِ باری تعالیٰ کے مسئلے میں بعض بعض چیزوں کا اعتقاد رکھتی ہیں، لیکن حق تعالیٰ کے وجود کو تسلیم کر لینے کے بعد وہ اس کی جانب سے آمدہ تعلیم وہدایات پر اِنحصار نہیں کرتیں، بلکہ حقوقِ عبدیت کی ادائیگی میں اپنی خواہشات کی پیروی کرتی ہیں۔ بخلاف اَدیانِ سماویہ کے (کہ ان کا تمام تر اِنحصار ہدایاتِ ربّانی پر ہے۔ جن کی تعلیم انبیاء علیہم السلام کے ذریعے دی گئی ہے) اور یہ جو بعض ملاحدہ کا خیال ہے کہ: ''انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیم اگر صحیح بھی ہو تب بھی ان کی ذات پر اِیمان لانے کو کیوں جزوِ اِیمان قرار دیا جائے؟'' یہ خیال مسخِ فطرت کی علامت ہے، کیونکہ جب ہم نے خدا تعالیٰ کی جانب سے نازل شُدہ ہدایات پر اِنحصار کیا تو لامحالہ خدا اور بندوں کے درمیان پیغامبروں کی ضرورت لاحق ہوئی، اور ہدایات کا توقف ان کی ذات پر ٹھہرا۔

(۶۰) نیز یہ بھی معلوم رہے کہ حضراتِ انبیاء اور حنفاء کی عبادت محض عبدیت ہے، کہ

---

(۱) علّامہ شعرانی رحمہ اللہ نے اس پر بہت اچھی بحث کی ہے، دیکھئے: ''الیواقیت'' ج:۱ ص:۱۷، مترجم۔

(۲) مقدّمہ اِبنِ خلدون ص:۴۶۷، باب:۶، فصل:۱۱

وہ (ہمیشہ) تفویض و تسلیم اور ربّ العالمین پر توکّل کے راستے (پر گامزن رہتے ہیں، اس) کے علاوہ اپنی جانب سے ایک حرف بھی درمیان میں نہیں لاتے، نہ (اَحکامِ خداوندی میں) اپنی عقل کا کوئی دخل دیتے ہیں۔ اس لیے کہ عبدِ مطلق اپنی ناچیزی و بے مائیگی اور تمام معاملات و اختیارات کو آقا کے سپرد کرنے کے سوا اور کوئی مطمحِ نظر نہیں رکھتا۔ بخلاف صائبین کے، جن میں بُت پرست بھی شامل ہیں، کہ وہ عبادت کا طریقہ اپنی عقل سے تجویز کرتے ہیں اور اَعمالِ سفلیہ کے ذریعے علویات کی تسخیر سے رُسومِ عبادت بجا لاتے ہیں۔ مثلاً ہیکل اور مُورتیاں بنانا اور منتر جنتر پڑھنا وغیرہ۔ گویا ان کی عبادت کا حاصل ایک قسم کا جادو اور عملِ تسخیر ہے۔ یہ فرق ہے انبیاء اور غیرِ اَنبیاء کے دِین میں۔

(۶۱) اس عالم میں عقلاء و علماء اور عارفین کے کسی گروہ کے درمیان اختلافِ رائے کبھی ختم نہیں ہوا، سوائے انبیاء علیہم السلام کے، کہ ان حضرات میں سے کسی ایک نے بھی نہ کبھی دوسرے نبی کی ہجو کی، نہ اس کی کسی بات پر رَدّ کیا۔ پس سلامتی اس میں ہے کہ ان کے اَحکام کی باطنی حکمت کا مطالبہ نہ کیا جائے، بلکہ بغیر چُون و چرا اور بحث و مباحثہ کے ان کی اطاعت کی جائے۔

عالمِ تشریع، جو عالمِ تکوین کی سطح ہے، اس میں سبب اور مسبّب کا باہمی ربط بسا اوقات (اتنا دقیق ہوتا ہے کہ اَربابِ نظر کو بھی) نظر نہیں آتا۔ اِطاعت شعار عاقل و بالغ کے لیے زیبا نہیں کہ اس سطح کو توڑ کر باطنی ربط و تعلق کے مطالبے میں اُلجھے، اور باطنی حکمت اور اندرونی حقیقت کے کھل جانے تک قانونِ الٰہی کی تعمیل کو معطل رکھے، شیطان کی ضد اور ہٹ دھرمی درحقیقت یہی تھی (کہ جب تک سجدۂ آدم کی حکمت نہ بتائی جائے اس وقت تک فقیر تعمیلِ حکم سے قاصر ہے) بخلاف سنّتِ انبیاء (علیہم السلام) کے (کہ ان کا ذوق اَحکامِ اِلٰہیہ کے بارے میں یہ ہے:

زباں تازہ کردن باقرارِ تو
نینگیختن علّت از کارِ تو)

(۶۲) چونکہ حضراتِ صوفیاء کے محاورات واِصطلاحات کا سلسلہ ایک علیحدہ اور مستقل سلسلہ ہے (اس لیے فنِ تصوّف کی اِصطلاحات کو اگر فقہ وعقائد اور دیگر علومِ مظاہری سے گڈمڈ کر دیا جائے تو اس سے اِلحادوزَندقہ کے سوا اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ چنانچہ) یہ ملحد (بھی یہی کرتا ہے کہ) فنِ تصوّف کے بعض اَجزا کا سرقہ کرکے انہیں علومِ ظاہری کے بعض اَجزا سے جوڑ دیتا ہے، اور اس قطع وبرید سے اِلحاد کا نتیجہ نکال لیتا ہے جو کہ اِیمان کا کام اور مؤمن کا شیوہ نہیں ہے۔

سادہ لوح، سادہ منش یا محروم القسمت لوگ اس کے اس دعوے کو دیکھ کر کہ ''میں نے آنحضرت ﷺ کی پیروی سے مرتبۂ نبوّت پایا ہے'' نقدِ ایمان اس کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ شخص سچ مچ آنحضرت ﷺ کے فدا کاروں میں سے ہوگا، لیکن وہ نہیں جانتے کہ اس نے آیتِ (ختمِ نبوّت) کی تاویل وتحریف یہی تو کی ہے (کہ جو شخص فنافی الرسول ہو، اسی کو نبوّت ملتی ہے) اور اسی زَندقہ کے ذریعے اس نے نبوّت کا دروازہ کھولا ہے، اس لیے اس کو (اپنی مطلب برآری کے لیے) اس دعویٰ (فنائیت) کے اِصرار وتکرار کے بغیر چارہ نہیں۔ اور (یہ صرف اسی دجال پر منحصر نہیں، بلکہ) سب دجالوں نے یہی کیا ہے (کہ محویت وفنائیت ایسے بلند بانگ دعووں سے مخلوقِ خدا کی آنکھوں میں خاک ڈالی) یہاں تک کہ دجالِ اکبر بھی شروع شروع میں اپنی نیکی وپارسائی کا مظاہرہ کرے گا، جیسا کہ ''فتح الباری'' میں روایت نقل کی ہے۔ (باب ذکر الدجال، ج:۱۳ ص:۷۹) بعد اَزاں تدریجاً دعویٔ خدائی تک پہنچے گا۔ ورنہ اگر وہ ابتدا میں پارسائی وپرہیزگاری کی نمائش نہ کرتا تو اس کی دعوت کو فروغ اور مقبولیت حاصل نہ ہوسکتی۔ اسی طرح یہ دجالِ (قادیان) بھی دعویٰ اِتباع (محض اپنی مطلب براری کے لیے کرتا ہے، جس) میں وہ متفرّد نہیں ہے۔

(۶۳) اور (مرزا قادیانی ایک طرف تو بڑی شدّ ومدّ سے کہتا ہے کہ حصولِ نبوّت کے لیے "سیرتِ صدیقی کی کھڑکی" کھلی ہے، اور اِتباعِ نبوی کی وساطت سے اس اُمّت میں بھی نبوّت کا سلسلہ جاری ہے۔ لیکن) اسی کے ساتھ اِجرائے نبوّت سے جو اَصل غرض تھی، (یعنی اپنے تئیں نبی بلکہ "آخری نبی"، ثابت کرنا) اس کو بھی اپنے ہمراہ رکھا کہ (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر آج تک) نہ اگلوں میں سے کوئی شخص اس مرتبۂ (نبوّت) تک پہنچا، نہ بعد میں آنے والوں میں سے (کسی کو یہ مرتبہ نصیب ہوگا)۔ کسی بندۂ خدا کو یہ ہدایت نہ ہوئی کہ (اس "نئے نبی" پر اِیمان لانے سے پہلے اس سے کم از کم اتنا ہی پوچھ لیتا کہ حضرت!) جب نبوّت کا دروازہ کھلا ہے تو پھر (آپ کے سوا کسی دوسرے کے لیے یہ شجرۂ ممنوعہ کیوں ہے؟ آخر دوسروں کے حق میں) یہ رُکاوٹ کہاں سے نکل آئی؟ گویا (مرزا نے) سارے اُصول، دوسروں پر نبوّت کا دروازہ بند کرنے اور اپنے لیے کھولنے کے واسطے وضع کیے ہیں۔ دوسروں پر نبوّت کے بند ہونے کے ثبوت میں ختمِ نبوّت کو پیش کرتا ہے، اور اپنے لیے نبوّت کا دروازہ کھول لیتا ہے، (دیکھئے: رسالہ "ترکِ مرزائیت" ص:۳۹،۳۶۔ نیز "مصباح العلیّہ" ص:۱۹)۔

(۶۴) مرزا کہتا ہے کہ "پہلے انبیاء جو بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دِین کی تائید کے لیے آئے، ان کی نبوّت اِتباع کا ثمرہ نہ تھی، بخلاف اس اُمّت کے۔"(۱) اس سلسلے میں وہ اگر کچھ کہہ سکتا ہے تو یہی کہہ سکتا ہے کہ انبیائے بنی اسرائیل کی نبوّت

---

(۱) اس سلسلے میں رسالہ "مراق مرزا" (ص:۱۱) سے مرزا کا تناقض بھی ملاحظہ فرمائیے، حاشیہ "حقیقۃ الوحی" (ص:۹۷) میں کہتا ہے:

"اور بنی اسرائیل میں اگرچہ بہت نبی آئے، مگر ان کی نبوّت موسیٰ کی پیروی کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ وہ نبوتیں براہِ راست خدا کی جانب سے ایک موہبت تھیں، موسیٰ کی پیروی کا اس میں ایک ذرّہ کچھ دخل نہ تھا۔"

اس کے برعکس اخبار "الحکم" مؤرخہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۲ء، ص:۵ کالم:۲ میں کہتا ہے کہ:

"حضرت موسیٰ کی اتباع سے ان کی اُمّت میں ہزاروں نبی ہوئے۔"

........(باقی اگلے صفحے پر)

میں موسیٰ علیہ السلام کی ذات کا دخل نہیں تھا۔ لیکن یہ بات اس کے کلام سے غیر شعوری طور پر اس دِین میں بھی لازم آتی ہے، کیونکہ وہ کہتا ہے کہ ''وہ دِین لعنتی دِین ہے جس میں نبوّت کا سلسلہ جاری نہ ہو'' (حقیقۃ النبوۃ، ص:۲۷۲، ضمیمہ نمبر:۳) پس اس نے اِجرائے نبوّت کو دِین کا خاصۂ لازمہ قرار دیا، ذاتِ نبوی درمیان سے نکل گئی۔ (دیکھئے: ''عشرہ کاملہ'' ص:۵۷، ''اشدّ العذاب'' ص:۳۲، ''ضرورۃ الامام'' ص:۲۰۔ اور رسالہ ''ترکِ مرزائیت'' ص:۴۷/۴۰) میں اس سے بھی واضح تر عبارت ہے۔

(۶۵) یہاں مرزا نے ''فنافی الرسول'' کی شرط کو بھی ملحوظ نہیں رکھا، جیسا کہ (''اَشدّ العذاب'' کے) صفحہ:۳۴ میں اس کا دعویٰ نقل کیا ہے۔ اور نہ ختمِ نبوّت کی اس کے سوا کوئی تاویل وتحریف کہ وہ شریعتِ جدیدہ نہیں رکھتا، اور اسی طرح (''اَشدّ العذاب'' کے) ص:۳۹ میں صرف یہ تاویل کی ہے کہ (اس کی شریعت) شریعتِ جدیدہ نہیں۔

پس آیتِ ختمِ نبوّت کی تحریف، ان عبارتوں میں، جو کہ آخری دور کی عبارتیں ہیں، دوسری تحریف کی جانب منتقل ہوگئی، اور ''فنافی الرسول'' کی شرط بھی ضروری نہ رہی۔ پس جب تک کہ اِجرائے نبوّت کے لئے ''فنافی الرسول'' کی شرط تھی، تب تک تو شریعت بھی تجویز ہوسکتی تھی، گو شریعتِ جدیدہ نہ سہی، اور جب شریعتِ جدیدہ نہ ہونے کی شرط مطمحِ نظر ٹھہری تو شرطِ اوّل درمیان سے جاتی رہی اور اس کی ضرورت نہ رہی۔ اسی طرح ان خیالی ''اِلہامات'' میں بھی، جن کو وہ اِدھر اُدھر سے لے کر جوڑتا اور ان کا نام

.........(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

اور مثل مشہور ''دروغ گورا حافظہ نباشد'' کے مطابق اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ دِینِ موسوی میں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اِتباع سے ہزاروں نبی ہوئے اور دِینِ متین (محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) میں صرف یہی ایک شقی ہوا؟ اور اگر کوئی شخص یہ نکتہ ایجاد کرے کہ ''دورِ سابق میں اِتباع شرط نہیں تھی اور اَب شرط ہے!'' تو یہ بھی باطل ہے، کیونکہ ہر نبی قبل اَز نبوّت کسی دِینِ حق پر ضرور عمل پیرا تھا، اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نبوّت سے قبل اِلہام سے عبادت کرتے تھے۔ منہ

''وحی'' رکھ لیتا ہے۔ جیسا کہ ''حقیقۃ الوحی'' صفحہ:۱۰۱ وغیرہ میں ہے۔''نبی'' و''رسول'' کا لقب اپنے لیے بغیر کسی قید کے گاتا ہے، اور اس کے ناخلف (مرزا محمود) نے تصریح کی ہے کہ اس کے باوا کی ''وحی'' میں نبوّت کے ساتھ ظلّی، بروزی اور انعکاسی وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے، یہ تمام الفاظ اس کے باپ نے محض تواضع کے طور پر لکھے ہیں۔ (۱)

(۶۶) اور آیتِ ختمِ نبوّت کی تیسری تحریف قادیانی نے ''حقیقۃ الوحی'' (ص:۹۷،۲۸) میں ایجاد کی ہے کہ خاتمِ نبوّت، نبوّت کو بند کرنے کے لیے نہیں، بلکہ اسے جاری کرنے کے لیے ہے۔ (چنانچہ صفحہ:۲۸ پر لکھتا ہے: ''اور بجز اس کے کوئی نبی صاحبِ خاتم نہیں، ایک وہی ہے جس کی مُہر سے ایسی نبوّت بھی حاصل ہوسکتی ہے۔''

اور صفحہ:۹۷ پر لکھتا ہے:

''اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت ﷺ کو صاحبِ خاتم بنایا۔ یعنی آپ کو افاضۂ کمال کے لیے مُہر دِی، جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی، اسی وجہ سے آپ کا نام ''خاتم النّبیین'' ٹھہرا، یعنی آپ کی پیروی کمالاتِ نبوّت بخشتی ہے، اور آپ کی توجّہ رُوحانی ''نبی تراش'' ہے، اور یہ قوّتِ قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔'')

حالانکہ محاوراتِ لغت میں لفظ ''خاتم'' خواہ ''تا'' کے کسرہ کے ساتھ ہو، جس کے معنی ''ختم کنندہ'' کے ہیں، یا ''تا'' کے فتحہ کے ساتھ ہو، جس کے معنی ہیں: ''وہ چیز جس سے کسی چیز کو ختم کیا جائے۔'' بہر دو صورت ''خاتم القوم'' کی ترکیب میں (یعنی جبکہ یہ لفظ کسی جماعت کی طرف مضاف ہو) ''آخری فرد'' کے سوا کسی اور معنی کے لیے نہیں آتا، اور علمائے لغت نے تصریح کر دی ہے کہ جب یہ لفظ کسی قوم کی جانب مضاف ہو تو

---

(۱) ''اشد العذاب'' ص:۴،۷ بحوالہ اخبار ''الحکم'' ۲۱/اپریل ۱۹۱۴ء ہینڈ بل نمبر ۳۔ منہ

خواہ فتحہ کے ساتھ ہو یا کسرہ کے ساتھ، اس وقت اس کے ایک ہی معنی ہوتے ہیں، یعنی ’’اس قوم کا آخری فرد!‘‘

اور اصلِ لغت یہ ہے کہ ’’خاتِم‘‘ بالکسر کے معنی ہیں: ’’انجام و اِختتام تک پہنچانے والا‘‘ کیونکہ اِسم فاعل صیغۂ صفت ہے، اور ’’خاتَم‘‘ بالفتح کے معنی ہیں: ’’وہ شخص یا چیز جس کے ذریعے کسی شے کو انجام و اِختتام تک پہنچایا جائے‘‘ کیونکہ یہ اسم ہے نہ کہ صفت، جیسا کہ علمائے صَرف پر مخفی نہیں (آیت میں فتحہ اور کسرہ کی دونوں قراءتیں متواتر ہیں، ’’خاتِم‘‘ بھی، اور ’’خاتَم‘‘ بھی)۔ اور حاصل دونوں قرأتوں کا ایک ہی ہے یعنی ’’آخری نبی‘‘ یا ’’انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت کا آخری فرد‘‘ اور بس! اس کے علاوہ باقی سب تعبیرات فروعی ہیں۔ پس اصل معنیٰ کا ترک کردینا نارَوا ہے، اور فروعی تعبیرات کی نہ کوئی اہمیت ہے، نہ ان کا کوئی ضرر ہے۔ اِلاّ یہ کہ حق تعالیٰ نے (مرزا قادیانی کی طرح) کسی شخص کو ہدایت سے محروم و بےتوفیق کردیا ہو۔ اور (یہ جو ہم نے کہا کہ دونوں قراءتوں کا ایک ہی حاصل ہے) یہی مطلب ہے اس قول کا جو بعض مفسرین نے اِمامِ لغت ابوعبیدہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ ’’خاتم بالکسر اصل ہے۔‘‘ یعنی اس مقام میں مرجعِ مُراد، اور مَلکِ علّام کے کلام کا حقیقی مقصد و مدّعا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نبیوں کے ختم کنندہ ہیں۔ اور ابوعبیدہ کا یہ قول ’’کیونکہ آیت کی تاویل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو ختم کردیا، لہٰذا آپ ﷺ ان کے خاتم ہیں۔‘‘ (یہاں تاویل کے لفظ سے کسی کو غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ) تاویل کے معنی اہلِ لغت کی اِصطلاح میں ’’ظاہر سے ہٹانے‘‘ کے نہیں، بلکہ تخریجِ وجہ اور مآلِ مُراد کے بیان کرنے کے ہیں۔ فی الجملہ ابوعبیدہ رحمہ اللہ کی مُراد یہ ہے کہ دونوں قراءتیں اِشتقاق اور مدلول کے لحاظ سے مشترک ہیں۔

’’معالم التنزیل‘‘ میں آیت خاتم النّبیین کی تفسیر میں لکھا ہے:

’’اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعے نبوّت کو ختم کردیا، اِمام عاصم کی

قراءت میں خاتم بفتحِ ''تا'' بطور اِسم ہے، یعنی ''آخری نبی'' اور دوسروں کی قراءت میں خاتِم بکسرِ ''تا''، صیغۂ اِسمِ فاعل ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے نبیوں (کی تعداد) کو ختم کردیا، لہٰذا آپ ان کے ختم کنندہ ہیں۔

اِبنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کی مُراد یہ ہے کہ اگر مجھے آپ ﷺ کے ساتھ نبیوں (کے سلسلے) کو ختم نہ کردینا ہوتا تو میں آپ ﷺ کو ایسا بیٹا عطا کرتا جو آپ کے بعد نبی ہوتا۔''

یہی مضمون عامۂ تفاسیر میں ذِکر کیا گیا ہے، حتّٰی کہ ''جلالین'' جیسی مختصر تفاسیر میں بھی۔

(۶۷) اور چونکہ آیت میں لفظ ''خاتَم'' (بفتحِ ''تا'') بمعنی: ''مایختم به الشيء'' ہے (یعنی جس کے ذریعے کسی چیز کو ختم کیا جائے) اس لیے اگر کسی نے ''خاتَم'' کے معنی ''مُہر'' کے لیے تو چنداں خلافِ تحقیق نہیں گیا (کیونکہ مُہر لگا کر بھی کسی چیز کو ختم کیا جاتا ہے) پھر قرآنِ کریم کی عبارت میں یہ تو نہیں کہ آپ ﷺ مُہرِ نبوّت ہیں، (بلکہ یہ ہے کہ آپ ﷺ ''نبیوں پر مُہر'' ہیں)۔ اور یہ بھی نہیں کہ آپ ﷺ صاحبِ مُہر ہیں، جو کہ مُہر لگانے والا ہوتا ہے، بلکہ (آیت میں تو یہ ہے کہ) آپ کی ذاتِ گرامی خود مُہر ہے جو دوسروں پر - اور وہ انبیائے سابقین ہیں - لگادی گئی۔ (پس صاحبِ مُہر آپ ﷺ نہ ہوئے، بلکہ اللہ تعالیٰ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعے سلسلۂ انبیاء پر مُہر لگا کر اسے ختم کردیا)۔ بہرحال اس کے اصل معنی ہیں: ''انجام تک پہنچادینا'' اور ان کے تمام فروعی معنیٰ اس حقیقت سے معرّا نہیں۔

(۶۸) مرزا ''کراماتُ الصادقین'' ص:۱۹ میں لکھتا ہے:

''پس یہ خیال کہ گویا جو کچھ آنحضرت ﷺ نے قرآن کے بارے میں فرمایا ہے اس سے بڑھ کر ممکن نہیں، بدیہی البطلان ہے۔''

(حالاتِ قادیانی، ص:۲۳)

(گویا قرآن کے علوم ومعارف، آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر مرزا قادیانی نے بیان کیے ہیں، ''نعوذ باللہ من الحمق والغوایۃ!''

(۶۹) اور جب کہ مرزا نے شریعت(۱) اور تجدیدِ اَحکام کا دعویٰ بھی کیا ہے، جس کی نوعیت مجدّدینِ اُمّت کی تجدید جیسی نہیں، تو ساری تاویلات ہاتھ سے نکل گئیں، اور فراغِ کلّی حاصل ہوگیا۔ دیکھئے: ''اشدّ العذاب'' ص:۳۸، (''اربعین'' نمبر:۴، ص:۶، ۷، متن وحاشیہ) اور ''انعکاس'' جو مرزا کی چوتھی تحریف ہے، ''اشدّ العذاب'' ص:۱۴ اِشتہار، ''ایک غلطی کا اِزالہ''، ''مصباح العلیہ'' اور اوائل حواشی ''نزول المسیح'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(۷۰) اور جس حالت میں کہ اس نے حقیقی شریعت کا دعویٰ کیا ہے، خواہ نئی شریعت نہ سہی، پھر یہ بھی کہتا ہے کہ قرآن کی تفسیر اور قبولِ حدیث کا مدار اس کی وحی پر ہے، نہ کہ اس تواتر پر جو صدرِ اَوّل سے آج تک چلا آتا ہے۔ اور یہ کہ آنحضرت ﷺ پر اِبنِ مریم، دجال، یاجوج وماجوج اور دیگر بعض اُمور کی حقیقتِ واقعیہ کما ہی منکشف نہیں ہوسکی (''اِزالہ اوہام'' ص:۲۸۲، طبع پنجم) جیسا کہ اس شقی پر منکشف ہوئی ہے۔ ان تمام حالات میں اس کی تجدید دیگر مجدّدینِ دِین کی مثل نہ رہی۔ اور اسے تمام قیود سے سبکدوشی اور فراغِ کلّی حاصل ہوگیا۔ یہ وہی مثل ہوئی کہ ''میں کھاتا ہوں، تم لقمے گنو!'' اگرچہ اس نے ''شریعتِ جدیدہ'' کا دعویٰ لفظی طور پر نہیں کیا، لیکن اس کا مصداق وصول کرلیا۔

''چھپ کر پیو شراب کہ قاضی کا خوف ہے!''

(۷۱) نیز معلوم رہے کہ اس نے شریعت کا دعویٰ اُن علماء رحمۃ اللہ علیہم کے مقابلے میں کیا ہے جو آئندہ کسی شریعت کی آمد کو ناممکن فرماتے تھے، اور ان کی گفتگو شریعتِ جدیدہ ہی میں

---

(۱) ''توضیح مرام'' ص:۹، ۱۰ میں مرزا لکھتا ہے کہ نبوّتِ تامہ اس کے نزدیک وہ ہے جس میں شریعت ہو۔ منہ

تھی۔ اس لیے کہ شریعتِ سابقہ جو پہلے سے موجود ہے، اسی کا مکرّر آ جانا، یا وحیٔ سابق کے الفاظ کاٹ چھانٹ کر نئی وحی بنالینا، جیسا کہ یہ ملحد کرتا ہے، ایک بے مقصد بات ہے، جو کوئی نتیجہ نہیں رکھتی! پس ان حضرات کے مقابلے میں اس کا دعویٔ شریعت کرنا، شریعتِ جدیدہ کے دعوے کو مستلزم ہے۔ (علماء فرماتے تھے کہ نئی شریعت نازل نہیں ہوسکتی۔ مرزا نے کہا: ''مجھ پر نازل ہوئی ہے!'' بتایئے! یہ شریعتِ جدیدہ کا دعویٰ ہوا یا نہیں؟) علاوہ ازیں یہ ملحد کہتا ہے کہ جہاد میرے آنے سے منسوخ ہوگیا، اور آئندہ حج قادیان کی طرف ہوا کرے گا۔ اور جو شخص قادیان کا چندہ ادا نہ کرے وہ اس کی بیعت سے خارج ہے، جو اس کے نزدیک خروج عن الاسلام کے مترادف ہے، پس زکوٰۃ سب چندۂ قادیان میں منحصر ہوگئی۔ دیکھئے: ''کادیہ'' ص:۷۹ (بتایئے نئی شریعت اور کس کو کہتے ہیں؟)۔

(۷۲) اور یہ بھی معلوم رہے کہ مجدّدِین کی تجدید کی مثال ایسی ہے جس طرح کہ کلمۂ طیبہ لا اِلٰہ اِلاّ اللہ سے ایمان کی تجدید کی جاتی ہے۔ یعنی دِین کی مٹی ہوئی باتوں کو اَزسرِ نو تازہ کردینا۔ یہ نہیں کہ وہ دِینِ متین میں کوئی اضافہ کرتے ہوں۔ (اس کے برعکس مرزا نے ارکانِ ایمان میں اپنی نبوّت و مسیحیت اور وحیٔ قطعی پر اِیمان لانے کا اضافہ کردیا، اور دِین کے بیسیوں اعمال و عقائد میں ترمیم و تنسیخ کرڈالی۔ ظاہر ہے کہ اس کو ''تجدید'' نہیں کہہ سکتے، بلکہ یہ تو نئی شریعت اور نیا دِین ہوا)۔

(۷۳) اور یہ بھی معلوم رہے کہ شریعت کا جدید ہونا یا نہ ہونا یہ دو قسمیں تو قابلِ فہم تھیں، لیکن اس ملحد نے ایک تیسری قسم ایجاد کی ہے کہ وہ صاحبِ شریعت ہے، لیکن وہ شریعت بطور تجدید ہے، نہ کہ جدید۔ (شریعت کی ایک نئی قسم شریعتِ تجدید ایجاد کرکے) اور اس کا نام بھی ''شریعت'' رکھ کر اس نے صاحبِ شریعت ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور اس نئی قسم کی شریعت کا فتویٰ یہ ہے کہ جب تک کہ اس ملحد کی اتباع کا واسطہ نہ ہو (دِینِ اسلام کی

پیروی) موجبِ نجات نہیں ہے، بلکہ آدمی کافر رہتا ہے۔ پس (جبکہ اس نئی قسم کی شریعت کا حکم بھی وہی ہے جو شریعتِ جدیدکا ہے تو) شریعتِ تجدید اور شریعتِ جدید کا فرق یکسر درہم برہم ہوگیا۔ اور (مرزا کا یہ کہنا کہ: ''میں نے شریعت کے ایک شوشے کو بھی منسوخ نہیں کیا'' یہ) منسوخ کرنے یا نہ کرنے کی بات سب بے معنٰی ہوئی (کیونکہ جب مرزا کی ''شریعتِ تجدید'' نے یہ اُصول طے کردیا کہ ''شریعتِ محمدیہ'' کی اتباع موجبِ نجات نہیں، بلکہ مرزا کی ''شریعتِ تجدید'' کی اتباع میں نجات منحصر ہے اور اس کا منکر کافر ہے، تو ''شریعتِ محمدیہ'' کالعدم اور معطل ٹھہری، اس کے باوجود مرزا کا یہ کہنا کہ ''میں نے شریعتِ محمدیہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی، اور نہ اس کے کسی حکم کو منسوخ کیا۔'' محض ابلہ فریبی نہیں تو اور کیا ہے؟)۔

اور جس طرح کہ وہ عموماً اپنے کلام کے نتیجہ و مآل کو نہیں سمجھتا بلکہ اندھوں کی طرح چلتا ہے، اسی طرح اس نے یہاں بھی ایک حرف تک نہیں سمجھا، (بس یونہی اندھا دھند ''شریعت بطور تجدید'' کا دعویٰ ہانک دیا) اور تقدیرِ مبرم نافذ ہے کہ فہم اس سے سلب ہوچکا ہے اور اس کی تعلیم میں کوئی چیز ایسی نہیں پائی جاتی جس میں خبط و خلط اور تناقض و تہافت نہ ہو، جو کہ کسی صحیح الدماغ سے وقوع پذیر نہیں ہوسکتا، پس اس کے اِلہام ودعاوی سے ہی نہیں، بلکہ اس کی لیاقت و قابلیت سے بھی ہاتھ دھو لیجئے، واللہ الہادی!

(۷۴) اور ''حقیقۃ الوحی'' ص:۶۷ میں دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے یہ ساری نعمت شکمِ مادر ہی میں وصول کرلی تھی۔ گویا اِتباع وغیرہ محض کہنے کی بات ہے، نہ کرنے کی۔ اور ''تتمۂ حقیقۃ الوحی'' ص:۶۸ اور ''تریاق القلوب'' ص:۳۷۹، مطبوعہ ۱۹۲۲ء میں اور ہی نغمہ الاپتا ہے۔

(۷۵) پس آیت: ''مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ'' ختمِ انبیاء اور ختمِ نبوّت کے اعلان کے لیے نازل ہوئی ہے، اور اس اَمر

کا اعلان کرتی ہے کہ اب آپ ﷺ کے بعد کسی اور نبی کا انتظار نہیں ہے، جیسا کہ قبل ازیں انبیائے سابقین میں سے ہر پہلا نبی اپنے بعد آنے والے نبی کی خبر دیتا رہا ہے، (اب بجائے اس کے ختمِ نبوّت کا اعلان کرکے بتادیا گیا کہ آئندہ کسی نئے نبی کی آمد منتظر نہیں ہے) یعنی محمد ﷺ تم میں سے کسی کے ساتھ اُبوّت کا تعلق نہیں رکھتے، بلکہ اس کے بجائے رِسالت وختمِ نبوّت کا علاقہ رکھتے ہیں، کہ یہ تعلق دائمی ہے۔ اور یہ کلام بذاتِ خود مربوط ہے، اس کا ربط اُبوّتِ معنویہ کے اثبات پر موقوف نہیں، جیسا کہ قراءتِ شاذّہ میں ''وھواب لھم'' آیا ہے، کیونکہ کسی شاذّ پر مدار نہیں رکھنا چاہیے۔ اور شاید مَردوں کی تخصیص اس اَمر کے پیشِ نظر ہے کہ بچّوں اور عورتوں میں نبوّت نہیں۔ اس لیے صرف مَردوں ہی کا ذِکر کرنے کی حاجت تھی۔ اور ''أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ'' میں تنکیر سے مدّعا یہ ہے کہ اپنی جانب سے گھر بیٹھے حصے مت لگاوٴ کہ آپ ﷺ فلاں کے باپ ہیں یا فلاں کے، نہیں! آپ ﷺ تم میں سے کسی ایک کے بھی باپ نہیں ہیں، اس لیے ان خیالات کو یکسر چھوڑ دو، اور فلاں فلاں کے نام مت لو۔

(۷۶) اور انبیاء علیہم السلام میں آنحضرت ﷺ کا خاتم ہونا، آپ ﷺ کے مخصوص فضائل وکمالات میں سے خود آپ ﷺ کا اپنا ذاتی کمال ہے کہ (اس کا حصول) اُمّت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا (جبکہ مرزائی عقیدے کے مطابق آپ ﷺ کا خاتم ہونا مرزا کے ''اُمتی نبی'' ہونے پر موقوف ہے، ورنہ آپ کی خاتمیت -نعوذ باللہ- باطل ہوجائے گی۔ اور اُمّت کا آپ ﷺ سے صرف اتنا تعلق بھی کافی نہیں کہ آپ ﷺ کے کمالِ خاتمیت کا اعتقاد رکھا جائے، بلکہ آپ ﷺ کی خاتمیت اُمّت سے عملی تعلق کا تقاضا کرتی ہے، اور وہ ہے تاقیامت آپ ﷺ کی رِسالت ونبوّت سے وابستگی) کیونکہ آیت کی غرض یہ ہے کہ اُمّت سے آپ ﷺ کا رِشتہٴ اُبوّت ٹوٹ چکا ہے اور اس کے بجائے رِسالت ونبوّت کا رِشتہ ہمیشہ کے لیے پیوستہ ہوچکا ہے، پس جیسا کہ اُمّت سے آپ ﷺ کی

فہرست

نبوّت کلّی طور پر منقطع ہے، اسی طرح آپ ﷺ کے بعد نبوّت کا وجود بھی کلّی طور پر منقطع ہونا چاہیے۔ آپ ﷺ کی اکملیت کا اعتقاد تو ایک اَمرِ ذہنی ہے جو آئندہ نئی نبوّتِ تشریعیہ کے بھی منافی نہیں (پس آپ ﷺ کی خاتمیت کا اعتقاد کافی نہ ہوا) بلکہ معتد بہ تعلق، عملی تعلق ہے، بلکہ یہ اعتقاد تو اس اَمر کے بھی منافی نہیں کہ اعتقاد کنندہ (آپ ﷺ کی اُمّت میں بھی داخل نہ ہو، بلکہ اس) کا شمار کسی اور نبی کی اُمّت میں ہو، جیسا کہ اُممِ سابقہ بھی حضرت خاتم الانبیاء ﷺ، کی اکملیت کا اعتقاد رکھ سکتی تھیں۔ [1]

(۷۷) اور اِرشادِ خداوندی: "وَإِذْ أَخَذَ ٱللَّهُ مِيثَٰقَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ" (آل عمران:۸۱) (میں جس اَخذِ میثاق کا ذِکر ہے، اس کی تفسیر میں دو اِحتمال ہیں:) ۱- یا تو اس سے رسولوں کے حق میں انبیائے کرام علیہم السلام سے اِطاعت وفرمانبرداری کا عہد لینا مُراد ہے کہ یہ اَمر بہت ہی اہم اور مہتم بالشان ہے۔ اور ۲- یا (اس سے مُراد) انبیائے بنی اسرائیل سے بنو اِسماعیل کے خاتم النّبیین ﷺ کے حق میں عہد لینا اور انہیں اس اَمر سے آگاہ کرنا ہے کہ نبوّت بنو اِسرائیل سے بنو اِسماعیل کی جانب منتقل ہوجائے گی، کہ یہ اَمر بھی نہایت اہم ہے، یہ اَخذِ عہد اس واقعے کے مشابہ ہے کہ فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کی پیشگی اطلاع دے کر انہیں اطاعت کا حکم دیا گیا۔ لیکن (ان دونوں احتمالوں میں سے مؤخرالذکر تفسیر زیادہ راجح ہے، کیونکہ) لفظ "النّبیین" کو جمع اور لفظ "رسول" کو مفرد لانا، نہ کہ بلفظِ جمع "رُسل" معرفہ یا نکرۂ موصوفہ۔ اور "ثُمَّ جَآءَكُمْ" میں اس رسول کی آمد کو کلمۂ تراخی "ثُمَّ" سے ذِکر کرنا، تفسیرِ ثانی کا مؤید ہے۔

---

(۱) مرزائی لوگ کہا کرتے ہیں کہ خاتم النّبیین کے معنی "اَکمل النّبیین" ہیں، مندرجہ بالا عبارت میں مصنّف امام رحمہ اللہ نے ان کے اس اِلحاد کو ردّ فرمایا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اوّل تو یہ آیت کے مدّعا کے خلاف ہے، پھر یہ معنی نئی نبوّتِ تشریعیہ آنے کے بھی منافی نہیں، پس اگر خاتم النّبیین کے معنی اکمل النّبیین کے ہوں تو گویا صرف یہی نہیں کہ -معاذ اللہ- آپ کے بعد نیا نبی آسکتا ہے، بلکہ نئی شریعت بھی اُتر سکتی ہے، نئی اُمّت بھی بن سکتی ہے، اور نیا دِین بھی تبدیل ہوسکتا ہے۔

ظاہرِ آیت نے تمام نبیوں کو ایک طرف رکھا ہے، اور ان سب کے بعد آنے والے رسول کو دوسری طرف، اور لفظ ''ثُمَّ'' سے معلوم ہوا کہ ''وہ رسول'' تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد آئے گا، یہ نہیں کہ یہاں انبیائے کرام علیہم السلام کے درمیان وقتاً فوقتاً آنے والے رسولوں کا تذکرہ ہو۔ اور لفظ ''مصدّق'' سے معلوم ہوا ''وہ رسول'' انبیاء کی جانب مبعوث نہیں ہوگا، بلکہ اپنے تمام پیشرو انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیم کی تصدیق کرنے والا ہوگا، انبیائے کرام علیہم السلام سے جو عہد و قرار لیا گیا، اس سے اصل مقصود ان کی اُمتوں کو بتانا اور آگاہ کرنا ہے کہ اس عظیم الشان رسول کی آمد کے وقت ضائع نہ ہوجائیں، اور (ان کو لازم ہے کہ) قومی اُمور و معاہدات میں بعض کو قائم مقام کل کے تصوّر کریں، پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا (آپ ﷺ کے زمانے کو) پالینا (اور بعد از نزول آپ ﷺ کی تصدیق و اتباع کرنا تمام انبیاء علیہم السلام کی نیابت کے لیے) کافی ہے۔ اور شاید توارد رسولِ لاحق کا رسول و نبیٔ سابق پر (بایں معنٰی کہ رسولِ متأخر کی آمد متقدم کی حیات میں ہوئی ہو اور دونوں نے ایک دوسرے کی تصدیق کی ہو۔ ایسا توارد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے سوا کسی اور جگہ نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے (شاید اسی مقصد کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ) اُٹھالیا (تاکہ وہ آخری زمانے میں نازل ہوکر تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی جانب سے آنحضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی تصدیق کریں، اور میثاق النّبیین میں جس ایمان و نصرت کا انبیاء علیہم السلام سے عہد و قرار لیا گیا تھا، وہ اپنی ظاہری شکل میں بھی پورا ہوجائے، ہرچند کہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی صداقت اپنے ساتھ اس قدر داخلی دلائل و شواہد رکھتی ہے کہ ان کے بعد کسی خارجی شہادت کی ضرورت نہیں رہ جاتی، تاہم یہ چاہا گیا کہ آپ ﷺ کی تصدیق خارج سے بھی ہو، کیونکہ) جو تصدیق کہ خارج سے ہو وہ (بداہۃً) اَولیٰ و انسب ہے بہ نسبت تصدیقِ داخلی کے۔ (چنانچہ آنحضرت ﷺ نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا مصدّق بن کر ان سب کے

لیے تصدیقِ خارجی مہیّا کی، اور ان سب حضرات کی جانب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ کی تصدیق کر کے ''تصدیق اَز خارج'' مہیّا کر دی۔ الغرض! آنحضرت ﷺ انبیائے سابقین کے مصدِّق بھی ہیں اور مصدَّق بھی)۔ اور (چونکہ) یہ وصفِ مصدّقیت آنحضرت ﷺ ہی کا مشہور وصف ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہے (اس سے واضح ہے کہ: ''ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ'' کا مصداق آنحضرت ﷺ ہی کی ذاتِ گرامی ہے، اور آپ ﷺ ہی کے حق میں تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے ایمان لانے اور نصرت کرنے کا عہد لیا گیا) اور یہی تفسیر متبادر ہے اس آیت کی دوسری قراءت: ''وَإِذْ أَخَذَ ٱللَّهُ مِيثَٰقَ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلْكِتَٰبَ'' سے، کہ تمام اہلِ کتاب کو ایک جانب رکھا اور اس رسول کو دوسری جانب۔ (خلاصہ یہ کہ آیت میں دو قراءتیں ہیں، ایک قراءت ''مِيثَٰقَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ'' کی ہے) اور دوسری قراءت میں: ''وَإِذْ أَخَذَ ٱللَّهُ مِيثَٰقَ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلْكِتَٰبَ'' آیا ہے، اور جانتے ہو کہ تعدّدِ قراءت، بلاغت کے مختلف اعجازی نکات کے سبب ہوتا ہے، کیونکہ وہ تمام نکات ایک عبارت میں جمع نہیں ہو سکتے، پس ان کے تعدّد کی وجہ سے تعدّدِ قراءت رُونما ہو جاتا ہے۔

پس (جب یہ ثابت ہوا کہ خاتم النّبیین کے معنیٰ ''آخری نبی'' کے ہیں تو) آخر کیا وجہ ہے کہ ہم آیت کے ظاہری اور کھلے معنی سے ہٹ کر تاویلِ رکیک کا رُخ کریں؟ ظاہری معنی کے چھوڑنے پر کونسی دلیلِ قطعی قائم ہوئی ہے؟ نفسانی خواہش کے بے سروپا خیالات پر ایمان رکھنا مؤمن کا کام نہیں ہے۔

(۷۸) اور (خاتم النّبیین کی ترکیب) ''یوسف احسن الاخوۃ''، اور ''فلان اعلم بغداد'' کی ترکیب جیسی بھی نہیں، جس میں مضاف الیہ بمعنیٰ مفعول بہٖ نہیں ہوتا، اور حسن وعلم بھی مطلق ہیں (بخلاف اس کے ''خاتم النّبیین'' میں مضاف الیہ مفعول بہٖ کے معنی میں ہے)، اور (لفظ ''خاتم النّبیین'' سے جس مضمون کو ادا کیا گیا ہے) ایسے موقعوں پر اصل

اور معروف کلام یوں تھا کہ: ''آنحضرت ﷺ کی اُبوّت منقطع اور نبوّت دائم ہے'' مگر دوامِ نبوّت کو لفظِ ''ختم'' سے تعبیر فرمایا گیا (تاکہ دوامِ نبوّت کی دلیل بھی ساتھ کے ساتھ پیش کردی جائے، کیونکہ آپ ﷺ کی نبوّت کے تاقیامت دائم رہنے کی علت یہی تو ہے کہ آپ ﷺ پر نبوّت ختم اور سلسلۂ انبیاء کا اِختتام ہوچکا۔ پس یہ قرآنِ کریم کا اعجاز ہے کہ اس نے آپ کی نبوّت کے دوام اور اس کی علت دونوں کو ایک لفظ ''خاتم النّبیین'' میں بیان فرمادیا) پس خود اسی لفظ میں بحثیں پیدا کرنا فہم مقصود سے کوسوں دُور ہے، ورنہ (اگر لفظ ''خاتم النّبیین'' سے آپ کی نبوّت کے دوام کا بیان کرنا منظور نہ ہوتا، صرف ایک فضیلت و منقبت کا اظہار مقصود ہوتا تو) جس طرح کہ اصلِ رِسالت کا ذِکر کیا تھا۔ اسی طرح اَصلِ نبوّت کو ذِکر کرتے، اور مثلاً اس قسم کے الفاظ فرماتے: ''ولکن رسول الله ونبیناً من المقربین'' جیسا کہ تفسیر ''رُوح المعانی'' میں اِبنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ''ولکن نبیًّا ختم النّبیین'' نقل کی ہے۔

(۷۹) اور کسی خاص فرد کے لحاظ سے نہیں بلکہ مجموعی اُمّت کے اعتبار سے اگر آنحضرت ﷺ کو آپ ﷺ کی اُبوّتِ معنویہ کا لحاظ کرتے ہوئے ''باپ'' کہا جاتا تو اس کی گنجائش ہوسکتی تھی، جیسا کہ اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے ''اُمّ المؤمنین'' کا محاورہ رائج ہے۔ مگر یہ محاورہ بھی چونکہ صورۃً خلافِ مقصود کا وہم دِلاتا تھا، اس لیے رائج نہیں ہوسکا۔ چنانچہ ''عقیدۃ الاسلام'' (ص:۲۰۲، طبعِ اوّل) میں اکلیل سے منع نقل کیا ہے۔

(۸۰) آیت کی مُراد یہ ہے کہ جس طرح آپ ﷺ بیٹا نہیں چھوڑیں گے، اسی طرح دوسرا نبی بھی نہیں آئے گا، اور جس طرح آپ ﷺ خلف چھوڑ کر نہیں جائیں گے، اسی طرح دوسرا پیغمبر بھی نہیں آئے گا جو آپ کا خلیفہ ہو۔ پس آنحضرت ﷺ بطور کنیت ''کسی مَرد کے باپ'' نہیں، بلکہ آپ ﷺ بطورِ لقب ''رسول اللہ'' اور ''خاتم النّبیین'' ہیں۔ اس لیے یہ نہیں فرمایا: ''ولکن رسول الله ونبیًّا خاتم النّبیین'' کیونکہ یہ پورا عنوان،

لقب نہیں تھا، گویا قرآن مجید نے اَصحابِ جمل کی طرح لقب ارشاد فرمایا ہے۔

اور یہ لقب محض تأخرِ زمانی کی بناء پر اتفاقی نہیں ہے، بلکہ کسی اہم خصوصیت کا آئینہ دار ہے۔ یعنی چونکہ آنحضرت ﷺ آخری زمانے میں تشریف لائے، محض اس تأخرِ زمانی کو بتانے کے لیے یہ لقب نہیں ہے، بلکہ مُرادِ الٰہی یہ ہے کہ ہم نے سلسلۂ نبوّت خاتم الانبیاء ﷺ پر ختم کردیا۔ اور سلسلۂ انبیاء کی آخری حد آپ ﷺ کی ذات کو ٹھہرانا محض اتفاقی نہیں، جو مفضول کے لیے بھی ہوسکتی تھی، بلکہ یہ کسی اہم ترین خصوصیت کی بناء پر ہے، جو آنحضرت ﷺ کی ذاتِ اقدس میں پائی جاتی ہے۔

(۸۱) اور واضح رہے کہ ''رسول'' اور ''نبی'' کے درمیان منقّح فرق وہی ہے جو اکثر علماء نے بیان فرمایا ہے، اور جو پہلے گزر چکا ہے، اور حقِ لغت کا تقاضا بھی یہی ہے، کیونکہ ''رسول'' کے معنی ہیں: ''فرستادہ اور پیغام لے جانے والا'' اور ظاہر ہے کہ فرستادۂ خداوندی کو کتاب یا اَحکامِ شرعیہ کے سوا اور کیا چیز دے کر بھیجا جائے گا؟ اور ''نبی'' کے معنٰی ہیں: ''خبر دہندہ'' جو وحیٔ قطعی کے ذریعے خبر دیتا ہو، اگرچہ جدید شریعت نہ رکھتا ہو، اور اس کا وظیفہ اُمّت کی سیاست ونگہداشت ہے۔ چنانچہ حدیث میں انبیائے بنی اسرائیل کا اُن کی سیاست ونگہداشت کرنا ذِکر فرمایا ہے (مشکوٰۃ،ص:۳۲۰)۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ: ''ایک نبی گزرا تو اس کے ساتھ ایک ہی دو آدمی تھے، اور ایک نبی گزرا تو اس کے ساتھ ایک بھی آدمی نہیں تھا'' (مشکوٰۃ،ص:۴۵۲، بحوالہ بخاری ومسلم)۔ یہ حدیث بھی اس مضمون پر دلالت رکھتی ہے کہ ''نبی'' کا وظیفہ اور اس کا تعلق اپنی اُمّت کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔[۱]

---

(۱) اور ''فتوحات'' میں جو کچھ لکھا ہے وہ منتشر اور غیر منقّح کلام ہے، اکثر جگہ تو انہوں نے یہ کہا ہے کہ ''نبی بھی شریعت رکھتا ہے، مگر وہ اس کی ذات سے مختص ہوتی ہے۔'' لیکن حضرت ہارون علیہ السلام کے حق میں اتنی بات بھی تسلیم نہیں کی۔ اور ایک جگہ کہا ہے کہ ''نبی کی شریعت دوسروں کے حق میں واجب نہیں، بلکہ ان کے اختیار پر ہے۔'' اور نوح علیہ السلام سے قبل کے انبیاء کو کسی رسول کے ماتحت نہیں رکھا۔

....(باقی اگلے صفحے پر)

(۸۲) اور یہ مقولہ کہ ’’حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ خاتم المحدثین تھے‘‘ (اس پر قیاس کرتے ہوئے قادیانیوں نے کہا ہے کہ جس طرح شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ’’خاتم المحدّثین‘‘ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ ان کے بعد کوئی محدّث نہیں، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ’’خاتم النّبیین‘‘ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اس کا جواب ہے کہ اس مقولہ میں بھی ’’خاتم المحدّثین‘‘ بمعنٰی ’’آخری محدّث‘‘ ہی کے ہے مگر) اس اطلاق اور محاورے کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص خصائص اور کمالاتِ مخصوصہ کا ختم کنندہ ہوتا ہے، پس ان خاص کمالات کے ختم کا لحاظ کرتے ہوئے اس پر ’’خاتم‘‘ کا اطلاق کردیتے ہیں۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ اطلاق کنندہ کو نہ تو زمانۂ مستقبل کے حال کی تحقیق ہوتی ہے، نہ مستقبل کا علم ہوتا ہے، نہ اسے غیب کا علم ہے، نہ پردۂ غیب میں جو کچھ پوشیدہ ہے، اس کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے، بلکہ وہ صرف اپنی معلومات اور وقتی علم کے اعتبار سے بطور مسامحت وسہل انگاری کے، اس بات پر اعتماد کرتے ہوئے کہ اس کا مخاطب اس کی مُراد کو سمجھ جائے گا، یہ فقرہ استعمال کرتا ہے، اور بشر کبھی ناتمام بات بھی کہہ دیتا ہے، اور تمام قیود وشرائط کا احاطہ نہیں کرتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)........

اور اس انتشارِ کلام کا سبب یہ ہے کہ شریعت نہ ہونے کی صورت میں شیخ کو نبی کی کوئی خدمت نظر نہیں آئی۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے نبوّت کی ایک نئی قسم ’’نبوّت غیر تشریعی بمعنٰی ولایت‘‘ نکالی۔ حالانکہ نبی کی جو خدمت متن میں ذِکر کی گئی ہے وہ ایک عظیم خدمت اور جلیل القدر وظیفہ ہے، اور علماء جو نبی کے لیے غیر تشریعی نبوّت کے قائل ہیں، وہ اس قسم کے نکالنے اور اس کو ولایت کے معنی میں لینے سے مستغنی ہیں، اور کُتبِ سماویہ کے عُرف سے اور انبیائے بنی اسرائیل۔ جو شریعتِ موسوی کے پیرو تھے اور وحی کے ذریعے اُمّت کی سیاست اور اخبار کرتے تھے۔ ان کے حالات سے بھی یہی بات مفہوم ہوتی ہے۔ پس اس کو خوب یاد رکھو اور دُعا میں ہمیں نہ بھولو۔ منہ

چونکہ اظہارِ خصوصیت کی حاجت تھی، اس لیے محاورہ بنالیا تاکہ اس خصوصیت کو ختمِ زمانی کے بغیر بھی ادا کرسکیں۔

(۸۳) نیز یہ کہنا تو معقول ہے کہ ”فلاں عالم، فلاں کے مقابلے میں لائقِ شمار اور قابلِ اعتبار نہیں“ مگر یہ کہنا کہ ”فلاں نبی، فلاں کی بہ نسبت کوئی اعتبار نہیں رکھتا“ یہ نہ تو معقول ہے، نہ رائج ہے۔ (کیونکہ اس محاورے کے معنیٰ یہ ہیں کہ فاضل کے مقابلے میں مفضول کالعدم ہے اور وہ کسی گنتی میں نہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی نبی کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ ناقص ہے، یا اس کی کوئی حیثیت نہیں، یا اس کا وجود وعدم برابر ہیں، نہ صرف صریح گستاخی ہے، بلکہ کُفر ہے، جیسا کہ ارشادِ نبوی: ”لا تخيروا بين الأنبياء“ (مشکوٰۃ، ص:۵۰۷) کے ذیل میں علماء نے تصریح فرمائی ہے۔ اور پھر) جس طرح کہ ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ“ میں (یہ) تاویل نہیں (ہوسکتی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا تو ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہیں، کیونکہ یہ تاویل نہ صرف شرک ہے، بلکہ اس میں منصبِ اُلوہیت کی بھی توہین ہے۔ اسی طرح ”خاتم النّبیین“ میں، جس کی تفسیر خود آنحضرت ﷺ نے ”لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ“ کے ساتھ فرمائی ہے، یہ تاویل نہیں چل سکتی کہ آپ ﷺ کے بعد نبی تو ہیں، مگر وہ اس قدر بونے اور پستہ قد ہیں کہ آپ ﷺ کے مقابلے میں ان کا وجود وعدم برابر ہے۔ کیونکہ مسئلۂ اُلوہیت کی طرح یہاں بھی اوّل تو ختمِ نبوّت کا انکار ہے، جو صریح کُفر ہے، دوم منصبِ نبوّت کی اہانت ہے اور یہ بجائے خود کُفر ہے، بخلاف اس فقرے کے کہ ”شاہ صاحب خاتم المحدّثین تھے“ یہاں تاویل صحیح ہے، کیونکہ یہ کہنا بجا ہے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کے مقابلے میں بعد کے تمام محدّثین طفلِ مکتب ہیں اور بوقتِ مقابلہ ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک فقرہ ایک جگہ استعمال کیا جائے تو صحیح ہے اور اسی نوعیت کا فقرہ دوسری جگہ استعمال کیا جائے تو غلط ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ)

اس قسم کے اُمور میں اصل مدار محاورہ کے جاری ہونے پر ہے، محض قیاس پر نہیں اگرچہ (کسی محاورے کے صحیح ہونے کے لیے) جزئی علاقہ کا ثبوت ضروری نہیں، لیکن نوعِ علاقہ کا ثبوت بھی کافی نہیں، بلکہ اصل مدارِ ذوق اور استقراء پر ہے۔

''ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد'' یہ ہے توجیہ اور تخریج اس محاورہ کی۔

(۸۴) اور پھر یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص محدّثی ختم کرگیا۔ اب اس جیسا کوئی دوسرا محدّث نہیں آئے گا، مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں شخص نبوّت ختم کرگیا، اب اس جیسا کوئی اور نبی نہیں آئے گا، کیونکہ پہلی چیز فضائلِ کسبیہ میں سے ہے، اور اس میں اشتراک بکثرت ہے، خود ممدوح کے زمانے کے بھی بہت سے لوگ اس کے ساتھ اس فضیلت میں شریک ہوں گے، پس لوگ فرقِ مراتب پر نظر رکھتے ہیں اور مماثل کو تو خاتمیت کے منافی سمجھتے ہیں، مگر کم مرتبہ لوگوں کے وجود کو اس کے منافی نہیں سمجھتے، اور اس سلسلے میں اَٹکل اور تخمین سے بات کرنا روا سمجھتے ہیں۔ بخلاف بابِ نبوّت کے کہ وہ کمالاتِ وہبیہ میں سے ہے، اس میں ظن و تخمین کے ساتھ بات نہیں کرتے، بلکہ کفِ لسان کرتے ہیں، کیونکہ یہ اِخبار بالغیب کا باب ہے، اس میں اطلاعِ اِلٰہی کا منتظر رہنا چاہیے، اور محض اندازوں اور تخمینوں پر اِقدام نہیں کرنا چاہیے۔ پھر یہ (خاتم المحدّثین والا) محاورہ بھی نزولِ قرآن کے زمانے میں رائج نہ تھا، بلکہ بعد میں پیدا ہوا، جیسا کہ ''فاتح المحدّثین'' کا محاورہ اختیار نہیں کیا گیا، پس قرآنِ کریم کو زمانۂ مابعد کے پیدا شدہ محاوروں پر نہیں ڈھالنا چاہیے۔

(۸۵) اور کہا کرتے ہیں کہ: ''فلاں شخص جُود و سخاوت کو ختم کرگیا!'' مگر یہ نہیں کہتے کہ: ''ولایت و کرامت کو ختم کرگیا'' کیونکہ یہ رجم بالغیب ہے۔ پس یہ ہے سبیل ان محاورات کی، نہ کہ محض قیاسات و تلبیسات۔ گویا اس نوعیت کے حکم میں حکم کنندہ کے مقام و مرتبہ اور مبلغِ علم و فہم کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

(۸۶) اور معلوم رہے کہ اہلِ عُرف ''فاتح'' اور ''خاتم'' دونوں کو نہیں جانتے پہچانتے،

اِلاّ یہ کہ اَٹکل دوڑائیں اور تخمینہ لگائیں، یا پھر انہیں بعد اَز وقوع اس کا علم ہوتا ہے، مثلاً لوگوں نے دیکھا ایک بادشاہ نے سلطنت قائم کی، اسے قوی اقتدار اور اعلیٰ درجے کی حکمرانی حاصل ہوئی، بعد ازاں اس کے جانشین آئے اور انہوں نے اس کی قائم مقامی کی (اور اس کی قائم کردہ سلطنت کا سلسلہ ایک مدّت تک قائم رہا) اب اہلِ عُرف نے دیکھا کہ یہ منصبِ بادشاہی سب سے پہلے سلطانِ اوّل نے کھولا تھا، اس لیے اس کو ''فاتح'' کہنے لگے اور ''فاتح'' کا یہ علم انہیں بعد اَز وقوع حاصل ہوا، اور مثلاً انہوں نے کسی شخصیت کو ظن و تخمین سے خاتمِ کمالات سمجھا تو اسے ''خاتم'' کہہ دیا، ورنہ بجز شاذ و نادر صورتوں کے انہیں خاتمیتِ حقیقی کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ پس لفظ ''خاتم'' کا اطلاق اکثر و بیشتر اٹکل اور تخمینے کے طور پر کرتے ہیں، بخلاف اطلاقِ ''فاتح'' کے، کہ بسا اوقات اس کا مشاہدہ بھی رکھتے ہیں۔ نیز اہلِ عُرف کی نظر اس نظامِ کلّی پر نہیں ہوتی جو مجموعۂ کائنات میں جاری و ساری ہے، بلکہ صرف منتشر جزئیات تک محدود ہوتی ہے، کیونکہ انہیں نظامِ کلّی کا علم نہیں، جو حق تعالیٰ نے اس مجموعۂ عالَم میں ودیعت رکھا ہے۔

تم جانتے ہو گے کہ اہلِ معقول نے کثرت کے چار مرتبے قرار دیئے ہیں:

۱- کل واحد۔ ۲- کثرتِ محضہ جس میں ہیئتِ اجتماعی ملحوظ نہ ہو۔ ۳- وہ کثرت جس میں ہیئتِ اجتماعی بطورِ عروج ملحوظ ہو۔ ۴- وہ کثرت جس میں ہیئتِ اجتماعی بطورِ دُخول ملحوظ ہو۔ جو کثرت کہ ایک سلسلے میں منسلک ہو کر وحدت تالیفی رکھتی ہو، اہلِ عُرف کو اس کے مبدا و منتہا کا اکثر و بیشتر ٹھیک اِدراک نہیں ہوتا، اِلاّ یہ کہ انہیں تجربہ ہو جائے، ورنہ اکثر وہ اٹکل اور تخمین ہی سے کام لیتے ہیں۔ اس نوعیت کے کثیرِ منتظم میں ''خاتم'' سب سے آخر میں ہوتا ہے۔ مثلاً معمار چونکہ تعمیر کے پورے سلسلے سے واقف ہے (کہ اس کا آغاز فلاں جگہ سے ہوگا، اور اِختتام فلاں جگہ پر ہوگا) اس لیے وہ تعمیر میں اس کی رعایت رکھتا ہے۔ بخلاف دیگر اُمور کے کہ لوگ ان کے نظام کو نہیں جانتے (اس لیے

اس کی کما حقہٗ قطعی رعایت بھی نہیں رکھ سکتے، بلکہ ظن وتخمین سے کام لینے پر مجبور ہیں) اور نظاماتِ اِلٰہیہ میں فاتح وخاتم اس طرح واقع ہوئے ہیں، کہ خاتم، خاتمِ کمال ہوتا ہے اور اس کی علامت خارج میں ختمِ زمانی رکھی گئی ہے۔ پس اس ختمِ زمانی کا جو اُمورِ اِلٰہیہ کے کثیر منتظم میں ختمِ کمالی پر مبنی ہوتا ہے، اور جس سے اہلِ عُرف غافل ہیں، اچھی طرح وزن کرلینا چاہیے۔ کیونکہ محاورۂ اہلِ عُرف اور محاورۂ حضرتِ حق کا باہمی فرق اسی پر مبنی ہے، اور اس کو سمجھ لینے سے قادیانی ملاحدہ کا وہ مغالطہ، جو شاہنشاہ اور شاہانِ ماتحت کی مثال دے کر ''نبی ساز نبی'' کو اس پر قیاس کرنے سے پیدا ہوتا ہے، از خود درہم برہم ہوجاتا ہے، اور بات کی تہ اور مغزِ سخن پر اطلاع حاصل ہوجاتی ہے۔ واللہ الموفق!

(۸۷) پس وحی کی تحقیق کو- جو حقیقت الامر سے بال برابر بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوتی- اٹکل بازوں کی اٹکل پر قیاس نہیں کرنا چاہیے، اور نہ طبقۂ وحی کو شاعرانہ خیال آرائی پر محمول کرنا چاہیے۔ اسی وجہ سے فرمایا ہے:

> ''ہم نے آپ ﷺ کو شعر نہیں سکھایا، اور نہ وہ آپ ﷺ کے لائق ہے۔'' (سورۂ یٰسٓ:۶۹)

شعر سے مُراد خیال بندی ہے کہ شاعروں کے محاورات کی دُنیا ہی الگ ہے، اور ان کے محاورات عام لوگوں کے محاورات اور عرفِ عام کی بول چال سے جداگانہ ہیں۔

اور قرآن کا اعجاز جیسا کہ ترکیب میں ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح مفردات کے انتخاب میں بھی ظاہر ہوتا ہے، کہ کسی حقیقت کو تعبیر کرنے کے لیے- خصوصاً جبکہ وہ حقیقت مشکلات میں سے ہو- ایسا لفظ اختیار کیا جاتا کہ اس جیسا اوفیٰ بالحقیقت لفظ لانا انسانی طاقت سے خارج ہے۔ پس محاورۂ قرآنِ کریم کو عامیانہ اور سُوقیانہ محاورات پر ڈھالنا انتہائی جہالت وحماقت ہے اور عقائد کے باب کو مدحی تخیلات پر محمول کرنا حد درجے کی گمراہی اور اِلحاد ہے۔

(۸۸) نظمِ قرآن میں مدح کے موقع پر بھی حقیقت سے تجاوز روا نہیں رکھا گیا۔ قرآنِ کریم کی رَوِش عامیانہ محاورات ومسامحات کی سی نہیں، اور نہ مقامِ مدح میں بے اندازہ وبے پیمانہ اٹکل بازی سے کام لیا جاتا ہے، اس لیے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہر چیز کی کُنہ سے واقف، اس کی حقیقت سے باخبر اور اس کے حقِ تعبیر سے آگاہ ہیں (کہ اس کو کن الفاظ سے تعبیر کیا جائے؟) بخلاف بشر کے وہ مسکین ان تمام اُمور سے قاصر ہے۔ اٹکل بازی (مجازفہ) نہ کرے تو کیا کرے؟ یہ اس کے بس کی بات نہیں کہ کسی طرح کم وبیش نہ کرے، اور کسی چیز کی حقیقتِ واقعیہ کو ٹھیک ناپ تول کر بیان کردے، اور تقریب وتخمین سے کام نہ لے۔

(۸۹) پھر قرآنِ کریم کی مُراد کی تعیین میں اگر اہلِ اجماع پر، جو کہ اہلِ حل وعقد ہیں، اعتماد نہ کیا جائے تو بہت ممکن ہے کہ کُفر واِسلام کی تمیز ہی اُٹھ جائے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> ”اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا، بعد اس کے کہ اس پر اَمرِ حق ظاہر ہوچکا تھا، اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دُوسرے رستے ہولیا، تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے، اور اس کو جہنّم میں داخل کریں گے، اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے جانے کی۔“(۱)

”سبیل المؤمنین“ سے مُراد اہلِ ایمان کا اتفاق واجماع ہے۔ اور ضروریاتِ دِین میں تاویل بھی مسموع نہیں، شیخ اکبر ”فتوحات“ جلد:۲ صفحہ:۲۵۷، باب:۲۸۹ میں فرماتے ہیں ”تاویلِ فاسد کُفر کی مانند ہے۔“

(۹۰) اور سب سے پہلا اِجماع جو اس اُمّت میں منعقد ہوا، وہ مسیلمہ کذّاب کے قتل پر اِجماع تھا، جس کا سبب صرف اس کا دعویٔ نبوّت تھا، اس کی دیگر گھناؤنی حرکات کا

---

(۱) ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، سورۃ النساء، آیت:۱۱۵

علم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس کے قتل کے بعد ہوا تھا، جیسا کہ ابنِ خلدون نے نقل کیا ہے۔[1] اس کے بعد قرناً بعد قرنٍ مدّعیٔ نبوّت کے کُفر وارتداد پر ہمیشہ اجماعِ بلافصل رہا ہے، اور نبوّتِ تشریعیہ یا غیر تشریعیہ کی کوئی تفصیل کبھی زیرِ بحث نہیں آئی۔

اور شاید مسیلمۂ کذّاب نے اپنا مطلب: ''وَأَشْرِكْهُ فِيٓ أَمْرِي ﴿۳۲﴾'' سے نکالا ہوگا (کہ نبوّت میں بھی شرکت ہوسکتی ہے۔ یہی مسیلمۂ کذّاب کا دعویٰ تھا اور یہی غلام احمد قادیانی کا دعویٰ ہے)۔[2] ہمارے پیغمبرِ برحق ﷺ کی مجمل تصدیق تو اَحادیثِ شریفہ میں دجّال سے بھی آئی ہے، (فتح الباری، ج: ۱۳ ص: ۷۹) لیکن محض اتنی بات اس کُفر کو دفع نہیں کرتی۔ بہت سے کافر ہمارے نبی اکرم ﷺ کی اور ہمارے دِین کی مجمل تصدیق کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی کہتے ہیں کہ ہمارا دِین بھی سچا ہے (اسی طرح قادیانی کا ہمارے دِین کی تصدیق کرنا بھی دافعِ کُفر نہیں)۔

(۹۱) حاصل یہ کہ ختمِ کمالات کو لفظِ خاتمیّت کے ساتھ تعبیر کرنا قرآنِ کریم کا عُرف ہرگز نہیں، قرآنِ کریم کا عُرف اس باب میں یعنی باہمی تفاضل کے بیان میں وہ ہے، جو آیتِ کریمہ: ''تِلْكَ ٱلرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ'' (البقرۃ: ۲۵۳) میں اختیار کیا گیا ہے، یہی طریق مستقیم ہے، اور یہی سادہ اور فطری طرزِ کلام ہے۔ اور (اس کے برعکس) ختمِ کمالات کو بغیر کسی قید لگائے ''خاتم'' کہنا، تاویل وتخریج (کے تکلّف) کا محتاج بناتا ہے اور (مزید برآں یہ کہ یہ زمانۂ نزولِ قرآن کا عُرف نہیں بلکہ) زمانۂ مابعد کا عُرفِ جدید ہے کہ سوائے محاورہ رائج ہونے کے اس کا استعمال بھی مستحسن نہیں تھا، چہ جائیکہ وہ قرآن مجید میں مُراد ہوتا کہ اس سے مغالطہ اندازی کا وہم ہوتا ہے، چنانچہ

---

(۱) تاریخ ابنِ خلدون، ج: ۲ ص: ۸۸۱۔

(۲) مسیلمہ کذّاب کہتا تھا کہ مجھے محمد ﷺ کی نبوّت میں شریک کردیا گیا ہے۔ اور کذّابِ قادیان نے کہا کہ: ''تمام کمالاتِ محمدیہ مع نبوّت کے میرے آئینۂ ظلیت میں منعکس ہیں، اس لیے میں بعینہٖ وہی خاتم الانبیاء ہوں، گو ظلّی طور پر سہی'' (ایک غلطی کا اِزالہ)۔ مترجم

پوری اُمّت نے ''خاتم'' سے ختمِ زمانی سمجھا ہے نہ کہ صرف ختمِ کمالات۔ (اب اگر خدا تعالیٰ کی مُراد فقط ختمِ کمالات ہوتی، جیسا کہ قادیانی ملاحدہ کہتے ہیں، تو اس سے لازم آئے گا کہ تیرہ سو سال تک ''خاتم النّبیین'' کا صحیح مفہوم۔ معاذ اللہ۔ ''معنیٰ قول دربطنِ قائل کا'' مصداق رہا۔)

(۹۲) اور معلوم رہے کہ (جو اُمور) اصطفاء واجتباء (کے باب سے ہوں، ان) میں قرآنِ کریم کا طریقہ یہ ہے کہ (انہیں) حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات کی جانب منسوب کیا جاتا ہے، (اور خاتمیت بھی چونکہ اسی باب سے ہے) اس لیے (بظاہر طریقۂ قرآن کے) مناسب یہ تھا کہ ''وجعلناه خاتم النّبیین'' فرمایا جاتا، (یعنی ہم نے آپ ﷺ کو ''خاتم النّبیین'' بنایا) لیکن (یہاں) مقصود (چونکہ) یہ تھا کہ ''خاتم النّبیین'' کا لفظ بطورِ لقب بندوں کی زبان پر جاری ہو، (اس لیے صرف ''رسول اللہ'' و ''خاتم النّبیین'' کو بحیثیت لقب کے ذِکر فرمایا)۔

(۹۳) (''خاتم المحدّثین'' وغیرہ کا) عُرفِ جدید اس وجہ سے پیدا ہوا کہ لوگوں نے دیکھا کہ کمالات کا رُخ دِن بدن اِنحطاط کی جانب ہے، (اس لیے انہوں نے کسی نابغہ کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ آئندہ دورِ زوال میں ایسا بلند پایہ شخص کہاں پیدا ہو سکتا ہے؟ پس مستقبل میں نا اُمیدی کے پیشِ نظر انہوں نے اس باکمال کو اس فن کا خاتم قرار دے دیا) مگر یہ نظر اور اعتبار حق تعالیٰ کے حق میں مفقود ہے، اس کی بارگاہِ عالی کے لیے زیبا نہیں کہ وہ مایوسانہ انداز میں یوں کہے کہ: ''افسوس! فلاں پیغمبر کمالات کو ختم کر گیا، اب اس جیسا کوئی دوسرا پیغمبر کہاں آ سکتا ہے؟'' البتہ اس قسم کا کلام کہ ''ہم نے فلاں پیغمبر پر کمالات ختم کر دیے، لہٰذا اب اس جیسا کوئی دوسرا پیغمبر ہم نہیں لائیں گے!'' اگرچہ اس کی بارگاہ کے مناسب ہے، مگر قرآنِ کریم کی عبارت میں یہ مضمون نہیں۔ اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ فلاں پیغمبر آخری ہے، بالکل سیدھی صاف اور واضح بات ہے (جس میں بے سروپا

تاویلات کی گنجائش نہیں اور نہ اس کے مقصود و مدّعا کے سمجھنے میں کوئی اُلجھن ہے)۔

(۹۴) اور تحقیق یہ ہے کہ ’’خاتم المحدّثین‘‘ کا لفظ ختمِ کمالاتِ مخصوصہ کے اعتبار سے نہیں بولا جاتا، بلکہ ’’الناقص کالمعدوم‘‘ کے اُصول پر ناقصوں کو کالعدم اور ناقابلِ اعتبار فرض کر کے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

یہ ہے اس لفظ کی تخریج ’’من حیث الدلالۃ‘‘ جیسا کہ ’’لَا رَيْبَ فِيهِ‘‘ میں علماء نے کہا ہے، (باقی اس سے بحث نہیں کہ جس موقع پر یہ لفظ بولا جاتا ہے، وہاں واقعتاً ناقص کو بمنزلہ معدوم کے ٹھہرانا صحیح بھی ہے یا نہیں) مصداق جیسا کچھ بھی ہو، ہوا کرے، (صحیح ہو یا غلط!) کیونکہ یہ آدمی کا مجازفہ اور تخمینہ ہے، بادشاہِ علّام الغیوب کی تحقیق نہیں۔ بہرحال یہ ترکیب کسی شئ کی اِنتہا کو بیان کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے، جس سے اس شئ کا ختم اور منقطع ہوجانا قطعی طور پر لازم ہے۔ اب خواہ یہ اعلانِ انقطاع بطور مسامحت اور حقِ مقام کی پوری رعایت کیے بغیر حرف زنی کے باب سے ہو، جیسا کہ اوساط الناس کا محاورہ ہے، یا برسبیل تحقیق ہو، جیسا کہ علّام الغیوب کے کلام میں واقع ہوا ہے، اور (یہ نکتہ کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ) ناقص کو کالمعدوم اور ناقابلِ اعتبار تصوّر کرنے کا اُصول انبیائے کرام علیہم السلام کے باب میں رائج نہیں ہے، بلکہ یہ شرعاً ممنوع ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم کی سورتوں، اسمائے حُسنیٰ اور متعلقاتِ حضرتِ رُبوبیت کے مراتب میں بھی یہ طرز ناروا ہے، (کیونکہ ان اُمور میں سے کسی ایک کو ناقص اور لایعبأ بہٖ قرار دینا بدترین گستاخی ہے، بِلا شُبہ انبیائے کرام علیہم السلام میں بعض حضرات بعض سے افضل ہیں، مگر ان حضرات کی ایک دوسرے سے) فضیلت کے بیان میں قرآنِ حکیم کا طریقہ (یہ نہیں کہ مفضول کو ناقابلِ اعتبار اور ’’لایعبأ بہٖ‘‘ فرض کرکے کالعدم قرار دے لیا جائے، بلکہ اس کا طریقہ) وہی ہے جس کی مثال اُوپر گزر چکی، (یعنی: ’’تِلْكَ ٱلرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ‘‘ (البقرۃ:۲۵۳) مختصر یہ کہ علم اور فضائلِ کسبیہ کا باب چونکہ بشر کے دائرۂ اختیار

میں ہے، اس لیے ان اُمور میں اس کو عمل دخل ہے (کہ کونسی چیز قابلِ اعتبار ہے؟ کونسی نہیں؟ اور کس چیز میں ناقص کو بمنزلہ معدوم کے قرار دے کر اس کے ناقابلِ اعتبار ہونے کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے) بخلاف متعلقاتِ نبوّت کے کہ حضرتِ ربّ العزّت کے سوا کسی کو ان میں اعتبارات پیدا کرنے کا اختیار نہیں۔

(۹۵) اور ضرورت دونوں قسم کے افادوں کی پیش آتی ہے، کبھی کہتے ہیں کہ "فلاں عہدہ اور منصب باقی نہیں رہا، اب کوئی شخص اس عہدے پر (تعینات ہوکر) نہیں آئے گا" اور مُراد ہوتا ہے اس عہدے کا بالکلیہ ختم اور بند کردیا جانا۔ اور کبھی کہتے ہیں: "آئندہ اس پائے کا آدمی پیدا ہونا مشکل ہے، یا اس کے مقابلے میں دوسرے لوگ قابلِ شمار واعتبار نہیں" اور اس قید کو ذِکر نہیں کرتے، مواقعِ استعمال سے معلوم ہوجاتا ہے کہ کبھی کلام اصل شیٔ (کے ختم ہونے) میں ہے، اور کبھی (اعلیٰ) مراتب (کے ختم ہونے) میں۔ علماء کے باہمی تفاضل میں یہی مؤخر الذکر معنی مُراد ہوتے ہیں، نہ کہ اوّل، کیونکہ یہ لوگ اس میں نہ تو صاحبِ اختیار ہیں اور نہ حکم کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

(۹۶) اور مخفی نہ رہے کہ اہلِ عُرف خود بھی ان محاورات میں اپنے تسامح سے مطلع ہیں، اور ان کا تعامل ان کے مطلع ہونے کی خبر دیتا ہے۔ چنانچہ ایک زمانے میں ایک شخص کو "خاتم المحدّثین" کے لقب سے یاد کرتے ہیں، لیکن جب اس کے بعد کوئی دوسرا کامل کھڑا ہوجائے تو اس کو بھی یہی لقب دے دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ان کی مُراد ختمِ کمال کے لحاظ سے بھی آخریتِ حقیقیہ نہیں ہوتی، بلکہ اپنے زمانے کے اعتبار سے آخریت مُراد ہوتی ہے۔ بلکہ ایک ہی زمانے میں متعدّد اَشخاص کو بھی "خاتم" کہہ دیتے ہیں، اور مقصد دوسروں سے کمال کی نفی کرنا نہیں ہوتا بلکہ اپنے مخصوص دائرۂ ذہن اور سانحِ وقتی کے لحاظ سے بات کرتے ہیں، تمام زمانوں اور تمام اَشخاص کے لحاظ سے نہیں، کیونکہ یہ بات کبھی ان کے گوشۂ ذہن میں بھی نہیں آتی۔ کلام کا مفہوم عُرفِ متکلم کے دائرہ

اور عُرفِ عام کے اعتبار سے لینا چاہیے، نہ کہ ایسا عموم جو متکلم کا مقصود ہی نہ ہو۔ جیسا کہ متعنت لوگ لفظی مواخذات کر کے ایسے مناقشات کیا کرتے ہیں جو متکلم کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ گزرے ہوں۔ اس کے باوجود اہلِ عُرف کا استعمال معنیٰ آخریت کے لحاظ سے یکسر خالی بھی نہیں ہوا، ورنہ مبالغہ۔ جوان کا اصل مقصود ہے۔ فوت ہو جائے گا۔ مبالغہ اسی حالت میں باقی رہتا ہے کہ چونکہ اس سلسلے کی حقیقی آخریت انہیں معلوم نہیں اس لیے کمال کا لحاظ کرتے ہوئے ممدوح کہ آخر کہہ دیتے ہیں۔

یہ تو ہے اہلِ عُرف کا اطلاق باعتبار ازمنہ واشخاص کے! اب دوسری طرف اللہ جل شانہٗ کے طرز کو دیکھو کہ اس نے ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک سوائے محمد رسول اللہ ﷺ کے کسی کو ''خاتم النّبیین'' کا لقب نہیں دیا، نہ ایک زمانے میں، نہ متعدّد زمانوں میں۔ نہ کسی دوسرے پر اس لفظ کا اطلاق کیا، نہ اس کی اجازت دی۔ یہ قادیانی اشقیاء کسی لفظ کے مجازی اور تسامحی معنی دیکھ لیتے ہیں تو لفظ کو اسی کے لیے موضوع ٹھہرا لیتے ہیں، گویا اب وہ معنیٔ حقیقی میں استعمال کے لائق نہیں رہا، اور اس سے بہ کلّی منسلخ ہو گیا، اور لفظ کی گویا جدید وضع پیدا ہو گئی کہ اب اسے حقیقی معنی میں استعمال کرنا بھی جائز نہیں رہا۔ اور یہ غایتِ جہل وشقاوت ہے کہ عُرفِ قرآن اور عُرفِ عامیانہ میں امتیاز نہیں کرتے، اور ذرا احتیاط ملحوظ نہیں رکھتے، بلکہ جو کچھ سامنے آجائے بِلاخطر تراشے اور ہانکتے رہتے ہیں۔ درحقیقت یہ دِیدہ دلیری اور ڈھٹائی اس شخص کا کام ہے جو دراصل قرآن پر اِیمان ہی نہ رکھتا ہو، بلکہ اپنے فہمِ سقیم اور طبعِ منحرف پر اِیمان رکھتا ہو۔

(۹۷) ایک بار احقر نے (اس موضوع پر) سطورِ ذیل لکھی تھیں: مخفی نہ رہے کہ حق تعالیٰ کے ارشاد: ''وَلَٰكِن رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ'' (الاحزاب:۴۰) کو عوام الناس کے قول: ''فلاں خاتم محققین ہے'' پر قیاس کرنا انتہائی جہالت ونادانی کا کرشمہ ہے۔ کیونکہ اوّل تو یہ مقولہ ایک عامی محاورہ ہے، جو تحقیق پر مبنی نہیں، بہت سے

محاورات مقاماتِ خطابیہ میں استعمال ہوتے ہیں جن کا مدار تحقیق پر نہیں ہوتا، بخلاف ارشادِ خداوندی کے کہ وہ سراسر تحقیق ہے، اور حقیقتِ واقعیہ سے سرِمُو متجاوز نہیں، بلکہ قرآنِ کریم کے وجوہِ اعجاز میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے ایک کلمے کی جگہ مخلوق دوسرا کلمہ نہیں لاسکتی، کیونکہ اس مقام کے حق اور حقیقتِ غرض کی گہرائی کا احاطہ انسانی طاقت سے خارج ہے۔

(۹۸) دوم: یہ کہ اس فقرے کے قائل نے خود بھی تحقیق کا ارادہ نہیں کیا، کیونکہ نہ تو اسے غیب کا علم ہے، اور نہ وہ پردۂ مستقبل میں چھپی ہوئی چیزوں سے باخبر ہے، کہ دوام کی رعایت رکھ کر بات کہتا۔ بخلاف باری تعالیٰ کے (کہ اس کے لیے ماضی و مستقبل یکساں ہیں)

(۹۹) سوم: یہ کہ یہ فقرہ ہر شخص اپنے گمان کے موافق کہتا ہے، اور ایک ہی زمانے میں متعدّد لوگ کہتے ہیں، اور انہیں ایک دوسرے کے قول کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک شخص اس اطلاع کے باوجود کہ اس زمانے میں دیگر اَصحابِ کمال بھی موجود ہیں، اس لفظ کا اطلاق کرتا، اور قطعی قرینے پر اعتماد کرتا ہے کہ دوسرے لوگ خود مشاہدہ کرنے والے ہیں، اس لیے میرے سامعین ایک ایسی چیز کے بارے میں، جسے وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور اپنے کانوں سے سنتے ہیں، میرے کلام کی وجہ سے غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونگے۔

(۱۰۰) چہارم: یہ کہ ہر شخص کی مُراد بس اس کے اپنے زمانے تک محدود ہوتی ہے، مستقبل سے اسے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

(۱۰۱) پنجم: یہ کہ اس قادیانی دجال کے خیال کے مطابق -نعوذ باللہ- آئندہ آنے والے ہر نبی پر ایک اعتبار سے ''خاتم'' کا اطلاق کرسکتے ہیں، اندریں حالت آیت کے مضمون کا کوئی حاصل اور نتیجہ ہی نہیں نکلتا۔

(۱۰۲) ششم: یہ کہ جس صورت میں کہ (دجالِ قادیان کے بقول) ''خاتم'' کے معنی ''مُہر لگانے والا'' کے لیے جائیں تو اس صورت میں اگر حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کا زمانہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے مقدّم ہوتا، جب بھی آپ ﷺ ''خاتم'' بالمعنی المذکور ہوتے، حالانکہ یہ قطعاً بے معنی بات ہے۔ ایسی حالت میں ''مقدام المحققین'' بولتے ہیں، نہ کہ ''خاتم المحققین''۔

(۱۰۳) ہفتم: یہ کہ اس تقدیر پر حضرت خاتم النّبیین ﷺ کو اُمّتِ مرحومہ کے ساتھ کوئی زائد خصوصی تعلق باقی نہیں رہ جاتا۔ حالانکہ آیت کا سیاق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اُمّت کے ساتھ اُبوّت کے بجائے ختمِ نبوّت کا علاقہ ہے، اور شاید آنحضرت ﷺ کی نرینہ اولاد اسی واسطے نہیں رہی تاکہ آپ ﷺ کے بعد نبوّت کی طمع بہ کلّی منقطع ہوجائے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سے علاقۂ اُبوّت مت تلاش کرو، بلکہ اس کی جگہ علاقۂ نبوّت ڈھونڈو، اور وہ بھی ختمِ نبوّت کا علاقہ۔ اور آپ ﷺ کی نرینہ اولاد کے زندہ نہ رہنے میں یہ اشارہ تھا کہ آپ ﷺ کے بعد سلسلۂ نبوّت باقی نہیں رہے گا، جیسا کہ بعض صحابہ مثلاً عبداللہ بن ابی اوفیٰ اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے الفاظ سے سمجھا جاتا ہے۔ دیکھئے: ''شرح مواہب'' جلد ثالث، ذِکر ابراہیم (''فتوحات'' میں بھی یہی سمجھا ہے۔ منہ) اور وراثتِ نبوّت کے لیے ''جامع البیان'' اَوائل سورۂ مریم معہ حاشیہ، اور ''مواہب لدنیہ'' میں ''خصائص'' کی بحث دیکھئے۔ ''شرح مواہب'' (ج:٦ صفحہ:١٨٦) میں ہے کہ ''شاید (آیت کی) مُراد بذریعہ تبنّي اُبوّت کی نفی اور علاقۂ رِسالت و نبوّت کا اثبات ہے، اور رِجال کی قید اس لیے لگائی گئی کہ صورتِ لفظ سے اولادِ صلبی کے حق میں بھی اُبوّت کی نفی مُراد لیے بغیر تبنّي کی نفی نہیں ہوسکتی۔ یا ممکن ہے کہ بالغ مَردوں کے حق میں مطلقاً اُبوّت کی نفی مُراد ہو۔'' اور ''روح المعانی'' میں اس پر سیر حاصل کلام کیا ہے، غرضیکہ محاورۂ عامیہ، تحقیقی کلام نہیں، بلکہ تساہل اور تسامح پر مبنی ہے۔ اور اس کے نظائر

''احیاء'' (العلوم مصنفہ اِمام غزالی رحمہ اللہ) کے ''باب آفاتِ لسان'' میں ملاحظہ کیے جائیں۔ نیز جو کلام انہوں نے فخریہ القاب، مثلاً: ''شاہنشاہ'' پر کیا ہے، اسے بھی ملاحظہ کیا جائے۔ اور ممدوحین کے رُوبروان کی تعریف وتوصیف کی ممانعت معلوم ہی ہے، پس یہ محاورات نہ تو تحقیقی ہیں، اور نہ شرعی ہیں (اس نوعیت کے غیر ذمہ دارانہ القاب ومحاورات تو کیا شرعی ہوتے) چہ جائیکہ شارع علیہ السلام نے ''برّہ'' نام کو بھی پسند نہیں فرمایا (کہ اس میں تزکیۂ وتوصیف کی جھلک تھی)۔

(۱۰۴) ہشتم: یہ کہ لفظ ''ختم'' کا مدلول یہ ہے کہ ''خاتم'' کا حکم وتعلق اس کے ماقبل پر جاری ہوتا ہے، اور سابقین اس کی سیادت وقیادت کے ماتحت ہوتے ہیں، جس طرح کہ بادشاہ موجودِین کا قائد ہوتا ہے، نہ کہ ان لوگوں کا جو ہنوز پردۂ عدم میں ہوں، اور اس کی سیادت کا ظہور اور اس کے عمل کا آغاز رعایا کے جمع ہونے کے بعد ہوتا ہے، نہ کہ اس سے پہلے۔ گویا اجتماع کے بعد کسی قوم کا کسی کی آمد کے لیے منتظر اور چشم براہ ہونا اس اَمر کا اظہار ہے کہ معاملہ اس کی ذات پر موقوف ہے۔ بخلاف اس کی برعکس صورت کے کہ (قائد آئے اور چلا جائے اور ماتحت عملہ اس کے بعد آئے، اس صورت میں کسی قرینے سے اس اَمر کا اظہار نہیں ہوتا، بلکہ اس پیشرو کی برتری اور سیادت کا تصوّر) محض ایک معنوی اور ذہنی چیز ہے (جس کا خارج میں کوئی اثر ونشان نہیں ہوتا، نہ اس پر کوئی دلیل وبرہان ہے)۔ یہی وجہ کہ ''عاقب''، ''حاشر'' اور ''مقفّی'' جو سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی ہیں، مابعد کے لحاظ سے نہیں (بلکہ ماقبل کے لحاظ سے ہیں، جیسا کہ ان کے معانی پر غور کرنے سے بادنیٰ تأمل معلوم ہوسکتا ہے) اور (خاتمیت سے یہ مُراد لینا کہ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت ''بالذات'' ہے اور دوسروں کی نبوّت ''بالعرض'' لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادے کے ذریعے اب بھی نبوّت مل سکتی ہے۔ خاتمیت کا یہ مفہوم غلط ہے، کیونکہ) مابالذات اور مابالعرض کا ارادہ

فلسفے کی اِصطلاح ہے، نہ تو یہ قرآنِ کریم کا عُرف ہے، نہ زبانِ عرب ہی اس سے آشنا ہے، اور نہ قرآنِ کریم کی عبارت میں اس کی جانب کسی قسم کا اشارہ یا دلالت موجود ہے۔ پس اس آیت میں ''اِستفادۂ نبوّت'' کا اضافی مضمون داخل کرنا محض خودغرضی اور مطلب براری کے لئے قرآن پر زیادتی ہے۔ البتہ سُنّت اللہ یہی واقع ہوئی ہے کہ ختمِ زمانی کا منصبِ عالی اسی شخصیت کے لیے تجویز فرمایا گیا جو قطعی طور پر اِمتیازی کمال میں سب سے فائق تھی اور تمام سابقین کو اس کی سیادت وقیادت کے ماتحت رکھا گیا۔

اور انبیائے کرام علیہم السلام کو نبوّت پیدا کرنے کے لیے نہیں بھیجا جاتا (کہ مُہریں لگا لگا کر نبی پیدا کیا کریں) بلکہ سیادت وقیادت اور سیاست وریاست کے لیے مبعوث کیا جاتا ہے۔ قوم نماز کے لیے پہلے جمع ہو تو اس کے بعد اِمام مقرّر کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہی محمل ہے حق تعالیٰ کے ارشاد: ''يَوْمَ نَدْعُوا۟ كُلَّ أُنَاسٍۭ بِإِمَٰمِهِمْ ۖ'' (سورۃ الاسراء:۷۱) کا۔ پہلی اُمتوں میں انبیائے کرام علیہم السلام تکمیل کار کے لیے رسولوں کے ماتحت ہوتے تھے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی دُعا میں ہے: ''ٱشْدُدْ بِهِۦٓ أَزْرِى ﴿٣١﴾ وَأَشْرِكْهُ فِىٓ أَمْرِى ﴿٣٢﴾'' (سورۂ طٰہٰ:۳۱،۳۲) نیز موسیٰ علیہ السلام کی درخواست کے جواب میں ارشادِ خداوندی ہے: ''سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ'' (سورۃ القصص:۳۵) اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام میں کمال کا کوئی جز باقی نہیں چھوڑا گیا (بلکہ کارِنبوّت کی تکمیل ''مِن کل الوجوہ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ذاتِ گرامی سے کرادی گئی، لہٰذا اب کوئی منصب باقی نہ رہا جس کے لیے کسی نئے نبی کو مبعوث کیا جاتا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو یہ ہے)۔

حُسنِ یوسف، دَمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تُو تنہا داری

(۱۰۵) اور اِدھر یہ حدیث کہ: ''انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز

پڑھتے ہیں۔‘‘ (فتح الباری، ج:۶ ص:۳۵۲) ثابت ہے کہ حیات سے اعمالِ حیات مُراد ہیں، نہ کہ صرف بقائے رُوح، کیونکہ یہ تو (مؤمن و کافر اور نبی و غیر نبی) سب میں مشترک ہے، (پس یہ اَمر انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ مختص نہ ہوا حالانکہ حدیث سے اختصاص ثابت ہوتا ہے۔ الغرض! جب آنحضرت ﷺ کے ذریعے کارِ نبوّت کی تکمیل ہوچکی، اور پھر حیاتِ انبیاء کی بنا پر آپ ﷺ اُمّت میں زندہ موجود ہیں، گو پس پردہ ہوں، تو نئے نبی کی بعثت بے معنی ہوئی)۔

اور انبیائے کرام علیہم السلام کی جانب سے اُمّت کی رُوحانی تربیت اور ان کی تکمیلِ باطنی جو ہوتی ہے وہ شاید ولایتِ نبوّت کے اعتبار سے ہوتی ہوگی جو نبوّت کا ایک جزء اور اس تحت میں مندرج ہے، اور ولایت خود جاری ہے۔ پس نبوّت کا ایک جز اختصاصی ہوا (یعنی حق جل شانہ کا کسی بندے کو پیغام رسانی کے منصب کے لیے تجویز کرنا) اور دوسرا جزو اکتسابی ہے (اور وہ ہے ولایت) اور یہاں ’’ولایتِ نبی‘‘ کی بحث عارفین کے کلام میں دیکھ لی جائے۔

غرضیکہ نبوّت ایک ظاہر و باہر منصب ہے، جو اللہ تعالیٰ شانہ کے (کسی بندے کو) خلیفہ مقرّر کرنے اور (پھر اس کے لیے) اُمتوں سے عہد و میثاق اور بیعت لینے کے ذریعے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ جیسا کہ شریعت کی رُو سے منصبِ خلافت عقدِ بیعت کے ساتھ حاصل ہوتا ہے، بذریعہ وراثت حاصل نہیں ہوتا، اور نہ بطور سرایت۔ نیز نبوّت فضائل لازمہ سے ہے، کمالاتِ متعدیہ سے نہیں، جیسا کہ ولایت ایک متعدی کمال ہے جو توجہ باطنی اور صرف ہمت سے متعدی ہوجاتا ہے اور جیسا کہ معجزہ و کرامت کے مابین فرق ہے کہ اوّل الذکر نبی کی عقدِ ہمت کے بغیر ہوتا ہے، اور مؤخر الذکر میں ولی کی عقد ہمت ضروری ہے، اسی طرح زیر بحث مسئلے کو سمجھنا چاہیے (کہ حصولِ نبوّت میں نبی کی سعی و محنت کو دخل نہیں ہوتا۔ جب کہ حصولِ ولایت کے لیے کسب و سعی درکار ہے)۔

(۱۰۶) اور اجزائے نبوّت میں سے جو چیز قابلِ تعدیہ تھی - اور وہ ہے جز ولایت جو نبوّت کے تحت مندرج ہے - وہ تو متعدی وساری ہوئی، اور جو چیز قابلِ تعدیہ نہیں وہ لازم رہی۔ اور وہ ہے خود نبوّت جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے خلافت بخشی ونامزدگی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے اور اُمتوں سے عہد ومیثاق لینے اور منصۂ شہود پر منصبِ رِسالت کے لیے کھڑا کرنے سے تمام پذیر ہوتی ہے۔ اور اُمّت کی تکمیل ظاہر اسی منصبِ نبوّت سے وابستہ ہے۔ ''تکمیل ظاہر'' سے میری مُراد محض ظاہری وسطحی تکمیل نہیں، بلکہ ایسی ظاہر وباہر تکمیل مُراد ہے جس میں کوئی خفا نہ ہو، بلکہ وہ علیٰ سبیل الاشتہار ہو پس حصۂ نبوّت پوری اُمّت کی علی الاعلان تکمیل کے لیے ہے، اور حصۂ ولایت خواص کی تکمیل کے لیے۔ اور وہ باطن ہے، نہ کہ ظاہر۔ اور اُمّت میں ساری ومتعدی ہے۔ پس نبوّت کا جزوِ اَخیر (جس پر نبوّت کا تحقق موقوف ہے) جس طرح کہ علتِ تامّہ کے جزوِ اَخیر پر معلول کا تحقق موقوف ہوا کرتا ہے، وہ یہی اِستخلاف وتولیت ہے، جو محض فعلِ الٰہی ہے اور بس۔ اب اگر تم نے اس نکتے کو سمجھ کر اس کا صحیح وزن کیا تو تمام (قادیانی) وساوِس سے ہمیشہ کے لیے نجات پالوگے (کیونکہ قادیانی کی جعلی نبوّت کی ساری عمارت اس ستون پر قائم ہے کہ اسے فیضانِ محمدی سے نبوّت حاصل ہوئی۔ اور گزشتہ بالا تحقیق سے ثابت ہوا کہ نبوّت ایسا متعدی کمال ہی نہیں جو ''فیضان'' کے ذریعے حاصل ہوجائے۔ یہ تو مِن جانب اللہ نامزدگی ہے، جس میں نہ کسی کے کسب وریاضت کو دخل ہے، نہ اِفاضہ وفیضان سے یہ حاصل ہوتی ہے۔ اور نہ بطورِ وراثت وسرایت میسّر آتی ہے۔ اس لیے فیضانِ محمدی سے نبوّت پانے کا دعویٰ کرنا ہی مدّعی کی غلط بیانی اور حقیقت نبوّت سے اس کی ناآشنائی کی دلیل ہے)۔

اور اگر خارج میں اس کی مثال چاہو تو تحصیلِ کمالاتِ امارت پر نظر کرو کہ عہدۂ ولایت وگورنری کے لیے جن کمالات کی ضرورت ہے ان کا حصول تو کسبی ہے، لیکن

کوئی شخص حاکم اور گورنر نہیں ہوسکتا جب تک کہ بادشاہ کی جانب سے اس کی تقرّری نہ ہوجائے۔ (بِلاتشبیہ اسی پر منصبِ نبوّت کو قیاس کرلیا جائے کہ محض نفسِ اِستعداد کی بناء پر آدمی ایک چپراسی بھی نہیں بن سکتا، تاوقتیکہ حاکمِ مجاز کی جانب سے اس منصب پر معین نہ کردیا جائے، تو محض اِدّعائے کمالات کی وجہ سے کوئی شخص نبی کیونکر بن سکتا ہے؟ جب تک کہ حق تعالیٰ کی جانب سے اس کی تقرّری کا اعلان نہ ہو!) اور یہ خیال نہ ہو کہ جب کمالاتِ نبوّت (انبیاء علیہم السلام میں) سب کے سب پہلے ہی سے موجود تھے تو پھر یہ اِستخلاف اور تولیتِ اِلٰہی تو محض ایک بالائی (اور زائد سی) بات ہوئی، اور چنداں لائقِ قدر و منزلت نہ ٹھہری۔ (کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے کمالات میں تو اس اِستخلاف سے کوئی اضافہ نہ ہوا، یہ خیال سراسر غلط ہے) کیونکہ بارگاہِ خداوندی سے کسی شخصیت کو بحیثیت خلیفہ کے چُن لیا جانا بذاتِ خود ایک ایسا امتیازی شرف ہے جو تمام کمالات وفضائل سے بلند و بالا ہے:

”اور اللہ چُن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے، اور اللہ بڑی وسعت والا، علم والا ہے۔“

(۱۰۷) اور معلوم رہے کہ نبوّت و رِسالت کے درمیان مفہوم کے اعتبار سے تغایر (ہے کہ دونوں کا مفہوم الگ ہے) اور (مصداق کے لحاظ سے دونوں کا ایک ہی محل میں) اجتماع ہے۔ دونوں کے درمیان کُل اور جز کی نسبت نہیں، اور صدق کے اعتبار سے عموم وخصوص ہے (کہ نبی عام ہے اور رسول خاص) بمنزلہ آیت: ”إِنَّهُۥ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۝٤١“ (سورۂ مریم:۴۱) کے۔

پس دراصل یہ دو الگ الگ وصف ہیں جو ایک محل میں جمع ہوسکتے ہیں، یا ان دونوں کے درمیان اِستلزام ہے (کہ رِسالت، نبوّت کو مستلزم ہے) پس یہ نہیں کہہ سکتے کہ: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین تو ہیں، مگر خاتم الرسل نہیں“ (کیونکہ رِسالت،

نبوّت کے بغیر نہیں پائی جا سکتی، پس جب آپ خاتم النّبیین ہوئے اور آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کا آنا ممتنع ہوا تو اس سے اَز خود یہ لازم آیا کہ آپ خاتم الرسل بھی ہیں) اور آیت میں عام بمقابلہ خاص کے واقع نہیں ہوا، بلکہ اس نکتے کی وجہ سے جو پہلے گزر چکا ہے نظمِ کلام کو خصوص سے عموم کی طرف بدل دیا گیا۔ اور اس قسم کی تبدیلی یا عمومِ اشخاص کے احاطہ کے لیے ہوتی ہے، یا کسی جز حقیقت کے استیفاء کے لیے۔

اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ: ''آپ ﷺ ان نبیوں کے تو خاتم ہیں جو خدا سے خبر پاتے ہیں، مگر ان رسولوں کے خاتم نہیں جن کو بھیجا جاتا ہے'' کیونکہ جس کو بھیجا جائے گا اسے خبر دینے کے بغیر تو نہیں بھیجا جائے گا۔ آج کل کے عُرف عام میں ''نبی'' کا لفظ ''رسول'' کے مقابلے میں شائع ہے۔ جیسا کہ آیتِ کریمہ: ''وَمَآ أَرۡسَلۡنَا مِن قَبۡلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ '' (سورۃ الحج: ۵۲) میں ایک قراءتِ شاذّہ ''ولا محدث'' کی زیادتی کے ساتھ آئی ہے (اس سے ان تینوں کا تقابل مفہوم ہوتا ہے) اور صدرِ کلام میں جو ''وَمَآ أَرۡسَلۡنَا'' واقع ہے اس سے یہ بھی لازم نہیں کہ معطوف (''نبی'' اور ''محدث'') پر ''مرسل'' کا اطلاق کیا جائے، کیونکہ توابع میں بہت سی (ایسی) چیزیں قابلِ تسامح ہوتی ہیں (جو اُصول میں نہیں رَوا ہوتیں)۔ خلاصۂ آیت یہ ہے کہ محمد ﷺ دائماً رسول ہیں، اور بااعتبار مستقبل کے (قیامت تک کے لیے) علی الاطلاق رسول ہیں۔ اور انبیائے گزشتہ کے اعتبار سے آپ ﷺ خاتم اور آخری نبی ہیں، اور آپ ﷺ کا یہ وصف غیر منقطع ہے۔

(۱۰۸) اس شقی (قادیانی) نے قرآن کے مساوی مرتبے کی وحی کا دعویٰ کیا (اندریں صورت) اگرچہ اس نے نبوّت کا دعویٰ (صراحۃً) نہ بھی کیا ہوتا (تب بھی اس کے مدّعیٔ نبوّت ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا، کیونکہ قرآن کی مثل قطعی وحی کسی نبی پر ہی نازل ہوسکتی ہے، چہ جائیکہ اس نے کھل کر) نبوّت و رِسالت کا بھی دعویٰ کیا اور (پھر اسی پر

بس نہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر) انبیائے کرام علیہم السلام کی توہین کی، تمام اُمّتِ حاضرہ کی تکفیر کی، بہت سے ضروریاتِ دِین کو رَدّ کیا، شریعت لانے کا دعویٰ کیا، انبیاء علیہم السلام کے خصائص کا اِدّعا کیا۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی نقّالی کی، دِین کے متواترات میں تحریف کی، اور شریعت کے بعض متواتر عقائد و مسائل کا مذاق اُڑایا۔ اور یہ تمام اُمور باجماعِ اُمّت، کُفر و اِلحاد اور زندقہ کی صورتیں ہیں۔

(۱۰۹) اور وہ کبھی انعکاس کو غیرتشریعی نبوّت کے مغائر بھی کہتا تھا۔ چنانچہ ''کادیہ'' (ج:۱ ص:۱۰۷) میں اخبار ''بدر'' (قادیاں، مؤرخہ ۱۷، اپریل) ۱۹۰۳ء سے (قادیانی کا یہ قول) نقل کیا ہے (کہ ''محی الدین بن عربی کہتے ہیں کہ نبوّت غیرتشریعیہ جاری ہے، مگر میرا اپنا مذہب یہ ہے کہ یہ نبوّت بھی مسدود ہے، صرف انعکاسِ نبوّت جاری ہے'') پھر (اس کے باوجود نہ صرف غیرتشریعی نبوّت کا، بلکہ) تصریح وتحدّی کے ساتھ صاحبِ شریعت ہونے کا دعویٰ بھی کیا۔ اور اگرچہ اس نے ''شریعتِ جدیدہ'' کا لفظ نہیں بولا، مگر اس کے افعال واقوال کو وہ بھی لازم ہے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ اس نے ''صاحبِ شریعت'' کی ایک تیسری قسم اِختراع کرکے اپنے آپ کو اس قسم کا صاحبِ شریعت قرار دیا ہے (جیسا کہ اربعین صفحہ: ۴ تا ۶ و ۷) کے متن وحاشیہ میں (اپنے صاحبِ شریعت ہونے کا) چیلنج دیا ہے اور اپنی اُمّت بنائی، اور اس نئی قسم کی شریعت کے ذریعے نجات کو اپنی اِتباع میں منحصر ٹھہرایا، اور اپنے منکروں کو علی الاعلان کافر کہا۔ (۱)

---

(۱) ''عقائدِ مرزا'' صفحہ:۶، ''مرقع کادیانی'' صفحہ:۵۲، ''عجائباتِ مرزا'' صفحہ:۷: ''پس میں وہی مظہر ہوں، پس ایمان لا اور کافروں سے مت ہو۔'' اَز ''حقیقۃ الوحی'' ص:۱۸۳ و ''عشرۂ کاملہ'' ص:۵۵ اَز ''خط کادیانی وترکِ مرزائیت'' ص:۵۲: ''جو مجھے نہیں مانتا خواہ وہ زبان سے میرے حق میں کوئی بُرا لفظ نہ کہتا ہو، کافر ہے۔'' ''تحقیق لاثانی'' ''جبکہ خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں۔''

.......(باقی اگلے صفحے پر

(۱۱۰) ''بروز'' اہلِ تناسخ کی اِصطلاح ہے، جیسا کہ مزدکؔ اور لامانؔ نے دعویٰ کیا تھا، ادیانِ سماوی، شریعتِ مطہرہ اور تحقیقاتِ علمائے اسلام میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اور نہ ظلّیت ہی دِینِ اسلام کے محاورے میں آئی ہے، اور جب تک (قرآن وحدیث میں کسی لفظ کا) محاورہ جاری نہ ہو، تب تک (اس لفظ کو مدار بنا کر) نصوص میں تحریف کرنا زَندقہ واِلحاد ہے، اور محاورے میں قیاس مسموع نہیں، جیسا کہ کوئی شخص فارسیوں کے محاورے پر قیاس کرکے عربی میں ''اکل الحلف'' یا ''اقتلي السراج'' کہنے لگے اور نہ پیغمبرِ اسلام (ﷺ) نے ہی اس (ظلّی وبروزی) حقیقت کو تسلیم فرمایا، چنانچہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ سے) فرمایا: ''تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے، جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی، مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔'' (مشکوٰۃ، ص:۵۶۳) (اگر کسی ظلّی وبروزی نبوّت کی گنجائش ہوتی تو آپ ﷺ اس کو مستثنیٰ فرمادیتے)۔

اور تیس دجالوں والی حدیث (مشکوٰۃ، ص:۴۶۵) (میں بھی آپ ﷺ نے ظلّی وبروزی کا اِستثناء کیے بغیر ہر مدّعیٔ نبوّت کو دَجال وکذّاب قرار دیا) اور نہ قصرِ نبوّت میں کسی اینٹ کی جگہ باقی چھوڑی گئی (کہ ظلّی بروزی نبوّت کو وہاں رکھ دیتے) اور حدیثِ دجالین میں مدارِ حکم بس دعویٔ نبوّت ہے، نہ کہ کسی خاص تعداد کا شمار۔

(۱۱۱) اور آیت: ''هُوَ ٱلَّذِي بَعَثَ فِي ٱلۡأُمِّيِّـۧنَ رَسُولٗا مِّنۡهُمۡ -الي قوله- وَءَاخَرِينَ مِنۡهُمۡ لَمَّا يَلۡحَقُواْ بِهِمۡۚ (سورۃ الجمعہ:۲-۳) میں (ملحدِ قادیان نے یہ نکتۂ اِلحاد پیدا کیا کہ آنحضرت ﷺ کا دوبار مبعوث ہونا مقدّر تھا، ایک دفعہ عرب کے اُمیوں میں، اور دوسری دفعہ ''ءَاخَرِينَ مِنۡهُمۡ'' میں۔ چنانچہ آپ پہلی دفعہ بشکل محمد ﷺ مکہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)........

''کادیانی کا خط بنام ڈاکٹر عبدالحکیم خاں''۔ ''علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول بھی نہیں مانتا۔'' ''حقیقۃ الوحی'' ص:۱۶۳، اور اس کی عبارت ''عشرہ کاملہ'' ص:۱۱۴ میں دیکھ لی جائے، جس میں اس نے اپنی تحقیق کے مطابق حضرت مریم صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف زِنا کی نسبت کی ہے- والعیاذ باللہ- منہ

فہرست

مبعوث ہوئے اور دوسری بار -نعوذ باللہ- مرزا غلام احمد کی بروزی شکل میں قادیان میں پیدا ہوئے۔ اس لیے مرزا غلام احمد، عین محمد ہے، وہی خاتم الانبیاء ہے، اور مرزا غلام احمد کی بروزی بعثت، اپنی رُوحانیت میں محمدی بعثت سے بڑھ کر اقویٰ اور اکمل اور اَشدّ ہے۔ (دیکھو: ''خطبۂ اِلہامیہ'' ص:۱۸۱) اس الحاد کے صاف معنی یہ ہیں کہ تیرھویں صدی کے خاتمے پر مکہ والی محمدی بعثت کا دور ختم ہولیا، پہلی بعثت منسوخ ہوگئی، اور چودھویں صدی سے قادیانی بعثت کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ من الغباوۃ والغوایۃ! حالانکہ جس آیتِ کریمہ پر اس کُفر واِلحاد کی یہ ساری عمارت کھڑی کی گئی ہے، اس کو) آنحضرت ﷺ کی دو بعثتوں سے -جو اس ممسوخ الفطرت ملحد نے ایجاد کی ہیں- ذرا بھی مس نہیں۔ تعدّد نفسِ فعل میں نہیں، بلکہ اس کے محل اور متعلّق میں ہے (پس آیت کا مفہوم یہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ جس طرح پہلی بار اُمیوں میں تشریف لائے ہیں، اسی طرح ''آخرین'' میں دوبارہ آئیں گے، بلکہ آیت کا مدّعا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی یہی بعثت جو اُمیوں میں ہوئی ہے، وہ صرف عرب کے اُمیوں تک محدود نہیں، بلکہ اس کا دامن قیامت تک بعد میں آنے والے عجمیوں پر بھی محیط ہے) اور آیت کا مضمون اس فقرے کی مانند ہے: ''المبعوث إلي الأسود والأحمر والمبعوث إلي العرب والعجم'' (کیا کوئی معمولی عقل وفہم کا آدمی بھی اس کے یہ معنی کرے گا کہ آپ ﷺ کی دو بعثتیں ہیں، ایک کالوں کی طرف اور دوسری گوروں کی طرف؟ ایک عرب میں اور دوسری عجم میں؟) اور یہاں تو اس قاعدے کی بھی حاجت نہیں جو نحویوں نے بیان کی ہے کہ: ''توابع میں ان اُمور کو لائقِ مسامحہ سمجھا جاتا ہے، جن کو اُصول اور متبوعات میں نہیں سمجھا جاتا'' اس قاعدے کی ضرورت شاید آیتِ اَحقاف: ''وَٱذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُۥ بِٱلْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ ٱلنُّذُرُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِۦٓ'' (الاحقاف:۲۱) میں پیش آئے۔ فقہاء نے اس سلسلے میں بڑی موشگافیاں کی ہیں کہ کہاں قسم ایک ہوتی ہے اور کہاں متعدّد؟

(مگر آیتِ زیرِ بحث میں تعددِ بعثت کا اِلحادی نکتہ ملحدِ قادیاں کے سوا کسی فقیہ کو نہیں سوجھا) اور یہ ملحد، آیت: ”هُوَ سَمَّىٰكُمُ ٱلْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هَٰذَا“ (الحج:۷۸) میں کیا کہے گا؟ (کیا یہاں بھی تعددِ تسمیہ کا قائل ہوگا؟) اور میں نے ”عجائباتِ مرزا“ میں دیکھا کہ اس نے ”وَءَاخَرِينَ مِنْهُمْ“ میں تقدیرِ عبارت ”وفي اٰخرين رسولًا منهم“ سمجھی اور دو بعثتیں پیدا کرلیں۔ اور یہ مسخِ فطرت ہے جو کسی ایسے شخص کو، جسے عربیت سے ادنیٰ مس بھی ہو، پیش نہیں آسکتی۔ کیونکہ زیرِ بحث آیت میں ”رسول“ کو ”آخرین“ میں سے نہیں فرمایا، بلکہ خود ”آخرین“ کو (جن کا مصداقِ اوّل اہلِ فارس ہیں) اُمیوں میں سے فرمایا ہے (اور انہیں ”اُمّی“ اس لیے کہا گیا ہے) کہ یہ اہلِ عجم (بھی عربوں کی طرح) اہلِ کتاب نہیں تھے۔ پس فہمِ عبارت میں ایسی رُسوا کن غلطیوں کے باوجود اس سے کیا توقع رکھتے ہو؟ (نبوّت یا مسیحائی کی؟ استغفراللہ!) ہاتھ اس کے دِین وفہم سے یکسر اُٹھالو، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلي العظیم!

(۱۱۲) اور (مرزا قادیانی بروز وظلّیت کے دعوے میں منفرد نہیں، بلکہ) بہت سے زِندیق ہمیشہ یہی کرتے آئے ہیں کہ کسی مشہور شخصیت کے بعد، جس کا شہرہ چاردانگ عالم میں تھا، یا تو اس کے حلول وبروز کا دعویٰ کردیا، جیسا کہ (علی محمد) باب نے (مظہرِ ائمہ ہونے کا دعویٰ) کیا تھا، اور یا ”بہاء اللہ“ کی طرح اپنے استقلال اور شریعتِ سابقہ کے نسخ کا دعویٰ کیا، (اور لطف یہ کہ مرزا قادیانی نے اپنے دو بعثتی نظریے میں ان دونوں طریقوں کو جمع کرلیا، اپنی آمد کو آنحضرت ﷺ کی بروزی آمد قرار دینے میں باب کے نقشِ قدم کا تتبع کیا، اور آپ ﷺ کی پہلی بعثت کے منسوخ ہونے کا اعلان کرنے میں ”بہاء اللہ“ کی پیروی کی، بہرحال) یہ اپنی اَغراضِ مشؤمہ کی بجاآوری کا ایک ڈھنگ ہے جو شیطان وقتاً فوقتاً بدقسمت اور بے توفیق لوگوں کو تلقین کرتا آیا ہے۔

(۱۱۳) البتہ ”ظل اللہ“ ایک محاورہ ہے، (چنانچہ حدیث میں ہے: ”السلطان ظل اللہ

في الارض‘‘ (جامع صغیر، ج:۲ ص:۳۸، بحوالہ طبرانی وبیہقی) یعنی: ’’عادل بادشاہ زمین پر خدا کا سایہ ہے‘‘ اور بادشاہ کو ’’خدا کا سایہ‘‘ کہنا) یا تو سایۂ درخت کے ساتھ تشبیہ دینے کے اعتبار سے ہے کہ (جس طرح درخت کے سائے میں لوگ آرام کرتے اور تھک ہار کر پناہ لیتے ہیں، اسی طرح) اس کے سائے میں پناہ لیتے اور آرام پکڑتے ہیں۔ یا یہ اضافت تشریف اور بیانِ بزرگی کے لیے ہے، جس طرح ’’خدا کا گھر‘‘ وغیرہ (کے الفاظ اظہارِ شرف کے لئے بولے جاتے ہیں)۔

(۱۱۴) (مرزا کو ظلّی نبوّت کا دعویٰ ہے، سوال یہ ہے کہ یہ ظلّی نبوّت، واقعۃً نبوّت ہے یا نہیں؟) اس ظلّیت میں اگر نبوّت واقعۃً حاصل ہے تو ’’مُہرِ نبوّت‘‘ ٹوٹ گئی، کیونکہ مُہرِ نبوّت کا مقصد تو یہ تھا کہ نبوّت کسی کو حاصل نہ ہو، یہ مقصد تو نہیں تھا کہ ظاہری صورت کے اعتبار سے مُہر ٹوٹنے سے محفوظ رہے (خواہ سَر بمہر صندوق کے اندر کی ساری چیز چُرالی جائے)۔ اور اگر نبوّت واقعۃً حاصل نہیں تو (نبوّت کا دعویٰ کرنا اور اس کے) منکروں کو کافر کہنا بجائے خود کُفر ہے۔

اور خیال ہے کہ اگر کسی کو کہا جائے کہ: ’’اس مقفل صندوق کو نہ کھولنا!‘‘ اور وہ کھولے بغیر سالم صندوق ہی چُرالے جائے۔ یا یہ کہا جائے کہ: ’’اس صندوق کو نہ چُرانا!‘‘ اور وہ صندوق کو چھوڑ کر اس کے اندر سے سارا مال نکال لے جائے۔ جس طرح کسی خان صاحب کی قبا کا قصہ ہے، (تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس نے حکم کی تعمیل کی ہے اور قائل کے منشا کے مطابق عمل کیا ہے؟ اور اگر اس کے باوجود وہ اِصرار کرے کہ: ’’میں نے تو حکم کی تعمیل کی ہے!‘‘ تو یہی کہا جائے گا کہ یہ شخص قائل کا مذاق اُڑاتا ہے۔ ٹھیک یہی مثال مرزا قادیانی کی ظلّی نبوّت کی ہے، قرآنِ کریم نے اعلان کیا کہ آنحضرت ﷺ سلسلۂ انبیاء کے آخری فرد ہیں، آپ ﷺ کے بعد خزانۂ نبوّت سر بمہر کردیا، آئندہ کوئی شخص اس مُہر کو توڑنے کی جرأت نہ کرے۔ غلام احمد قادیانی نے

کہا کہ: ''میں نے سیرتِ صدیقی کی کھڑکی سے گزر کر نبوّت پائی ہے، اور مجھ پر ظلّی طور پر نبوّتِ محمدی کی چادر چڑھائی گئی ہے، لہٰذا میرے دعوائے نبوّت سے ختمِ نبوّت کی مُہر نہیں ٹوٹی۔'' دیکھئے: ''ایک غلطی کا اِزالہ'' از مرزا غلام احمد قادیانی) اور یہ درحقیقت قرآن وشریعت کے ساتھ تمسخر اور قائل (یعنی اللہ تعالیٰ) کی تحمیق ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم!

(اس سے معلوم ہوا کہ ''ظلّیت''، ''بروز'' اور ''سیرتِ صدیقی'' وغیرہ الفاظ محض دعوائے نبوّت کی پردہ داری کے لیے تاویل اور سخن سازی ہے) اور اس قسم کی تاویلیں اور سخن سازیاں بے ایمانوں کا گروہ ہمیشہ کرتا آیا ہے (اسلام کی تیرہ چودہ سو سالہ تاریخ میں جن لوگوں نے بھی نبوّت، مسیحیت یا مہدویت کا دعویٰ کیا، انہوں نے کوئی نہ کوئی تاویل ضرور گھڑی، یہی حال دَجالِ قادیان کا ہے)۔

(۱۱۵) اور (جس طرح مرزا نے ظلّیت و بروز کی تاویلات سے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے، اسی طرح) اگر کوئی شخص چاہے تو اُلوہیت میں بھی بروز وظلّیت کا دعویٰ کرکے (نعوذ باللہ! ظلّی خدا بن سکتا اور) کُفر کی طرحِ نو ڈال سکتا ہے۔ اور شاید اس لعینِ قادیان نے بروزِ اُلوہیت کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنا یہ اِلہام گاتا ہے (جس میں خدا اس سے کہتا ہے) کہ: ''(اے مرزا!) تُو مجھ سے بمنزلہ میرے بروز کے ہے'' اور اس سے واضح تر ''حقیقۃ الوحی'' (ص:۱۵۴) کی مندرجہ ذیل عبارت ہے:

> ''میرے وقت میں فرشتوں اور شیاطین کا آخری جنگ ہے، اور خدا اس وقت وہ نشان دِکھائے گا جو اس نے کبھی نہیں دِکھائے، گویا خدا زمین پر خود اُترے گا۔ جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے: ''یوم یأتي ربك في ظلل الغمام'' یعنی اس دِن بادلوں میں تیرا خدا آئے گا، یعنی انسانی مظہر کے ذریعہ سے اپنا جلال ظاہر کرے گا اور اپنا چہرہ دکھلائے گا۔''

(اَز ''علم کلام مرزا'' ص:۴۵)

اور اس پر طرہ یہ کہ (خدائی بروز کے شوق میں) آیت بھی محرّف ہی نقل کی، اور مزید طرہ یہ کہ اِسمِ ''احمد'' پر قبضہ کرنے کے لیے وہ اپنے تئیں جمالی رنگ میں پیش کیا کرتا ہے، مگر یہاں آ کر اس کے شیطان نے اسے (فلسفۂ جمال) فراموش کرا دیا، اور جلال کا دعویٰ کر ڈالا۔ اور اس سے بھی واضح تر عبارت ''کاویہ'' (ص:۳۸) میں دیکھئے۔

(۱۱۶) (مفہومِ کلام کا) مدار الفاظ پر ہے یا علل واغراض؟ (یہ ایک بہت ہی نازک اور دقیق بحث ہے) اور دونوں کے موقع محل کی تمیز کرنا (کہ کس جگہ الفاظ پر مدار ہے؟ اور کہاں اغراض ومقاصد پر؟) یہ علم وایمان کا کام ہے۔ اِلحاد وزَندقہ کا کام نہیں۔ اور یہ اَسوَد کاذب (غلام احمد قادیانی ایمان وعلم دونوں سے محروم ہے، یہی وجہ ہے کہ اس نے ''ایک غلطی کا اِزالہ'' میں آیتِ ختمِ نبوّت کی جو تقریر کی ہے، وہ منشائے متکلم، نصوصِ قطعیہ، اُصولِ شرعیہ اور اِجماعِ اُمّت کے خلاف اور سراسر اِلحاد وزَندقہ ہے۔ اور ستم بالائے یہ کہ وہ اسی تقریر میں) اپنی نبوّت کو حقیقۃً کہتا ہے اور محمدیت کو ''ظلّی'' ہانکتا ہے۔ زِندیقوں کی طرح عوام کو فریب دہی اور ملمع کاری کے سوا اور کوئی وظیفہ نہیں رکھتا۔ جہان میں ہمیشہ یونہی ہوتا آیا ہے۔

(۱۱۷) اور (لعینِ قادیان نے تو حصولِ نبوّت کے لیے ''فنا فی الرسول'' کو شرط قرار دِیا ہے، لیکن) کوئی دوسرا شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے، کہ اس منصب کے حصول کے لیے ''فنا فی الرسول'' بھی شرط نہیں، بس خالی ایمان کافی ہے، کیونکہ فنا (نہ صرف یہ کہ واجب نہیں، بلکہ من جملہ ان اِصطلاحات کے ہے جو خیر القرون کے بعد اِختراع کی گئیں۔ اور خلافِ ظاہر بھی ہے، بخلاف ایمان کے کہ وہ حق تعالیٰ کی جانب سے واجب اور مامور بہ ہے۔

(۱۱۸) اور معلوم رہے کہ اس مخذول کے اتباع واذناب اس کی رہی سہی کسر پوری کرنے کے لیے نئی نئی تحریفات تراشتے رہتے ہیں۔ ۱- اس کی تحریف تو یہی تھی جو ابھی

گزری (کہ حصولِ نبوّت کے لیے فناء فی الرسول، اور ظلّیت کا دروازہ کھلا ہے)۔

۲- یا یہ کہ تشریعی نبوّت کا دروازہ بند ہے، غیر تشریعی کا بند نہیں۔ ۳- یا یہ کہ شریعتِ جدیدہ کا آنا ممنوع ہے، مطلق شریعت ممنوع نہیں۔ مگر اس کے ناخلف اور تحریفیں کرتے ہیں۔ (مثلاً ایک تو) محاورۂ عامیہ (''خاتم المحدّثین'') پر قیاس کرنا ہے (اس کی بحث گزر چکی)۔ اسی طرح (دوسری تحریف) یہ کہ خاتم النّبیین (کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ) دوسروں کی نبوّت کے لیے مُہرِ اِعتبار ہیں (پس آئندہ وہی نبوّت معتبر ہوگی جس پر آپ ﷺ کی مُہر ہوگی) اور یہ معنی بھی (خدا و رسول سے) تمسخر ہے، کیونکہ مُہرِ اِعتبار اگر لگاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ لگاتے ہیں (نہ کہ رسول اللہ ﷺ، اب اگر ''خاتم النّبیین'' کے معنی ہوں: ''نبیوں کی نبوّت پر مُہرِ تصدیق ثبت کرنے والا'' تو یہ خدا تعالیٰ کی صفت ہوئی، اندریں صورت خدا تعالیٰ کو ''خاتم النّبیین'' کہنا چاہیے نہ کہ رسول اللہ ﷺ کو) نیز ''خاتم'' اس جگہ بدون تقدیر ''علیٰ'' واقع ہے، جو مُہر لگانے کے معنی کے لیے زیبا نہیں، کیونکہ (خاتم النّبیین کی ترکیبِ اضافی میں) مضاف الیہ مفعول بہٖ کے معنی میں ہے، نیز اس صورت میں ''لَٰكِن'' کے ماقبل و مابعد کے درمیان ربط و اتساق فوت ہوجاتا ہے، جو عربیت میں (استعمال ''لَٰكِن'' کے لیے) شرط (قرار دیا گیا) ہے، کیونکہ بالغ مَردوں میں سے کسی کا باپ ہونے اور اِعتبارِ نبوّت کی مُہر ہونے کے درمیان کسی طرح بھی نسبتِ تبادل نہیں، بلکہ دونوں بیک وقت جمع ہوسکتے ہیں، اور اس سے وہ ربط و اتساق فوت ہوجاتا ہے، جو ''لَٰكِن'' کے لیے شرط تھا۔ شرطِ اتساق کی بحث کُتبِ اُصول میں اور قصرِ قلب کی بحث کُتبِ معانی میں دیکھ لی جائے، اور ''مغنی'' اِبنِ ہشام میں تصریح کی ہے کہ لفظ ''لَٰكِن'' نفی کے بعد ٹھیک ''بل'' کے بمنزلہ ہے۔

(۱۱۹) ''مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ'' کی نفی سے وہم ہوتا تھا کہ نہ معلوم

اور کن کن چیزوں کی نفی ہوگی؟ اس وہم کے اِزالے کے لیے فرمایا: ''وَلَٰكِن رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ'' یعنی یہ مثبت ہے، پس اِستدراک کی شرط پوری ہوگئی۔ اور اُبوّت اور ختمِ نبوّت کے درمیان تدافع ہے، کیونکہ اُبوّت توریث کو متضمن ہے، اور ختمِ نبوّت عدمِ توریث کو متضمن ہے، پس قصرِ قلب کی شرط پوری ہوگئی۔

(۱۲۰) البتہ (قصرِ قلب میں اُن دو چیزوں کے درمیان، جن میں سے ایک کی نفی اور دوسری کا اثبات کیا جاتا ہے، تدافع شرط ہے یا نہیں؟ اس مسئلے میں علمائے معانی کی آراء مختلف نظر آتی ہیں۔ چنانچہ صاحبِ ''تلخیص'' تدافع کو شرط قرار دیتے ہیں، اور ''سکاکی'' کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ شرط نہیں، بہرحال) جن لوگوں نے تدافع کو شرط قرار دیا انہوں نے اُس صورت میں جبکہ مخاطب دو چیزوں میں سے کسی چیز کا بھی معتقد نہ ہو (قصر کی ایک تیسری قسم) ''قصرِ تعیین'' کا اضافہ کیا۔ چنانچہ خطیب قزوینی صاحبِ ''تلخیص'' نے یہی کیا ہے اور ''سکاکی'' نے تدافع سے سکوت کیا تو قصرِ تعیین سے بھی سکوت کیا۔ اور احقر کے نزدیک (اس مبحث میں قولِ فیصل یہ ہے کہ قصرِ قلب میں فی الجملہ تدافع ضروری ہے لیکن) تدافع میں بس اسی قدر منافات کافی ہے جو لفظ ''اِمّا'' بالکسر (جو اَحد الامرین کے لیے ہوتا ہے) کی تردید میں ہوا کرتی ہے، یعنی (تدافع کلّی ضروری نہیں، بلکہ) ایسا تدافع ہونا چاہیے جو بہ لحاظ مقام، متکلم و مخاطب کی گفتگو میں منعقد ہوتا ہے، (بہرحال اگرچہ ''سکاکی'' نے تدافع کو شرط قرار نہیں دیا، لیکن) اس کے باوجود (قصر کی تعریف میں) ''سکاکی'' کا یہ قول کہ: ''ثابت کرنا ایک چیز کا، نہ دوسری چیز کا۔ یا ثابت کرنا ایک چیز کا بجائے دوسری چیز کے۔'' باعتبار غرضِ متکلم اور مقصودِ عبارت کے اپنی جگہ صادق و مطرد ہے، خارج میں خواہ جیسا حال بھی ہو۔

(۱۲۱) اور ہماری زیرِ بحث آیت میں ایک اور بات بھی لائق توجّہ ہے، وہ یہ کہ (آیت میں اُبوّت اور ختمِ نبوّت کے درمیان تقابل قائم کرکے اُبوّت کی نفی اور ختمِ نبوّت کا

اثبات کیا گیا ہے، اور) اُبوّت بذاتِ خود توریث کو متضمن و مستلزم ہے، پس (اگر ختمِ نبوّت بھی توریث کے لئے ہو جیسا کہ قادیانی کہتے ہیں، تو) اُبوّت اور توریث کے درمیان تقابل قائم (کر کے ایک کی نفی اور دوسرے کا اثبات) کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ اسی طرح آیتِ کریمہ: ”وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿١٥٧﴾ بَل رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ“ (النساء: ۱۵۷) میں (رفع سے رفع درجات مُراد لینا غلط ہے کیونکہ کسی نبی کا شہید اور قتل ہو جانا بذاتِ خود (اس کے) رفع درجات کو مستلزم ہے، اور (اس صورت میں قتل اور رفع کے درمیان) مقابلہ صحیح نہیں۔ اور نہ اس رفع سے اُس نزول کی، جو حدیث میں وارد ہے، مطابقت صحیح بیٹھتی ہے (قرآنِ کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قتل کی نفی کر کے اُن کے رفع الی السماء کا ذِکر کیا ہے، اور حدیثِ متواتر میں ان کے نزول من السماء کا ذِکر ہے۔ اب اگر رفع و نزول دونوں جسمانی لیے جائیں، جیسا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے، تب تو رفع و نزول کے درمیان مطابقت صحیح ہے، اور اگر مرزائی عقیدے کے مطابق رفع سے بلندیٔ درجات مُراد لی جائے تو اس کے مقابلے میں نزول من السماء سے -نعوذ باللہ- پستی و ذلّت مُراد لینا ہوگی)[1] بخلاف ”ما زید بشاعر ولٰکنّہٗ کاتب“ کے کہ یہاں مقابلہ

(۱) فائدہ زائدہ: حق تعالیٰ نے سورۂ آل عمران، میں دو لفظ جمع کیے ہیں: ۱- توفی یعنی اپنی چیز کو وصول کر لینا، ۲- اور رفع (یعنی اُٹھا لینا) اور سورۂ النساء اور مائدہ میں ان دونوں لفظوں کو تقسیم کر دیا ہے، چنانچہ سورۂ نساء میں لفظ ”رفع“ بمقابلہ قتل کے ذِکر فرمایا، اور ”مائدہ“ میں لفظ توفی بمقابلہ ”ما دمت فیھم“ کے ذِکر کیا۔ اس تقسیم و مقابلے سے ان دونوں لفظوں کا مفہوم پورے طور پر واضح ہو گیا کہ آلِ عمران میں توفی کے معنی ہیں: ”اپنی چیز کو وصول کر لینا اور واپس لے لینا جو مقابل ہے ان کے درمیان ٹھہرنے اور رہنے کے۔ اور رفع ایک ایسا امر اور ایسی چیز ہے جو قتل کے مقابل ہے۔ (اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ توفی اور رفع کا مفہوم اور مصداق الگ الگ ہے) یہ نہیں کہ توفی اور رفع تغایر مفہوم کے باوجود مصداق میں متحد ہوں، کہ دونوں سے طبعی موت مُراد ہو، کیونکہ (اگر قرآنِ کریم کا مقصد یہ ہوتا کہ عیسیٰ علیہ السلام قتل نہیں ہوئے، بلکہ طبعی موت سے مرے تو پھر) قتل کے مقابلے میں ایسا لفظ آنا چاہیے تھا، .... (باقی اگلے صفحے پر)

بہ لحاظ خصوصیتِ مقام کے ہے (کیونکہ متکلم اور مخاطب دونوں اس پر متفق ہیں کہ زید شعر

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)......

جو خاص طور سے صرف طبعی موت پر ہی دلالت کرتا، نہ کہ کوئی عام اور مبہم سا لفظ (جس سے طبعی موت کے معنی تیرہ چودہ صدی میں کسی ایک عالم نے بھی نہیں سمجھے) کون نہیں جانتا کہ ''رفعِ جسمانی'' کے لیے تو یہی ایک لفظ ''رفع'' ہے، جبکہ ''موت'' کے لیے یہ لفظ موضوع نہیں، بلکہ اس کے لیے دوسرے صریح الفاظ موجود ہیں، کیونکہ اگر ''رفع'' کے معنی ''ان کے درمیان سے اُٹھالینا اور غائب کردینا'' بھی لیے جائیں تب بھی اس سے خاص موت طبعی کا مفہوم کسی طرح ادا نہیں ہوتا۔

اور (''رفع'' کے معنی طبعی موت لینا اس لیے بھی غلط ہے کہ اس صورت میں) لفظ ''رفع'' ''نزول'' کے مطابق نہیں رہتا، حالانکہ حدیث میں نزول، رفع کے مقابلے میں بطور صنعتِ طباق کے آیا ہے (یعنی قرآنِ کریم تو اعلان کررہا ہے کہ یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو ہرگز قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف یعنی آسمان پر اُٹھالیا۔ اِدھر حدیث متواتر آپ علیہ السلام کے نزول من السماء کا اعلان کررہی ہے، اب اس ''رفع'' اور ''نزول'' کو آمنے سامنے رکھ کر دیکھو تو کون کہہ سکتا ہے کہ آیت میں ''رفع'' کے معنی ''طبعی موت'' کے ہیں۔

اور سیاقِ کلام سے ظاہر یہ ہے کہ قرآنِ کریم دراصل اُس سبب کو بیان کرنا چاہتا ہے جس کی وجہ سے لوگوں پر اصل واقعہ مشتبہ ہوکر رہ گیا (چنانچہ قرآنِ کریم نے پہلے تو یہود کا یہ بے بنیاد دعویٰ نقل کیا کہ ''انہوں نے مسیح بن مریم رسول اللہ کو قتل کر ڈالا'' پھر اُن کے اس دعویٰ کو تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ ''انہوں نے نہ تو آپ علیہ السلام کو قتل کیا، نہ صلیب دی، بلکہ انہیں اس معاملے میں اشتباہ اور دھوکا ہوا، اور اسی اشتباہ کا کرشمہ ہے کہ جو لوگ اس بارے میں مختلف باتیں بناتے ہیں، وہ شک وشبہ کی وادیوں میں بھٹک رہے ہیں، انہیں حقیقتِ واقعیہ کی کچھ بھی خبر نہیں، وہ محض اٹکل پچو قیاس آرائیاں کررہے ہیں۔'' اب اس کے بعد موقع تھا کہ انہیں کھول کر بتادیا جائے کہ ان لوگوں کے اشتباہ و حیرانی کا منشا دراصل کیا ہے۔

چنانچہ فرمایا: ''وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿١٥٧﴾ بَل رَّفَعَهُ ٱللَّهُ إِلَيْهِ'' یعنی لوگوں کے حیرت واِشتباہ میں مبتلا ہونے کا اصل سبب یہ ہے) کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل نہیں ہوئے تھے، بلکہ اس کے بجائے انہیں اُٹھالیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ طبعی موت کبھی اشتباہ کا موجب نہیں ہوتی، (ہر شخص سَر کی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے کہ فلاں شخص مرچکا ہے) اشتباہ کا موجب اگر تھا تو موت سے قبل آپ کا گم پایا جانا ہوسکتا تھا۔ اور (اسی کو قرآن نے ''بَل رَّفَعَهُ ٱللَّهُ إِلَيْهِ'' کہہ کر ذکر فرمایا۔

.........(باقی اگلے صفحے پر)

وکتابت کے دونوں اوصاف سے متصف نہیں، بلکہ صرف ایک وصف اس میں پایا جاتا

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)......

پس اگر ''رفع'' کے معنی طبعی موت کے لیے جائیں تو چونکہ موت سے قبل کی گمشدگی (جو موجب اشتباہ تھی) یہاں مذکور نہیں (تو گویا قرآنِ کریم نے اشتباہ کا اصل سبب بیان کرنا چاہا، مگر -نعوذ باللہ- اس کے بیان کرنے سے قاصر رہا کہ (جو چیز موجب اشتباہ تھی اس کو ذِکر نہیں فرمایا اور جس کو ذِکر فرمایا وہ موجبِ اشتباہ نہیں) حالانکہ اصل مقصود کو ترک کر دینا اور اس سے تعرض نہ کرنا اصل حقیقت پر پردہ ڈالنے کے مُرادف ہے اور اصل مقصود کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر کی غیر متعلّق باتوں کو لے دوڑنا بلاغت نہیں، بلکہ کوتاہ بیانی اور مافی الضمیر کے ٹھیک ٹھیک اظہار سے عجز و درماندگی ہے۔''تعالي الله عن ذالك علوّ اکبیراً''!

اور (پھر یہاں آیتِ کریمہ میں تو ''قتل'' اور ''رفع'' کے درمیان تقابل قائم کر کے اوّل الذکر کی نفی اور مؤخر الذکر کا اثبات کیا گیا ہے، حالانکہ) ''قتل'' کا تقابل لفظ ''موت'' کے ساتھ بھی دائمی نہیں (بلکہ موت کا لفظ قتل پر بھی بولا جاتا ہے) چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام قتل ہوئے تھے، مگر قرآنِ کریم نے اسے ''وَيَوْمَ يَمُوتُ'' (مریم:۱۵) سے تعبیر کیا ہے، (اس سے ثابت ہوا کہ اگر ''رفع'' کے معنی ''موت'' لیے جائیں تب بھی ''قتل'' اور ''رفع'' کے درمیان تقابل صحیح نہیں، لہٰذا ''رفع'' کے معنی موت کسی طرح نہیں ہوسکتے، بلکہ ''رفع جسمانی'' کے معنی متعین ہیں، ورنہ قتل کی نفی اور ''رفع'' کے اثبات کے کیا معنی تھے؟

الغرض قرآنِ کریم نے وجہ اشتباہ کو ذِکر فرمایا۔ اور (وجہ اشتباہ تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اُٹھالیا جانا) اسی مقصد کے لیے قتل کی نفی کرتے ہوئے ''یقیناً'' کا لفظ بڑھایا، ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمری بیان کرنا قرآنِ کریم کا مقصد نہیں۔ موت طبعی (موجبِ اشتباہ نہیں ہوسکتی کیونکہ موت) تو اس وقت تک (قادیانی ملاحدہ کے نزدیک بھی واقع) نہیں ہوئی تھی، اور زمانۂ مابعد کی موت کو (اگر وہ بالفرض واقع ہوئی ہوتی) اس اشتباہ میں کیا دخل تھا؟ (کہ اس کا تذکرہ کیا جاتا) موت دُنیا میں سبھی کو آتی ہے، اس سے آخر کونسا اشتباہ پیدا ہوجاتا ہے؟ اشتباہ کا موجب تو وہ رفع جسمانی تھا جو اس وقت وقوع پذیر ہوا۔ خوب سمجھ لو۔ (باقی اگلے صفحے پر)........

ہے، لیکن متکلم ومخاطب کا اس میں اختلاف ہے کہ زید میں جو وصف پایا جاتا ہے وہ شاعری ہے یا کتابت؟

مخاطب کا زَعم ہے کہ وہ شاعری ہے، کتابت نہیں، اور متکلم کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ شاعری نہیں بلکہ کتابت ہے، اس لیے وہ مخاطب کے زَعم کو رَدّ کرنے کے لیے قصرِ قلب کے طور پر کہتا ہے کہ زید شاعر نہیں، بلکہ وہ کاتب ہے، اس تقریر سے معلوم ہوا کہ بہ لحاظ خصوصیت مقام کے شاعری اور کتابت کے درمیان تدافع اور تبادل فریقین کو مسلّم ہے، لہٰذا مقابلہ صحیح ہے) مختصر یہ کہ یہ ترکیب (جس میں ''لٰکِن'' سے قبل نفی اور مابعد اِثبات ہو) لامحالہ مقابلے کے لیے ہے، باعتبار دلالتِ وضع کے بھی، اور باعتبار فائدۂ عبارت از جانب متکلم کے بھی۔

(۱۲۲) پھر کسی کی مُہر استعمال کرنا خیانت ہے، مُہر کو خود صاحبِ مُہر استعمال کیا کرتا ہے، اور اس کی مُہر خاص دوسرے کے لیے جائز نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ کے نقش پر نقش بنانے سے ممانعت آئی ہے۔ (مشکوٰۃ، ص:۳۷۷) اس تقدیر پر کہ مُہر خود آنحضرت ﷺ ہوں، صاحبِ مُہر حق تعالیٰ شانہٗ ہیں۔ اور ''مُہرِ نبوّت'' محسوس بھی تھی

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)......

اور چونکہ: ''وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ'' میں (حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن لوگوں کے درمیان اپنی موجودگی کو بیان فرمارہے ہیں ان سے) مُلکِ شام کے بنی اسرائیل مُراد ہیں، نہ کہ کسی اور مُلک کے لوگ۔ اس لیے اس کے مقابلے میں جو ''فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي'' فرمایا، اس تقابل سے اس کی مُراد بھی متعین ہوگئی کہ یہاں ''توفّی'' سے مُراد موت نہیں، بلکہ معنی مذکور (یعنی قبض کرلینا اور اپنی چیز کو وصول کرلینا) مُراد ہے، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت تو اس ملحد کے نزدیک ایک طویل مدّت کے بعد کسی دوسرے مُلک (کشمیر) میں ہوئی، (اب اگر ''توفی'' سے مُراد موت ہوتی تو پھر ''وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا'' کے مقابلے میں ''فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي'' لانا غلط تھا، اس کے بجائے ''فلما سرت الي الكشمير'' جیسے الفاظ فرماتے تاکہ تقابل صحیح ہوتا)۔

جو نبی کریم ﷺ کی پشت مبارک پر (دونوں شانوں کے درمیان) ثبت تھی۔
(مشکوٰۃ،ص:۵۱۷)،اور ابوداؤد طیالسی کی روایت سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ ''مُہرِ نبوّت''
دراصل اس اَمر کی علامت تھی کہ نبوّت آپ ﷺ پر ختم ہوچکی (مسند طیالسی، ص:۳۵۴)۔

یہ نہیں کہ آپ ﷺ سے بعد والوں کے لیے ہوتی، کیونکہ وہ تو آپ ﷺ پر لگائی گئی تھی (اور اگر وہ بعد والوں کے لیے ہوتی تو آپ ﷺ پر نہیں بلکہ ان پر لگائی جاتی)۔

(۱۲۳) اور خاتم بمعنی مُہر، مُہر شُدہ شیئ کی حفاظت اور اس میں کسی دوسری چیز کو داخل ہونے سے روکنے کے لیے ہوتی ہے۔ جس کے لوازم میں سے ہے اس کا متعارف ومشہور اور واحد بالعدد ہونا۔ اگر کسی کی مُہر کسی دوسرے کے پاس برآمد ہوتو وہ خائن اور چور ہے، کیونکہ کسی شخص کی مُہر اس کی شخصیت اور نام کے قائم مقام ہوتی ہے۔ ''خاتم'' کا لفظ دراصل (مُہر کے معنی میں نہیں بلکہ) مُہر سے عام معنی کے لیے موضوع ہے، یعنی وہ چیز جو مُہر کے لیے استعمال کی جائے، مثلاً وہ مٹّی جو مُہر کے لیے استعمال ہوتی ہے، زمانۂ قدیم میں رِواج تھا کہ لفافے کی پشت پر بیرونی جانب مُہر لگاتے تھے، نہ کہ اندر (کے کاغذ پر)۔ بعد اَزاں یہ رِواج تبدیل ہوگیا (اور لفافے کے اندر کی دستاویز پر مُہر لگانے لگے)۔

مُہر لگانے کا یہ عمل مجموعی طور پر اس شے کی حفاظت، اسے سربمہر کرنے اور اس کے تعارف کے لیے تھا اور اس مجموعہ سے اس ملفوف کا معتبر ہونا لازم آتا تھا، یہ نہیں کہ ''خاتم'' کا لفظ موضوع ہی اعتبار کے لیے تھا (جیسا کہ قادیانی ملاحدہ نے سمجھا ہے) اور ''خاتم'' بمعنی انگشتری بھی اصل نہیں ہے، بلکہ فرع ہے جو (آیت ختمِ نبوّت میں) مناسب مقام نہیں ہے۔

(۱۲۴) اور لفظ ''خاتم'' قرآن مجید میں باعتبار ماضی کے تھا، اس مخذول نے اس کو

مستقبل کے لیے رکھا اور درحقیقت (اس کا مصداق فردِ واحد یعنی آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی تھی، لیکن اس ملحد کی تعریف کے مطابق) یہ جزئی نہ رہا، بلکہ جنس ہوگیا، کیونکہ اس کے نزدیک انبیائے سابقین کی اتباع سے نبی بھی ہوتے رہے ہیں اور محدّث بھی، پس خاتمیت حضرت خاتم الانبیاء کی خصوصیت نہ رہی، اور وہ اپنے ہذیان میں ''خاتم'' کو کبھی اجراء کے لیے رکھتا ہے، اور کبھی انقطاع کے لیے، (دیکھئے: ''سودائے مرزا'' ص:۳۲، رسالہ ''ترکِ مرزائیت'' ص:۸۰ وص:۳۸، ''حقیقۃ الوحی'':۲۸)۔

(۱۲۵) حاصلِ کلام یہ کہ تحریف انعکاس خارج میں کوئی وجود نہیں رکھتی، بلکہ ایک بے معنی لفظ ہے، اس کے باوجود اس تحریف کی بناء پر اس ملحد کا اپنے منکروں کو کافر کہنا خود اس کے حق میں موجبِ کُفر ہے، بہ تعداد منکروں کے کہ کُل اُمّتِ حاضرہ ہے (چونکہ یہ ملحد ایک بے معنی بات کو کُفر و ایمان کا مدار ٹھہرا کر کُل اُمّتِ حاضرہ کی تکفیر کرتا ہے۔ اس لیے اُمّت کی تعداد کے مطابق اس کی طرف کُفر عائد ہوگا)۔

اور یہ تحریف کہ ''نبوّتِ تشریعیہ کا دروازہ بند ہے، نبوّتِ غیرتشریعی بند نہیں'' نصِ قرآن کے خلاف ہے، کیونکہ ''خاتم'' کا ذِکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے لفظ ''رسول'' سے لفظ ''نبیین'' کی طرف کلام کو جو تبدیل فرمایا۔ اس سے اصل مدّعا اور محطِّ فائدہ اسی خصوصیت کا ارادہ تھا کہ صرف صاحبِ شریعت رسولوں ہی کا نہیں بلکہ عام طور پر تمام نبیوں کا ختم ہونا سمجھا جائے، خواہ ان کی نبوّت تشریعی ہو یا غیرتشریعی، جیسا کہ اس کی تقریر بوضاحت گزر چکی ہے۔

اور ''خاتم'' کی یہ تحریف کہ ''آنحضرت ﷺ اعتبارِ نبوّت کی مُہر ہیں، جس پر آپ ﷺ کی مُہر لگے گی آئندہ وہی نبوّت معتبر ہوگی۔'' یہ ان محذوراتِ باطلہ کے ساتھ ساتھ، جن کا ذِکر اُوپر گزر چکا ہے، کلام کے ربط و اتساق کے لیے فوت کنندہ ہے۔

اور ظلّیت [۱] و بروز اور ہمچو قسم دیگر الفاظ سے مُراد اگر ''انعکاس'' ہے تو اس کا حال گزر چکا کہ یہ ایک بے حقیقت سراب ہے، جو سفہاء اور ملاحدہ کو راستے سے بہکانے والا ہے۔ اور اگر کوئی اور چیز ہے تو محض لقلقہ لسانی اور زبانی جمع خرچ ہے، کہ ملحدین اس نوعیت کے دعاوئ بسیطہ اور جہلِ مرکب سے اپنے مُریدوں کی راہ مارا کرتے ہیں۔ پس اس شقی کی تمام تحریفات اس کے ہمراہ اس کی قبر میں، کہ ہاویہ ہے، دفن ہو کر رہ گئیں، وَقَالُواْ ٱلۡحَمۡدُ لِلَّهِ ٱلَّذِى هَدَىٰنَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهۡتَدِىَ لَوۡلَآ أَنۡ هَدَىٰنَا ٱللَّهُ!

(۱۲۶) بعد ازاں جاننا چاہیے کہ عالَم قدیم بالنوع نہیں، جیسا کہ یہ ملحد (قادیانی) اور اس کا ناخلف (مرزا محمود) نغمہ الاپتے ہیں، بلکہ آسمانی دِینوں کے عقیدے کے مطابق، ماضی و مستقبل دونوں طرف سے محدود ہے، کیونکہ مستقبل تمام قوت سے فعل میں آچکا ہے اور مسئلۂ تجدّدِ امثال بھی، جو عارفین کے حقائق میں سے ہے صحیح اور درست مسئلہ ہے۔ باقی رہا ماضی! پس اگرچہ بداہتِ وہم حکم کرتی ہے کہ وہ غیر متناہی بالفعل ہے، اور فیض کا معطل ہونا نامعقول، لیکن حقیقت یوں نہیں بلکہ عالم دونوں دونوں جانب سے غیر متناہی بمعنی لا یقف عند حدٍّ ہے، اور بس۔ اس لیے کہ ''قِدَمْ'' کی وسعت کو غیر متناہی حوادث پھیلا پھیلا کر پُر کر دینا، جیسا کہ فلاسفہ کا مذہب ہے، غیر معقول ہے۔ کیونکہ (اس سے دو باتیں لازم آتی ہیں) حادثِ زمانی کا اَزل میں پایا جانا اور قدیم کا حوادث سے متقوم ہونا (اور یہ دونوں) ناممکن بھی ہیں اور ''مقدمہ حقہ ماثبت قدمہ امتنع عدمہ'' کے خلاف بھی۔ حقیقۃ الامر یہ ہے کہ جب ہم باری تعالیٰ سے زمانے کو رفع کر لیں- جو عرفاء و عقلاء کے درمیان متفق علیہ ہے- تو حوادث اپنے موطنِ حدوث میں

(۱) رسالہ ''ترک''، ص: ۳۴، (مگر ظلّی نبوّت جس کے معنی ہیں کہ فیض محمدی سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی ہے) صفحہ: ۲۷، ۲۸، ''حقیقۃ الوحی''۔ منہ)۔

فہرست

ایک جانب سے آتے اور دوسری جانب جاتے ہیں۔

ع ''از یں در درائے واز یں درخرام''

ہم نے آمد کی جانب کا نام مستقبل اور رفت کی جانب کا نام ماضی رکھ چھوڑا ہے اور بس، پس ماضی و مستقبل دونوں کوئی حقیقت واقعیہ نہیں رکھتے، بلکہ محض اعتباری واضافی ہیں۔ یعنی ہماری بہ نسبت، کہ ہم خود حادث ہیں، جو پہلے گزر چکا وہ ماضی ہے اور جو ہنوز پردۂ غیب میں ہے وہ مستقبل کہلاتا ہے۔ اور زمانہ خود بھی کوئی حقیقتِ واقعیہ نہیں رکھتا، بلکہ ایک اَمر انتزاعی ہے جو حوادث کے تجدد اور نو بہ نو پیدا ہونے اور ختم ہونے سے اخذ کیا جاتا ہے، اور بس ''سبحان الذی یغیر ولا یتغیر'' اس حالت میں اگر اِرادۂ اَزلیہ کسی حادث کے پیدا کرنے سے متعلّق ہوجائے تو وہ حادث اپنی حقیقت کے مقتضا کے مطابق عالم میں آموجود ہوگا، تاکہ انقلاب حقائق لازم نہ آئے، جیسا کہ واجب تعالیٰ اگر کسی مخلوق کو پیدا کریں تو لامحالہ وہ چیز ممکن ہوگی نہ کہ واجب اور یہ بھی ممکن نہیں کہ عالم کا ہر فرد تو حادث ہو، مگر مجموع من حیث المجموع قدیم ہو، بلکہ یہاں کلِ افرادی اور کلِ مجموعی کا حکم یکساں ہے۔

(۱۲۷) اور جب حکماء نے تصریح کردی کہ جس چیز کے لیے بدایت ہے، اس کے لیے نہایت بھی لازم ہے۔ اور دوامِ مستقبل کا ہم نے جواب دے دیا ہے کہ وہ صرف تجدّدِ امثال ہے، تو حدیثِ نبوی کے مطابق عمارتِ نبوّت بھی آغاز وانجام رکھتی ہے کہ اسے آدم علیہ السلام سے شروع کرکے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر، جو اس عمارت کی آخری اینٹ ہیں، ختم کردیا گیا۔ اور اب تو صرف اس امر کی انتظار ہے کہ عالَم کے کوچ کا نقّارہ بجادیا جائے۔ گویا نظامِ عالم کی مثال ایک ایسے جلسے کی تھی جو مجلسِ استقبالیہ کے طور پر منعقد ہوا، اور صدرِ جلسہ کی آمد آمد کا اعلان ہوا، چنانچہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:) ''اور میں خوشخبری سُناتا ہوں، ایک رسول کی، جو میرے بعد آئے گا۔ اس کا نامِ نامی 'احمد'

ہوگا'' (الصّف:٦) اور صدرِ کبیر کی تشریف آوری ہوئی، انہوں نے خطبہ پڑھا اور جلسہ برخاست کردیا گیا۔(۱)

(۱۲۸)

(۱) احقر ایک نعت میں کہتا ہے: اے وہ ذات! جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سراپا رحمت ہے، بارش کی طرح اور سمندر کی مانند برسنے والا بادل ہے۔

(۲) آپ ﷺ کی معراج سات آسمانوں اور کُرسی تک ہوئی، عرشِ بریں آپ ﷺ کے قدموں کا فرش، اور سدرہ تخت گاہ ہے۔

(۳) جہان کی چوٹی پر آپ ﷺ کے پاؤں کا نقش ثبت ہوا، آپ ﷺ صدرِ کبیر بھی ہیں اور بدرِ منیر بھی۔

(۴) رسولوں کے ختم کنندہ، راستوں کے لیے ستارہ، ہدایت کی صبح، واللہ آپ ﷺ بشیر ہیں اور الحق کہ آپ ﷺ نذیر ہیں۔

(۵) میدانِ محشر میں حضرتِ آدم علیہ السلام اور اولادِ آدم آپ ﷺ کے جھنڈے کے سائے میں ہوگی کہ آپ ﷺ ہی اِمام واَمیر ہیں۔

---

(۱) ''اَسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ﷺ'' کا مصداق وہ ذاتِ گرامی ہے، جس کے ذریعے دُنیا نے یہ نام، اور اس کے ساتھ نام رکھنا سیکھا، آپ ﷺ کا یہ اسمِ مبارک بمنزلہ لقب کے ہے، اور محمد ﷺ بمنزلہ اسم محض کے، آیت میں اسی مقصد کے لیے، یعنی لقب مبارک۔ احمد ﷺ۔ کی اطلاع دینے کے لیے ''اسْمُهٗ'' کا لفظ بڑھایا گیا، اسی طرح: ''یٰزَكَرِیَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ یَحْیٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ۝۷'' (سورۂ مریم:۷) میں ''یحییٰ'' کا اسم مبارک بمنزلہ لقب کے ہے، ورنہ آپ کی قوم میں آپ علیہ السلام کا نام ''یوحنا'' مشہور تھا، اور اسی نہج پر یہ آیت ہے: ''اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ'' (آل عمران:۴۵) 'مسیح' لقبِ گرامی ہے۔ ان آیات سے مقصود ان اسماءِ لقبی کی اطلاع دینا ہے، تاکہ یہ اسمائے مبارکہ بھی قوم کو معلوم ہوجائیں۔ اور تم نے یہ مسئلہ کہ اسم، مسمّٰی کا عین ہوتا ہے یا غیر؟ سمجھ رکھا ہے تو معلوم رہے کہ ان آیات میں اسم، مسمّٰی کا غیر ہے، اور آیت: ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ'' (الفتح:۲۹) میں عین ہے۔ خوب سمجھ لو! منہ

(۶) ایسا یکتا، جو ہر دائرۂ یکتا کا مرکز ہو، مرکزِ عالم تک آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے اسے بے مثل و بے نظیر۔

(۷) آپ ﷺ کی اس اُمّت میں کوئی شخص نہیں جو اَحقر کی طرح کالا منہ اور سفید بال لے کر آیا ہو۔

(۱۲۹)

(۱) میں نے تجھ سے صحیح اور سچّی بات کہی ہے، تاکہ تو راہ چلنے میں سست نہ رہے۔

(۲) اے مخاطب! مجھے میرے درد میں تنہا نہ چھوڑ! کیونکہ یہ دِین میرا اور تیرا مشترک دِین ہے۔

(۳) اہلِ حق کے لیے ہمیشہ فتح قریب ہے، بس ہمتِ مَردانہ سے کام لینا چاہیے۔

(۴) میں اور تُو تو درمیان میں محض بہانہ ہیں، ورنہ اوّل و آخر سب کچھ وہی ہے۔

(۵) دیکھو کہ اس ویرانۂ دُنیا میں پھول اور کانٹے باغ میں یکجا پیدا ہوتے ہیں۔

(۶) شبِ تاریک میں مشک تاتاری کو گم نہیں کیا اُس شخص نے جس نے (اس کی) خوشبو کو تلاش کر لیا۔

(۷) کل ہاتف نے میرے کان میں کہا کہ یہ دو حرفی بات یاد رکھو۔

(۸) حق کا جھنڈا بلند ہمیشہ رہے گا، عاجز بندہ کے ہاتھ میں رہے گا۔

(۹) جس نے اپنے مقصد میں کامیابی کا ارادہ کیا وہ اگر مقصد کو پہنچا تو راہِ راست ہی سے پہنچا۔

(۱۰) اے رَبّ! اس بندۂ ملامت کو قیامت کے دِن بائیں راستے نہ لے جائیو۔

(۱۱) بطفیل حضرت محمد عربی ﷺ کے جو انبیاء کے ختم کرنے والے رسول اور نبی ہیں۔

(۱۲) آپ ﷺ عالَم کے اِمام بھی ہیں اور ''خاتم'' بھی، آپ ﷺ پر حق تعالیٰ کی جانب سے بیشمار درود و سلام۔

(۱۳) تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں، سرتاپا رحمت، پیدائش میں سب سے اوّل اور بعثت میں سب سے آخر۔

(۱۴) محشر میں تمام مخلوق کے سردار، کائنات کے آقا اور تمام مخلوق سے بہتر۔

(۱۵) بروزِ قیامت آپ ﷺ ہی صاحبِ حمد اور خطیب ہوں گے، آپ ﷺ کی حمد ہی سے مقامِ محمود اور لواء الحمد کی عظمت عیاں ہوگی۔

(۱۶) آدم علیہ السلام اور ان کے سوا ساری مخلوق بغیر فرق کے آپ ﷺ ہی کے جھنڈے تلے ہوگی۔

(۱۷) نبوّت کے فاتح و خاتم آپ ﷺ ہیں، رفعت و بلندی کا مبدا ٔو منتہا آپ ﷺ ہیں۔

(۱۸) جو جلسہ کہ اہم اُمور کے لیے منعقد ہوا وہ صدرِ جلسہ کا منتظر تھا اور پھر خاتمہ ہے (یعنی آپ ﷺ کی آمد کے بعد بس بساطِ عالم لپیٹ دینے کا وقت ہے)۔

(۱۹) اہلِ عرف (جو کسی عالم کو خاتم المحدّثین کہہ دیتے ہیں وہ) اس ختمیّت کو نہیں سمجھتے، کیونکہ اوّل سے ہی نظام کو نہیں جانتے۔

(۲۰) چونکہ آپ ﷺ مراتبِ جود میں فاتح تھے، وہ بھی وجود کا ایک موطن تھا۔

(۲۱) خاتم کمال ہونا بجائے خود ایک اعلیٰ درجے کا شرف ہے اس کو نقص کہنا اِلحاد ہے۔

(۲۲) تمام سابقین کا آپ ﷺ کی قیادت میں ہونا آپ ﷺ کی سیادت کے لیے کافی ہے۔

(۲۳)(۲۴) چونکہ آپ ﷺ کمالات میں منتہا تھے، اس لیے عالمِ ظہور میں اس کی یہ علامت ٹھہری کہ تمام سابقین آپ ﷺ کے جلو میں ہوں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی آپ ﷺ کے منصب کو پانے والا نہ ہو۔

(۲۵) جب کوئی صاحبِ اختیار اپنے کام کو ختم کردے تو کیا یہ اس پر اعتراض ہوسکتا ہے کہ یہ تو نقص ہے؟

(۲۶) پہلے جو کچھ تھا بطورِ تمہید تھا، آخر وہ غایتِ کمال اور مقصدِ تخلیق کائنات آپہنچا۔

(۲۷) یہ بدیہی بات ہے کہ ختمِ کمال بذاتِ خود کمال ہے، اس میں سوال وجواب اور چُون وچرا کی گنجائش نہیں۔

(۲۸) یہ کمال اگر (کسی کج فہم کے نزدیک) کسی دوسرے کمال کے معارض ہے (تو ہوتا رہے) متلاشیٔ حق کے نزدیک یہ عیب نہیں بلکہ ہنر ہے۔

(۲۹) منصبِ نبوّت محض عنایتِ خداوندی سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ تولید سے کہ پریشانی کا موجب ہوتا۔

(۳۰) حق تعالیٰ کی جانب سے منصبِ نبوّت پر فائز کیا جانا حصولِ نبوّت کی شرط ہے، جیسا کہ خلیفہ کا تقرّر بیعت سے ہوتا ہے۔

(۳۱)(۳۲) یہی معنٰی ہیں اس حدیث کے کہ ’’جس نے اپنے زمانے کے اِمام کو نہ پہچانا اس کی موت جاہلیت کی موت ہے‘‘ (کنز العمال، ج:۶،ص:۳۳ مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۱۲ھ) یعنی خلیفہ کی بیعت کے بغیر وہ احمق جنین کی طرح جہالت کی تاریکیوں میں ڈُوبا ہوا ہے۔

(۳۳) آپ ﷺ نے ایسے شخص کے لیے جاہلیت کا عنوان اس لیے اختیار فرمایا کہ ایسا شخص اہلِ جاہلیت کی طرح ہدایت سے بے بہرہ ہے۔

(۳۴) اہلِ جاہلیت کے یہاں ایسی اِمامت معروف نہ تھی کہ اس کا موصوف تلاش کیا جائے۔

(۳۵) سلسلۂ سلطنت جاری ہوجانے کے بعد غلط فہمیوں کی بناء پر تجھے یہ تشریح بعد اَز فہم نظر آتی ہے۔

(۳۶) اس کے سوا اس حدیث سے کوئی باطنی معنی مقصود نہیں، اِمام سے مُراد وہی خلیفۂ معہود ہے۔

(۳۷) نبی سے تھا لحاظ استحقاق کا، پس اشکال سے رستگاری حاصل ہوئی۔

(۳۸) بہت سے برخود غلط مدّعی اِمامت کے جھوٹے دعویدار ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں حق شناسی تیرا کام ہے۔

(۳۹) پھر ہر شخص اپنے ذوق پر نہیں چلا کرتا، اور زمانے کے اہلِ حل وعقد سے سرتابی نہیں کیا کرتا۔

(۴۰) انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرت فطرت پر ہوتی ہے، ان کے یہاں فلسفہ آرائی، بناوَٹ اور حرص وآز نہیں ہوتی۔

(۴۱) مگر اس کو وہی شخص جانے جو کسی چیز کی تمیز رکھتا ہو، اور انبیائے کرام علیہم السلام کے علم وعمل کا دوسروں سے امتیاز کرسکے۔

(۴۲) پس قرآنِ کریم سے انبیائے کرام علیہم السلام کا طریق، جو اُمتوں کے ساتھ ان کے سوال وجواب میں مذکور ہے، معلوم کروگے تو تمہیں اُن کا طریق مبنی بر توکّل نظر آئے گا۔

(۴۳) انہیں نہ سامانِ دُنیا جمع کرنے کی فکر ہوتی ہے، نہ ان کی باتوں میں تناقض ہوتا ہے، نہ لاف وگزاف اور نہ مکروفریب۔

(۴۴) ان کا سب کچھ دِین کے لیے ہوتا ہے، صبر واخلاص اور یقین ان کا طریق ہے۔

(۴۵) خدا کا فضل، سرایت کا مسئلہ نہیں، نبوّت بھی بجز عنایت کے حاصل نہیں ہوتی۔

(۴۶) نبوّت بارگاہِ رحمانی کا فضل ہے، جیسا کہ بادشاہ کی جانب سے لقب یا خطاب ملتا ہے۔

(۴۷) اور وہ لقب چونکہ بذاتِ خود نہایت عالی شان تھا، کمالات سے اور بھی دوبالا ہوگیا۔

(۴۸) بغیر مادّہ کے بِلا مثال پیدا کرنا بھی قدرت میں ہے، ہمیشہ مادّہ وصورت کے ساتھ ہی اشیاء کا وجود وابستہ نہیں۔

(۴۹) پس حق تعالیٰ کی جانب سے کسی کو منصبِ نبوّت پر فائز کرنے سے نبوّت ملتی ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ حق تعالیٰ کے ارشاد 'کُن' سے چیزیں وجود پذیر ہوتی ہیں۔

(۵۰) اور یہ نہ سمجھنا کہ نبوّت محض ''لقب دینے'' کا نام ہے، نہیں! بلکہ میں نے جو کچھ کہا یہ سب تقریب الی الفہم کے لیے ہے۔

(۵۱) نبوّت اور کمالاتِ نبوّت کے درمیان، اَز رُوئے تحقیق، نوعی اختلاف ہے۔ (کہ نبوّت اور کمالاتِ نبوّت الگ الگ چیزیں ہیں پس نبوّت تو بند ہے کمالاتِ نبوّت جاری ہیں)۔

(۵۲) اس نے فاتح وخاتم ایک ہی شخصیت کو بنایا، تجھے خدا پر اِیمان ہے یا کہ اس سے جنگ ہے؟

(۵۳) فتح وختم دونوں اس کی مشیت سے وابستہ ہیں، اے ایمان دوست! اس میں چُون وچرا کیسی؟

(۵۴) مشیت کا تعلق تمام زمانوں کے ساتھ یکساں ہے، پس اس میں زمانوں کا کیا سوال؟ (پس خدا نے جب تک چاہا نبوّت کو جاری رکھا، اور جب چاہا بند کردیا)۔

(۵۵) تمام انبیائے سابقین آپ ﷺ کے جھنڈے تلے ہیں، پس اس سے زیادہ تجھے کیا بحث ہے۔

(۵۶) نبوّت کسبی ہے یا کہ وہبی، اس فضول ''بحث'' سے تیرا کیا مطلب؟ (جبکہ نبوّت کا دروازہ ہی بند ہے تو ظاہر ہے کہ نبوّت نہ کسب سے حاصل ہوسکتی ہے، نہ موہبت سے)۔

(۵۷) جا! تو آپ ﷺ کی سیادت پر اِیمان رکھ، خدا کا کام خدا پر چھوڑ دے۔

(۵۸) خصائص میں شرکت کیسی؟ وہبی کمالات سے کسبی کمالات کو کیا مناسبت؟

(۵۹) جس نے کہا کہ ''نبی، نبی ساز ہے'' وہ مشیتِ اِلٰہی میں شریک بننا چاہتا ہے (کہ خدا کی مشیت کے خلاف وہ نبوّت کو جاری رکھنا چاہتا ہے)۔

(۶۰) اگر نبی کریم ﷺ سب سے پہلے تشریف لائے ہوتے تو شاید یہ بات درست ہوتی، مگر آخر میں نہیں۔ (۱)

(۶۱) تولیت چونکہ نبوّت کا جزوِ اَخیر ہے، اس لیے اسے شاہی انتخاب سے بھی برتر سمجھو۔

(۶۲) اگر اب بھی تم نے اس مقام کو نہیں سمجھا تو پھر قصۂ آدم واِبلیس پر غور کرو (اِبلیس کو یہی اعتراض تھا کہ آپ نے آدم کو کیوں چُن لیا؟ کمالات تو مجھ میں زیادہ ہیں)۔

(۶۳) البتہ ولایت جو کہ نبوّت کا گویا ایک شعبہ اور جزو ہے، وہ اُمّت کو نصیب ہے (مگر اس جزء کے حصول سے آدمی ''ولی'' تو بن سکتا ہے، مگر نبی تو نہیں بن سکتا)۔

---

(۱) اس شعر کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اگر اس اُمّت کے اندر دَورِ اَوّل میں کوئی نبی پیدا ہوا ہوتا تب تو واقعی آپ ﷺ کو ''نبی ساز'' کہنا درست ہوتا، مگر جب تیرہ سو سال تک اُمّت میں کوئی نبی نہیں ہوا تو صرف مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوّت سے آپ ﷺ کا ''نبی ساز'' بن جانا کسی طرح بھی درست نہیں، بلکہ یہ بداہۃً مدّعی نبوّت کے جھوٹا ہونے کی دلیل ہے۔

(۶۴) لیکن نبوّت کا خطاب اور لقب جو حق تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوتا ہے، اس میں قطعاً شراکت نہیں۔

(۶۵) نبوّت کے علاوہ اگر کوئی کمال حاصل ہو تو انکار نہ کرو، کیونکہ وہ خطابات میں سے نہیں، نہ وہ القاب میں سے ہے۔

(۶۶) قطب الولایت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ:

''اے انبیائے کرام کی پاکیزہ جماعت! تمہیں لقب دیا گیا ہے۔''

(۶۷) ''فتوحات'' (باب:۷۳، جواب:۲۵) میں یونہی نقل کیا ہے اور ''یواقیت'' (الیواقیت والجواہر للشعرانی، ج:۲ ص ۳۹) میں ایک لفظ زیادہ کیا ہے۔

(۶۸)(۶۹) اور یہ جو اس کے بعد فرمایا کہ: ''ہمیں وہ چیز دی گئی جو تم کو نہیں دی گئی'' اس سے مُراد وہ حصّہ ہے جو نبوّت سے نیچے کی سطح کا ہے۔ یعنی تمہاری تقسیم کے وقت جو کچھ پیچھے رہ گیا تھا، وہ عنایتِ اِلٰہی نے ہمیں عطا کردیا ہے۔

(۷۰) حق تعالیٰ سے دُعا ہے کہ مجھے حق پر قائم رکھے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اُمتی کی طرح شمار کرے (گو کہ اُمتی کہلانے کے بھی لائق نہیں)۔

(۷۱) آپ کے دِین کی شوکت فراواں ہوجیو، تاکہ بندہ، بندِ غم سے آزاد ہوجائے۔

(۱۳۰) یہاں پہنچ کر انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتِ مقدّسہ کا قرآنِ کریم اور کُتبِ خصائص وسِیَر سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ قرآن حکیم میں جو کچھ ان کے خطاب (سوال) وجواب کے سلسلے میں آتا ہے اسے بغور پڑھو تو معلوم ہوگا کہ کس طرح ان حضرات کے معاملے کی بنیاد اُمورِ ذیل پر قائم تھی، یعنی توکّل ویقین، صبر واستقامت، اولوالعزمی وبلند ہمتی، وقار وکرامت، انابت واخلاص، فضل واختصاص، یقین کی خنکی اور سینے کی ٹھنڈک، سفیدۂ صبح کی طرح اِنشراح واعتماد، صدق وامانت، مخلوق سے شفقت

ورحمت، عفت وعصمت، طہارت ونظافت، رُجوع الی اللہ، وسائلِ غیب پر اِعتماد، ہر حال میں لذاتِ دُنیا سے بے رغبتی، سب سے کٹ کر حق تعالیٰ شانہٗ سے وابستگی، سامانِ دُنیا سے بے التفاتی۔ مال ودولت سے بے توجہی، علم وعمل کی وراثت جاری کرنا، اور مال ومتاع کی وراثت نہ جاری کرنا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"ہم وارث نہیں بنایا کرتے جو کچھ ہم چھوڑ جائیں گے وہ صدقہ ہے۔"

(صحیح بخاری، ج:۲،ص:۹۹۵، مشکوٰۃ،ص:۵۰۵)

ترکِ فضول اور اس سے زبان کی حفاظت، ہر حالت اور معاملے میں حق کا ساتھ دینا اور اس کی پیروی کرنا، ظاہر وباطن کی ایسی موافقت کہ اس میں کبھی بھی خلل اور رخنہ واقع نہ ہو۔ انہیں اتمامِ مقصد کے لیے باطل عذر، فاسد تاویلات اور حیلے بہانے تراشنے کی ضرورت نہیں ہوتی (کیونکہ یہ کذّابوں کا سرمایہ اور نقد وقت ہے، چنانچہ کہا گیا ہے) کہ:

"کسی شخص نے کبھی اپنے دِل میں کوئی بات نہیں چھپائی، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے رخسارے کے صفحات اور اس کی زبان کی لغزش سے صادر شدہ الفاظ میں اسے ظاہر کر ہی دیا۔"

اور ان حضرات کے کسی بھی معاملے میں تہافت وتساقط اور تعارض وتناقض راہ نہیں پایا، بلکہ پردۂ غیب اور کمین گاہِ قضاء وقدر سے ان کے سامنے حق اس طرح کھل جاتا ہے جس سے پوری طرح شرحِ صدر ہوجائے۔ انہیں اطلاعاتِ اِلٰہیہ اور مواعیدِ رَبّ ذُوالجلال کے پورا ہونے میں کبھی رُجوع اور تبدیلیٔ خیال کی ضرورت نہیں ہوتی۔ (جس طرح مرزا، محمدی بیگم، انجامِ آتھم، ڈاکٹر عبدالحکیم کی موت وغیرہ وغیرہ میں بھٹکتا رہا) ان کے باطن کے پاک اور طبیعت کے پاکیزہ ہونے کی وجہ سے ان کی رَوِش میں ایسی یکسانیت ہوتی ہے کہ تعارض وتوفیق میں کسی حیلے بہانے کی حاجت نہیں ہوتی،

جانبِ خدا کو جانب اغراض پر ترجیح دینا، مادّی علائق اور رشتوں سے بے تعلقی اور اِعراض، تمام حوادث وپیش آمدہ حالات میں حمد وشکر، یادِ حق اور ذِکرِ اِلٰہی میں ہمہ دم مشغول رہنا، رَبّ العالمین کے زیرِ عنایت علم لدنّی کے ذریعے فطرتِ سلیمہ کے مطابق لوگوں کی تعلیم وتربیت کرنا جس میں کسی قسم کی فلسفہ آرائی، اختراع اور تکلّف کا شائبہ نہ ہو۔ تسلیم وتفویض، عبدیتِ کاملہ، طمانیتِ زائدہ، استقامتِ شاملہ، ان کے دِین کا تمام اَدیان پر غالب آنا اور ان کے ذریعے ایمان اور خصائلِ ایمان کا چاردانگِ عالم میں پھیل جانا۔ ان حضرات نے دُنیا میں رہ کر کبھی چاپلوسی کا راستہ نہیں لیا، اور کیا مجال کہ کُفّار وجبابرہ کے مقابلے میں اپنی ایک بات سے بھی کبھی تنزل فرمایا ہو، یا فراعنہ کی تخویف وتہدید اور ان کے ہجوم کی بناء پر اپنے راستے سے انحراف کیا ہو، یا حرص وطمع اور سامانِ دُنیا جمع کرنے کا معمولی دھبّا بھی ان کے دامنِ مقدّس تک پہنچا ہو، یا حرص وہوا اور حُبِ ماسوا نے کبھی انہیں اپنی طرف کھینچا ہو، اور ممکن نہیں کہ ان کے آپس میں علم وعمل کا اختلاف ہوا ہو، یا ایک دوسرے پر رَدّ وقدح یا ایک دوسرے کی ہجو اور کسرِ شان کی ہو، ناممکن ہے کہ انہیں اپنے کمالات پر کبھی ناز اور عُجب ہو، یا وہ اپنے تمام حالات میں کبھی بھی کبر وتعلّی اور نفس کے فریب میں مبتلا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ جو کچھ بھی تھا عطیاتِ رَبّانیہ سے تھا، انسانی کسب وریاضت کے دائرے میں نہیں تھا، (ارشادِ خداوندی ہے):

”اللہ خوب جانتا ہے جہاں رکھتا ہے اپنے پیغامات۔“ (الانعام:۱۲۴)

(نیز ارشاد ہے:)

”لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے۔“

(آل عمران:۱۷۹)

پہلی آیت میں نبوّت ورِسالت کو ایک اَمرِ اِیجابی یعنی علمِ اِلٰہی کے حوالے فرمایا، اور دوسری آیت میں ایک اَمرِ غیر اِیجابی یعنی مشیتِ خداوندی کے، اور بیشتر

دیکھا گیا ہے کہ جو اُمور کہ حق تعالیٰ کی جانب سے تخصیص اور اِصطفاء واِجتباء کے باب سے ہوں، وہ اَمرِ اِلٰہی کے حوالے کیے جاتے ہیں، جس میں اس اَمر پر تنبیہ ہوتی ہے کہ یہ اُمور کسبی نہیں ہیں۔

(۱۳۱) مخفی نہ رہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی جو اِجمالی سیرت اُوپر لکھی گئی ہے یا کسی دوسرے نے کچھ اور چیزیں لکھی ہیں، ان سے یہ نہ سمجھنا کہ حقیقتِ نبوّت بس اسی قدر ہے۔ اور یہ کہ جو کچھ علماء نے لکھ دیا ہے، وہ حقیقتِ نبوّت کی تفہیم کے لیے کافی ہے۔ اور نبوّت کی حقیقت وہ بھی نہیں جس کو یہ مخذول اِصرار وتکرار کے ساتھ بیان کرتا ہے اور دَرحقیقت علماء سے سیکھ کر چکی چلاتا ہے کہ ''نبوّت عبارت کثرتِ مکالمہ اِلٰہیہ سے ہے۔'' بلکہ یہ تمام اُمورِ نبوّت کی ادھوری سی علامات ہیں، جو راستے کا پتا نشان دیتی ہیں، اور کچھ سُراغ بتاتی ہیں۔ ورنہ حقیقتِ واقعیہ کو سوائے انبیائے کرام علیہم السلام کے، جو خود موصوف بہ نبوّت ہیں، کوئی دوسرا نہیں جانتا، نہ کسی کی مجال اور طاقت ہے کہ اس قسم کے اُمورِ اِلٰہیہ کی کُنہ تک پہنچ سکے اور ان معاملاتِ اِلٰہیہ ومقاماتِ ربّانیہ تک اس کی رسائی ہوسکے۔ اس مضمون کو ''فتوحات'' (باب:۳۰۳) میں تفصیل سے ذِکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ:

> ''پس نبی کی آنکھ مشاہدۂ نبوّت کے لیے کھلی ہے، اور ولی کی آنکھ مشاہدۂ ولایت کے لیے کھلی ہے اور مشاہدۂ نبوّت سے بند ہے۔'' اھ

''کسی کو خبر نہیں کہ اس دوست کی منزل گاہ کہاں ہے، بس اس قدر ہے کہ گھنٹی کی آواز آتی ہے۔'' جس طرح کہ صلصلۃ الجرس (وحی کی حقیقت نہیں بس ایک علامت تھی)۔

(۱۳۲) احادیثِ نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوّت ایک ایسی حقیقت ہے جو بہت سے اجزاء رکھتی ہے، مگر ان اجزاء کی تفصیل نہیں بتائی گئی، ہاں! ان میں سے بعض اجزاء پر انقطاع کا حکم (ضرور) فرمایا ہے، اور مبشرات کے قبیل سے کچھ حصہ باقی ہے اور یہ حکم

باعتبار جزءِ اَخیر علّت تامہ کے ہے، ورنہ وہ تمہیدی کمالات کہ نبوّت اُن کی کُرسی پر جلوہ آرا ہوتی ہے، یا مانند صورت مادّہ پر، یا مثل حروف صاف تختی پر منقش ہوتی ہے، یا مثل مشروط موقوف، شرط اور موقوف علیہ پر مرتب ہوتی ہے وہ کمالات جاری وساری ہیں اور آیتِ کریمہ: ’’صِرَاطَ ٱلَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِمۡ غَيرِ ٱلمَغضُوبِ عَلَيهِمۡ وَلَا ٱلضَّآلِّينَ ۝٧‘‘ (الفاتحہ) مع آیتِ کریمہ: ’’فَأُوْلَـٰٓئِكَ مَعَ ٱلَّذِينَ أَنعَمَ ٱللَّهُ عَلَيهِم مِّنَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ وَٱلصِّدِّيقِينَ وَٱلشُّهَدَآءِ وَٱلصَّـٰلِحِينَ‘‘ (النساء:۶۹) میں جس اِنعام کا ذِکر ہے، اسے ویسا ہی سمجھنا چاہئے جیسا کہ آیت: ’’وَإِذۡ تَقُولُ لِلَّذِیٓ أَنعَمَ ٱللَّهُ عَلَيهِ وَأَنعَمتَ عَلَيهِ‘‘ (الاحزاب:۳۷) میں مذکور ہے، اور معیت ایسی سمجھنی چاہیے، جیسی حدیث: ’’انت مع من احببت‘‘ (مشکوٰۃ، ص:۴۲۶) میں اور آیت: ’’إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّـٰبِرِينَ ۝٤٦‘‘ (الانفال:۴۶) میں مذکور ہے، اور خود آیت بالا میں فرمایا ہے: ’’وَحَسُنَ أُوْلَـٰٓئِكَ رَفِيقًا ۝٦٩‘‘ اور اس آیت نساء کو ’’موضح القرآن‘‘ میں خوب سمجھایا ہے کہ چھوٹوں کو بڑوں کے ساتھ رکھتے ہیں، جس طرح کہ خدّام کو اُمراء کے ساتھ، کیونکہ صدرِ کلام میں اطاعت مذکور ہے، جو اوّل مرحلہ ہے۔ اور انہی کمالات کی سرایت ہے جس نے اس جہول ومخذول (مرزا غلام احمد قادیانی) کو راستے سے بھٹکا دیا، اور (ان کے متعدّی ہونے کو اس نے ازراہِ حماقت) نبوّت کا متعدّی ہونا سمجھ لیا۔

(۱۳۳) اگر کوئی شخص فلسفہ بگھارتے ہوئے یہ کہے کہ ’’ایک ہی حقیقت ہے جو (انبیائے کرام علیہم السلام میں پائی جائے تو وہ نبوّت کہلاتی ہے اور وہی جب) غیر انبیاء میں (پائی جائے تو) ولایت کی طرف تبدیل ہوجاتی ہے۔ اسی طرح وحی واِلہام، عصمت ومحفوظیت اور معجزہ وکرامات (کو سمجھنا چاہیے) جس طرح کہ سورج کی روشنی (ضیاء) چاند کے کرہ میں پہنچ کر نُور بن جاتی ہے۔ یا جس طرح کہ اشیاء خارج میں اعیان ہیں، ذہن میں صورتیں ہیں، اور آئینوں میں عکس ہیں۔ یا جس طرح کہ ایک ہی نوع کے اشخاص

کے وجودات میں باہمی تفاوت ہے، جس کے رفع کرنے کی تمنّا کرنا جہل ہے۔‘‘ یہ فلسفہ آرائی بھی چنداں قابلِ وثوق ولائقِ اعتماد نہیں، کیونکہ تمام اشیاء مذکورہ مرتبۂ قطعیت سے گر کر مرتبۂ ظنّیت میں آگئی ہیں، گویا وجوب سے امکان کی طرف پہنچ گئی ہیں۔ پس (اس قدر بیّن تفاوت کے بعد یہ فیصلہ کرنا کہ) یہ اختلاف عوارض کا اختلاف ہے؟ یا اختلافِ حقیقت؟ اور ان تمام اشیاء کا تفاوت آیا اسی طرح کا ہے جس طرح کہ اتحادِ حقیقت کے باوجود کسی نوع کے اشخاص میں تفاوت ہوا کرتا ہے یا کیا صورت ہے؟ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی اصل کُنہ کو علّام الغیوب کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کیا تم جانتے نہیں کہ ایمان میں کمی بیشی کے مسئلے میں آج تک تصفیہ نہیں ہوسکا، کہ آیا یہ کمی زیادتی عوارض میں ہے یا نفسِ ماہیت میں؟

(۱۳۴) اور جیسا کہ متأخرین اہلِ معقول نے حصولِ اشیاء میں حصول باشباحہا، کا فیصلہ کیا ہے، کسی دوسرے کی صفاتِ نفسیہ کے حصول کا اس کے ماسوا یقیناً کوئی راستہ نہیں ہے، الاّ یہ کہ حصول اپنے ذاتی استحقاق سے ہو، بطور اِستفادہ نہ ہو۔ پس استفادہ بھی، جس کا یہ مخذول راگ گاتا ہے، اپنی ذات ہی کی طرف راجع ہوا۔ اور ’’واسطہ فی الثبوت‘‘ جس میں واسطہ اور ذُو واسطہ دونوں موصوف ہوتے ہیں، اس میں عقلاء کا معرکہ ہے، بعض نے یہ سمجھا ہے کہ فعل جو فاعل سے صادر ہوتا ہے، اس کا دوسرا سرا مفعول بہٖ پر پہنچ جاتا ہے، جس کا نام مفعولِ مطلق رکھا گیا، وہ کوئی علیحدہ حقیقت نہیں، البتہ فعل کا اثر ایک جداگانہ چیز ہے، پس ان مغالطوں میں پڑنا اور ان کی وجہ سے دِین کی ضروریات ومتواترات کو توڑ پھوڑ دینا اِلحاد وزَندقہ کا کام ہے۔

(۱۳۵) اور معلوم رہے کہ اس امّت کے اندر نبوّت جاری ہونے میں نہ تو اس امّت کا کوئی خصوصی کمال ظاہر ہوتا ہے، اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا، کیونکہ پہلی اُمتوں میں اس کی نظیر موجود ہے، اور اِستفادہ وعدمِ استفادہ کا فرق، جیسا کہ پہلے گزر چکا محض لغو

ہے، خارج میں کوئی امتیاز ونشان نہیں رکھتا، صرف ایک ذہنی اختراع ہے جس کی حیثیت طفل تسلی سے زائد نہیں،(۱) پھر آخر کس معنی کی بناء پر خاتم النّبیین، صرف آنحضرت ﷺ ہی کو فرمایا گیا؟ اگر کہا جائے کہ ”(آنحضرت ﷺ بایں معنی خاتم النّبیین ہیں کہ) آپ ﷺ کمالاتِ نبوّت کے خاتم ہیں، یعنی آپ ﷺ نے کمالات واجزائے نبوّت کی مسافت کو اِختتام تک پہنچادیا اور ختم کردیا ہے، اگرچہ نبوّت کا دور اور زمانہ ابھی باقی ہے۔“ تو (یہ بے معنیٰ تقریر نصِ قرآن کے خلاف ہے، اس لیے کہ) نصِ قرآن میں کہاں ہے کہ ”خاتمِ کمالات“ کا لفظ فرمایا ہو؟ اور یہ کس کو حق ہے کہ قرآن کی نصِ صریح سے باہر نکلے؟ قرآن نے تو ”اشخاص انبیاء کے ختم کرنے والا“ فرمایا ہے اور یہ اَمر خود بھی ختمِ کمالات کی فرع ہے، اور اس بات کی علامت ہے کہ ختمِ زمانی کے ساتھ ختمِ کمال فرمایا گیا۔ اور اس قسم کی خاتمیت عالمِ تقدیر میں مقرّر وملحوظ بھی ہے اور (خارج میں) رائج ومعمول بھی یہی ہے کہ ختمِ صوری کو ختمِ معنوی کی علامت قرار دیتے ہیں، اور یہ اَمر، واقع میں یا تو فتح کے ساتھ ہوتا ہے، یا ختم کے ساتھ، آنحضرت ﷺ میں دونوں کو جمع فرمادیا گیا کہ آپ ﷺ فاتح بھی ہیں اور خاتم بھی، چنانچہ خسرو فرماتے ہیں:

شاہِ رُسل و شفیعِ مُرسل
خورشید پسین و نورِ اوّل

اور اس خاتمیت کی نظیر پہلوں میں موجود نہیں، پس (اب انصاف فرمائیے کہ آنحضرت ﷺ کا) امتیازی کمال یہ (خاتمیت صوری ومعنوی) ہے، یا سابق نہج پر ہونا؟

(۱۳۶) اگر صاحبِ اختیار مالک کہے کہ میں فلاں منصب کو فلاں جگہ سے شروع کرکے فلاں کامل ترین فرد پر ختم کردوں گا (مثلاً منصبِ نبوّت کو آدم علیہ السلام سے شروع

---

(۱) مفتی محمد عبداللہ صاحب لدھیانوی نے ”فتح مبین“ ص:۱۱۱ میں اس ملحد کی بعض عبارتیں اس مضمون میں نقل کی ہیں۔ منہ

کر کے اکمل الانبیاء حضرت محمد ﷺ پر ختم کردوں گا) تو آیا یہ اَمر اہلِ عُرف کے نزدیک بالبداہت کمال نہیں ہے؟ (اگر ہے اور یقیناً ہے تو آخر کیا وجہ ہے) کہ یہ ملاحدہ ایک بدیہی (صاف اور سیدھی سی) بات میں بھی شک اندازی کرتے ہیں (کہ۔نعوذ باللہ۔یہ تو نقص ہے) اور گزر چکا ہے کہ کسی کو ''خاتم المحدّثین'' جو کہا جاتا ہے، اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ شخص محدّثین کی جماعت میں سے خاتمِ کمالات ہے، نہیں بلکہ یہ بھی ''خاتمِ اشخاص محدّثین'' کے معنی میں ہے، البتہ (کلامِ اِلٰہی اور اس محاورۂ عامیہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ یہ محاورہ) مسامحت اور ظن وتخمین پر مبنی ہے، جبکہ مَلکِ علّام کا کلام اس سے پاک ہے، وَٱللَّهُ يَهۡدِي مَن يَشَآءُ إِلَىٰ صِرَٰطٖ مُّسۡتَقِيمٍ!

(۱۳۷) بالآخر آیتِ کریمہ کے خلاصہ کا دوبارہ اعادہ کرنا مناسب ہے، کیونکہ حق جل شانہٗ کے کلامِ معجز نظام کے خصائص، اعتباراتِ مناسبہ اور لطائف ونکات کا سمجھنا اہلِ زمانہ کے لیے نہایت دشوار ہے، بلکہ انسانی طاقت سے بعید ہے، إِلَّا مَنۡ أَتَى ٱللَّهَ بِقَلۡبٖ سَلِيمٖ!

(۱۳۸) پس خود سمجھ لو کہ اس آیتِ کریمہ میں اہلِ جاہلیت سے خطاب نہیں کہ یہ آیت مدنی ہے اور نہ یہ ''إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ ٱلۡأَبۡتَرُ ۝٣'' (بے شک تیرا دشمن ہی نسل بریدہ ہے۔الکوثر:۳) کے مدّعا پر ہے جو کہ مکی ہے اور اہلِ جاہلیت کے رَدّ میں نازل ہوئی ہے، البتہ یہ آیت اس معروف رسم کی اصلاح کے لیے آئی ہے کہ لوگ تبنّي (لے پالک بنانے) کو وراثت پانے کے لیے مفید سمجھتے تھے، اور یہ رسم اس زمانے میں بھی تھوڑی بہت باقی ہے، اور نزولِ آیت کے وقت آپ ﷺ کا کوئی صاحب زادہ بقیدِ حیات نہیں تھا۔حضرت ابراہیم ابھی تولد نہ ہوئے تھے، اور دیگر صاحب زادگانِ گرامی اس سے پہلے گزر چکے تھے، پس بظاہر تبنّي کی رسم کا اِبطال اس لفظ سے ہوسکتا تھا کہ ''تبنّي کچھ نہیں اور اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا'' مگر اس کے بجائے قرآنِ کریم

میں ایک عام مضمون کی طرف انتقال کیا گیا کہ محمد ﷺ تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، اور نہ آپ ﷺ پسری اولاد کے سلسلے کو جاری کرنے اور صاحب زادوں کے خاندان کو باقی رکھنے کے لیے تشریف لائے ہیں، البتہ آپ خدا تعالیٰ کے رسول اور انبیاء کے ختم کنندہ ہیں۔

(۱۳۹) اور سلسلۂ کلام میں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف جو مناسبِ مقام ہو یا اخص سے اَعم کی طرف چلے جاتے ہیں، پس یہ آیت صرف مسئلہ تبنّیِ تک محدود نہیں رہی، بلکہ خاندانی وراثت کے سلسلے میں پہنچ گئی۔ جہاں تک خصوصی طور پر شانِ نزول کے واقعے کا تعلق ہے، اس مسئلے پر کلام آیت: ''وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَآءَكُمْ أَبْنَآءَكُمْ'' (الاحزاب:۴) اور ''لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ'' (الاحزاب:۳۷) میں پورا ہو چکا تھا۔ اس کے بعد سلسلۂ کلام مطلق توریث کی طرف آنکلا، جیسا کہ ''معالم التنزیل'' میں اِبنِ عباس رضی اللہ عنہما کا قول گزر چکا ہے۔ اُبوّت اپنے مفہوم میں دو جز رکھتی تھی ایک باپ بیٹا ہونے کا تعلق، اس کے بدل میں رِسالت کو رکھا گیا، دوم وراثت جاری ہونا، اس کے بدل میں ختمِ نبوّت کو رکھا گیا۔ بس یہ وجہ ہے دو لفظ لانے کی۔

(۱۴۰) اور معلوم ہے کہ آپ ﷺ کے پسری خاندان کو باقی رکھنا اور پھر ان کے اندر سلسلۂ نبوّت کو باقی رکھنا اِن دونوں باتوں کے درمیان کوئی عقلی یا شرعی تلازم نہیں، لیکن اہلِ عُرف اور محبانِ صادق یہی چاہا کرتے ہیں کہ خاندان میں سلسلۂ وراثت باقی رہے، اندریں حالت یہ خیال ذہن میں آسکتا تھا کہ نہ معلوم خاندانِ نبوی میں کونسا سلسلہ رہتا ہے۔ سلسلۂ نبوّت؟ یا سلسلۂ خلافت وولی عہدی؟ یا وراثتِ مال کا سلسلہ؟ وغیرہ۔ یہاں کسی قسم کا لزوم نہیں تھا، لیکن تناسب ضرور تھا اور بہت ممکن ہے محبین کی تمنّا بھی ہو اور ان کے اذہان میں یہ خیال گزر بھی رہا ہو، جیسا کہ علم میں بھی

خاندانی وراثت نہیں، لیکن اگر خاندان میں علم باقی رہے تو اسے خاندانی علم کہا کرتے ہیں، اور یہی مناسب سمجھتے ہیں کہ باپ کی جگہ بیٹا عالم ہو، اور اسی نہج وطریق پر ہے آیت: ''يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ ءَالِ يَعْقُوبَ ۖ'' (سورۂ مریم:۶) اور آلِ ابراہیم، آلِ یعقوب، آلِ عمران، آلِ یٰسین اور آلِ داوٗد کا عنوان بھی اسی کے پیشِ نظر آیا ہے، ''موضح القرآن'' میں سورۂ اَعراف میں منصبِ خلافت واِمامت اور اِمامت کے خاندانِ ہارون علیہ السلام میں رہنے کے بارے میں کچھ ذِکر فرمایا ہے، اور اسی طرح آیت: ''وَوَرِثَ سُلَيْمَٰنُ دَاوُۥدَ ۖ'' (سورۃ النمل:۱۶) میں وراثتِ علم ونبوّت مُراد ہے۔ اور ''معالم التنزیل'' میں حضرت عطاء سے نقل کیا ہے کہ:

''جب اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کردیا کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا تو آپ ﷺ کو پسری اولاد ہی عطا نہیں فرمائی جو بلوغ کو پہنچتی۔''

(۱۴۱) پس فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ کے بارے میں تمہارے ذہنوں میں جو یہ خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ وہ پسری خاندان کو جاری کرنے اور کسی نوعیت کی وراثت باقی رکھنے کے لیے ہیں، ایسا نہیں ہوگا۔ ہماری تقدیر میں وہ سلسلۂ نبوّت کے ختم کرنے کے لیے ہیں، اس لیے پسری خاندان میں ولی عہدی کا سلسلہ نہیں ہوگا۔ پس نبوّت کا سلسلہ ظاہر ہے کہ بدرجۂ اَولیٰ نہیں ہوگا، اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اس آیت سے توریثِ نبوّت بالاستفادہ کے سلسلے کی نفی بدرجۂ اَولیٰ ہوجاتی ہے بہ نسبت بِلاواسطہ کے، کیونکہ اُبوّت اوّل الذکر صورت میں زیادہ دخیل ہے۔

(۱۴۲) حاصل یہ کہ ''محمد ﷺ اِجراء کے لیے نہیں، بلکہ ختم کے لیے ہیں۔'' اور آیتِ کریمہ کسی لزوم پر مبنی نہیں، بلکہ تناسب ووقوع پر مبنی ہے، اور وہ بھی اسی درجے میں جو کہ اذہان میں گزر سکتا تھا، اگرچہ یہ خیال گزرنا مسلمانوں ہی کی جانب سے ہو۔

اور محطِّ کلام میں یہ ضروری نہیں کہ ہم ''مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن

رِّجَالِكُمْ‘‘ میں اوّلِ وہلہ ہی سے اِجرائے سلسلۂ نبوّت کو محطّ ٹھہرائیں، بلکہ دوسرے مناسب سلسلوں کی نفی سے یہ بھی بطریقِ اَولیٰ منفی ہوگیا، اور ختم کلام یعنی ’’وَلَٰكِن رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ‘‘ اس اَمر کی جانب خصوصی اشارہ کو متضمن ہے کہ صدرِ کلام میں اسی کا ارادہ ارادکیا گیا، جیسا کہ تفتازانی نے کہا ہے کہ:

’’اگر تم کہو کہ جب قصرِ قلب میں دو وصفوں کے درمیان تنافی متحقق ہے تو ایک کا اثبات خود بخود دوسرے کی نفی کو مشعر ہوگا، پس بطور حصر ایک وصف کی نفی اور دوسرے کے اثبات سے کیا فائدہ ہوا؟ جواب یہ ہے کہ اس میں فائدہ یہ ہے کہ اس سے مخاطب کی غلطی رفع کرنے پر تنبیہ ہوجاتی ہے، کیونکہ مخاطب اصل واقعے کے برعکس کا معتقد تھا۔ چنانچہ ہمارا قول ’’زید کھڑا ہے‘‘ اگرچہ نفیٔ قعود پر دلالت کرتا ہے، لیکن اس سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ مخاطب کو اس کے قعود کا اعتقاد ہے اور جب ہم کہیں کہ ’’زید بیٹھا نہیں بلکہ کھڑا ہے‘‘ تو اس سے پتا چلے گا کہ مخاطب زید کو بیٹھا سمجھتا تھا، متکلم اس کی غلطی کی اصلاح کرنا چاہتا ہے۔‘‘

(مختصر المعانی، ص:۱۹۰ بحث قصر بالعطف)

اور اسی سبب سے تمام طرق قصر کے ساتھ نفی کے اجتماع میں تفصیل پیدا ہوئی۔

(۱۴۳) اور اگر کہا جائے کہ ’’وَلَٰكِن‘‘ ایک دوسری صورت میں بھی تلافیٔ مافات کے لیے ہوتا ہے تو (جواب یہ ہے کہ) وہ بھی یہاں پوری پوری پائی جاتی ہے کہ ادنیٰ علاقہ کے بدلے میں اعلیٰ علاقہ رکھا گیا۔ باقی نوع سے جنس کی طرف یا جنس الاجناس کی طرف انتقال کرنا یہ تقاضائے مقام پر منحصر ہے، جیسا کہ علماء نے استثناء مفرغ میں تقریر کی ہے خلاصہ یہ کہ: ’’مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ‘‘ میں دو جملوں کا جمع کرنا (جن میں سے ایک منفی ہے اور دوسرا مثبت) اس

مقصد کے ادا کرنے کے لیے جو گزر چکا، ورنہ ان مسائل کا بیان الگ الگ بھی ہوسکتا تھا، یہ ہے خلاصۂ مُراد آیتِ کریمہ کا کہ عمریں ختم ہوجاتی ہیں، مگر وہ جلوہ نہیں دکھاتا، (ترجمہ شعر) ''تیرے حسن کے بارے میں ہر شخص ہر دَم نئی بات کرتا ہے، اگر تیرے رُخِ تاباں کی جلوہ نمائی ہوتو یہ قصے نہ رہیں۔''

خاتمہ

(۱۴۴) جاننا چاہیے کہ حق طلبی، حق پسندی اور حق نیوشی کا طریقہ یہ ہے کہ کلامِ معجز نظام کے قیود، کلامِ مَلکِ علّام سے ہی لئے جائیں، بلکہ ہر ایک حاضر الحواس متکلم کے کلام میں یہی طریقہ ہے، اپنی جانب سے اتباعِ ہویٰ اور اغراضِ نفس کی خاطر قیدیں لگانا، تقسیمیں نکالنا اور پھر کلامِ معجز نظام کے ٹکڑے کرکے اسے ان پر چسپاں کرنا اِلحاد وزَندقہ کی اصل بنیاد ہے۔ پس جب حق تعالیٰ نے ایک بار تصریح فرمادی کہ ''محمد ﷺ تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، بلکہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں'' تو شیوۂ ایمان یہ ہے کہ تمام حیلوں بہانوں کو چھوڑ کر ہم آنحضرت ﷺ کو ''تمام نبیوں کا ختم کرنے والا'' یقین کریں اور اسی پر ایمان لائیں، کیونکہ اسی عقیدے کو سکھانے کے لیے تو یہ آیت آئی ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے کسی جگہ تقسیم وتقیید نہیں فرمائی تو ہمیں حق نہیں کہ زیغ واِلحاد کے شبہات کی بناء پر آیت کے عموم اور اطلاق کو خیر باد کہہ دیں، کیونکہ یہ نص کے مقابلے میں قیاس کو پیش کرنا ہے اور قیاس سے نص کا مقابلہ ومعارضہ سب سے پہلے اِبلیس نے کیا تھا۔ پھر اِجماعِ بِلا فصل بھی اس عقیدے پر منعقد ہے اور دورِ نبوّت سے آج تک مسلسل یہی عقیدہ چلا آتا ہے، پس یہ عقیدہ ہمیشہ قطعی الثبوت رہا ہے اور یہ آیت اس کے اثبات میں قطعی الدلالت رہی ہے۔

(۱۴۵) اور جو کچھ یہ ملحد اور اس کے چیلے چانٹے اس عقیدۂ حقہ (ختمِ نبوّت) کی مخالفت میں پیش کرتے ہیں وہ سب رُسوا کن مغالطے ہیں، یہ لوگ بارہا مناظروں میں

لاجواب اور ذلیل ورُسوا ہوئے، مگر صد حیف کہ انہیں ہدایت نہ ہوئی، بلکہ اپنی انجمن سے مشاہرے لے کر اِیمان کے بدلے کُفر خریدتے رہے، ان کا طریقہ یہ ہے کہ محکمات وقطعیات کو شبہات ومتشابہات کے ذریعے مکدّر کرتے ہیں اور رَفتہ رَفتہ ایمان سے خارج کردیتے ہیں، کوئی دلیلِ عقلی یا سمعی ان کا متمسک نہیں ہے، بلکہ ان کا کُل سرمایہ بس ملحدانہ شبہات ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض تم دیکھ سُن چکے ہو کہ زندقہ سے زیادہ نہیں ہیں اور یہ آیت ان تمام شبہات پر حاوی ہے اور پہلے ہی سے ان کا فیصلہ کرچکی ہے۔

(۱۴۶) مثلاً وہ سورۂ اَعراف کی آیت:۳۵ ''یٰبَنِیٓ ءَادَمَ إِمَّا یَأْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ یَقُصُّونَ عَلَیْكُمْ ءَایَٰتِی'' میں یہ سخن سازی کرتے ہیں کہ (یأتین استقبال کا صیغہ ہے اور) استقبال باعتبار زمانۂ نزول کے ہے (گویا آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کی اُمّت کو فرمایا جارہا ہے کہ تمہارے پاس بہت سے رسول آئیں گے، اس سے ثابت ہوا کہ) نبوّت جاری ہے۔ حالانکہ (یہ آیت خود قادیانی دعوے کے خلاف ہے، کیونکہ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ آئندہ نبوّت آنحضرت ﷺ کی اتباع کے واسطے سے ملا کرے گی، نہ کہ مطلقاً جبکہ) اس آیت میں خاتم الانبیاء ﷺ کے اتباع کی کوئی قید نہیں، جو انہوں نے آیت ختمِ نبوّت میں ایجاد کی تھی۔

علاوہ ازیں یہ شبہ غایتِ غباوت واِلحاد سے پیدا ہوا ہے (تحقیق یہ ہے کہ) حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا قصہ ذِکر فرمایا (اور وہی بیان دُور تک چلا گیا) اور درمیان میں کوئی کوئی جملہ لفظِ ''قُل'' کے ساتھ ان اُمور کے بارے میں، جو بعد میں وقوع پذیر ہونے والے تھے، خاتم الانبیاء ﷺ کو خطاب فرمایا، اور کسی ضمنی فائدے کی جانب راہنمائی اور تنبیہ فرمائی تاکہ دوبارہ اَز سَرِ نو سلسلۂ سخن شروع کرنے کی ضرورت نہ ہو اور معاملہ دست بدست طے ہوجائے اور چار بار ''یا بنی آدم'' کے عنوان سے خطاب فرمایا، یہ

تمام کلام اعادہ خطابِ اول کے ساتھ اسی عہد سے متعلّق ہے (جو عالمِ ارواح میں تمام ذُرّیتِ آدم سے لیا گیا تھا)۔ اور استقبال بھی اسی کے اعتبار سے ہے، اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ ذِکر فرمایا (اس تقریر سے معلوم ہوا کہ آیت میں استقبال زمانۂ نبوی کے اعتبار سے نہیں، بلکہ زمانۂ عہد کے اعتبار سے ہے)۔

اس آیت کو، جس میں بہت سے رسولوں کے آنے کی اطلاع دی گئی ہے۔ خاتم الانبیاء ﷺ سے مابعد کے زمانے سے متعلّق کرنا حضرتِ حق جل مجدہٗ کے ساتھ معارضہ ومقابلہ ہے، کیونکہ اس نے ایک بار ختمِ نبوّت کی نصِ قطعی نازل کرکے اپنی مُراد کی تعلیم فرمادی ہے، سورۂ بقرہ کی ابتداء میں بھی اسی آیت کے قریب ارشاد ہوا ہے: ’’قُلْنَا ٱهْبِطُوا۟ مِنْهَا جَمِيعًا ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّى هُدًى‘‘ (البقرہ:۳۸)۔

اسی طرح سورۂ طٰہٰ میں بھی (طٰہٰ:۱۲۳) اسی طرح ذِکر فرمایا، اور حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے حق میں قیامت سے متصل ہونا ذِکر فرمایا، اور (آپ ﷺ کے اور قیامت کے) درمیان میں کسی اُمّت کو نہیں رکھا۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ابتدائے آفرینش کے حق میں استقبال مناسب تھا، چنانچہ واقعہ بھی یہی تھا، اور آیاتِ کریمہ بھی اسی طرز پر وارِد ہوئیں۔ پھر حق تعالیٰ کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ زمانۂ لاحق میں زمانۂ سابق کے بارے میں خطاب فرمائیں، جبکہ حکم اس طرز کے مناسب ہو (بہرحال اس آیت سے اِجرائے نبوّت پر استدلال کرنا قادیانی ذہنیت کا اعجوبہ ہے، ورنہ تیرہ صدیوں کی) اُمّت کے کسی شخص کا ذہن ان آیات میں (اِجرائے نبوّت کے) کسی وہم کی طرف نہیں گیا اور نہ ان آیات میں اس وہم کی کوئی ادنیٰ گنجائش ہے۔ اس ملحد کو تعلیم شیطان کی بنا پر جداگانہ نبوّت کا دعویٰ کرنا تھا اس لیے (شیطان نے پہلے اسے دعویٰ نبوّت تلقین کیا اور) بعدازاں یہ تمام اِلحاد سکھائے اور

اس کے اذناب و اتباع، علم و عمل اور نیتِ صحیحہ ہر چیز سے عاری ہیں، سوائے کُفر و عناد، عداوت حق و اہلِ حق اور شرّ و فساد کے۔

(۱۴۷) اور مثلاً یہ کہ آیت: ’’وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي ‘‘ (المائدۃ:۳) میں اِلحاد کرتے ہیں (کہ یہ آیت اس اُمّت پر اِتمامِ نعمت کا اعلان کرتی ہے اور سب سے بڑی نعمت نبوّت ہے، جب اس کو وہ نہ ملی تو نعمت پوری کیونکر ہوئی؟) حالانکہ آیت کی مُراد واضح ہے کہ:

’’میں نے نعمت کا کوئی جز نہیں چھوڑا جو تم کو عنایت نہیں کردیا۔‘‘

اور یہ منافی ہے اس بات کے کہ نعمت کا کوئی جزوِ جدید ابھی باقی ہو جو عنایت نہ کیا گیا ہو، مگر جو نعمت عطا کی جاچکی اس کی بقاء کے منافی نہیں، بخلاف آیت ’’خاتم النّبیین‘‘ کے کہ وہ اشخاصِ انبیاء کے ختم ہونے کا اعلان کرتی ہے اور یہ کسی دوسرے شخص کی آمد کے منافی ہے۔ وہی خاتم الانبیاء ﷺ ہیں جو تا قیامت پوری انسانیت کے لیے نبی ہیں، اور آپ ﷺ ہی کا دورِ نبوّت باقی ہے۔ جس طرح آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں کوئی دوسرا نبی نہیں تھا (تھا تو مسیلمۂ کذّاب تھا) اسی طرح آپ ﷺ کے مابعد کے زمانے میں بھی کوئی دوسرا نبی نہ ہوگا (اگر ہوگا تو مسیلمۂ کذّاب کا بھائی ہوگا)۔

اور جب یہ کہا جائے کہ فلاں شخص پر ہم نے سلطنت کے تمام اجزاء پورے کردیے تو یہ ایک الگ مضمون ہے جس کی مُراد بالکل واضح ہے اور جب کہا جائے کہ فلاں شخص کو ہم نے خاتمِ سلاطین بنادیا تو یہ دوسرا مضمون ہے کہ وہ بھی بجائے خود واضح ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اجزائے شئ الگ چیز ہے اور عمرِ شئ ایک دوسری چیز ہے۔ اجزاء کے پورا کردینے سے اس کی عمر پوری نہیں ہوجاتی، بلکہ اجزاء کے پورا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز ناقص نہیں رہی، اور ختمِ اشخاص کے ساتھ عمر ختم ہوگئی، اور وہ

سلسلہ باقی نہ رہا، اور مالکِ کارپرداز نے وہ کام ہی چھوڑ دیا، اور جب کوئی شخص اپنا کام چھوڑ دے تو اس کے ساتھ معارضہ کیسا؟ اور اس کی مُراد کی تحریف کیوں کی جائے؟

(۱۴۸) غرضیکہ ختمِ نبوّت کو ایک بار سیکھ کر اسے دائمی اور پختہ عقیدہ بنالینا چاہیے، اور پھر اسے ہر قسم کی بحث و تمحیص سے بالاتر سمجھنا چاہیے۔ اس کے بعد جو چیز بھی ذخیرۂ سمع و نقل سے سامنے آئے اس کی تفسیر و تشریح اسی کے موافق کرنی چاہیے، کیونکہ ختمِ نبوّت کا عقیدہ ضروریاتِ دِین میں سے ہے۔ یعنی ان اُمور میں سے جو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تبلیغ سے ہر خاص و عام تک پہنچ چکے ہیں۔ اس قسم کے اُمور، دِین کے اندر ایک طے شدہ مفہوم اور ایک ثابت شدہ حقیقت رکھتے ہیں کہ کسی کے ظن و تاویل پر ان کے مفہوم کا مدار نہیں، اور نہ ان میں تاویل اور قیاس آرائی کی گنجائش ہے (بخلاف ظنّیات کے کہ ان میں تاویل کی گنجائش ہوتی ہے اور ہر مجتہد کے نزدیک جو مفہوم طے ہو وہی اس کے لیے واجب العمل ہوتا ہے) اور اگر دِین کی ہر چیز (لوگوں کے ظن و تخمین اور تاویل پر) دائر رہا کرے تو دِین کی کوئی حقیقت محصّلہ ہی باقی نہیں رہتی۔

اور کسی حکم کا ضروریاتِ دِین میں سے ہونا نقلِ متواتر اور اشتہار و استفاضہ کے ساتھ ہوتا ہے (کہ صدرِ اوّل ہی سے وہ حکم مشہور و مستفیض اور متواتر نقل ہوتا رہا۔ جس کی وجہ سے وہ قطعی الثبوت ہوگیا) حکم خواہ کوئی ہو، خواہ فرض کا ہو، خواہ استحباب کا، خواہ اباحت کا۔

اور کبھی قطعیت، دلیلِ عقلی قائم ہونے سے بھی، جو دلیلِ نقلی کے مساعد ہو، پیدا ہوجاتی ہے، لیکن یہ لازمی نہیں ہے، بلکہ جب کوئی عقیدہ اُمّت میں طبقةً بعد طبقةٍ متواتر رہا اور اہلِ حل و عقد کے درمیان اس عقیدے میں کوئی اختلاف رُونما نہیں ہوا، بلکہ سب کے یہاں متفق علیہ رہا، تو وہ قطعی ہے۔

اور تواتر کبھی اسناد کے ساتھ ہوتا ہے، کبھی طبقہ و توارُث کے ساتھ، اور کبھی

قدرِ مشترک کے ساتھ۔ یہ تمام تواتر کی قسمیں ہیں، اور یہی متواترات ''سبیل المؤمنین'' ہے، جو قرآنِ کریم نے آیتِ ذیل میں ذِکر فرمایا ہے:

وَمَن يُشَاقِقِ ٱلرَّسُولَ مِنۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ ٱلۡهُدَىٰ وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيلِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ نُوَلِّهِۦ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصۡلِهِۦ جَهَنَّمَۖ وَسَآءَتۡ مَصِيرًا ﴿١١٥﴾ (النساء:۱۱۵)

ترجمہ: ''اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو اَمرِ حق ظاہر ہوچکا تھا اور مسلمانوں کا رستہ چھوڑ کر دوسرے رستہ ہولیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے، اور اس کو جہنّم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے جانے کی۔'' (بیان القرآن از حکیم الاُمّت تھانوی رحمہ اللہ)

(۱۴۹) بعد ازاں مخفی نہ رہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ: ''فلاں عمارت کو میں نے ختم کردیا'' تو چونکہ اس نے یہ بات اپنی حالت کے مشاہدے اور اپنے اِرادے کے پیشِ نظر کہی ہے، کیونکہ وہ مالکِ مختار ہے، پس اس کی مُراد میں تحریف کرنا (اس کے مطلب کو بگاڑنا) صادق اور راست باز لوگوں کا کام نہیں۔ مگر کسی کا یہ کہنا کہ: ''فلاں شخص خاتم المحدّثین ہے'' اس نے آخر کس چیز کا مشاہدہ کرکے یہ بات کہی؟ کیونکہ نہ تو وہ علمِ غیب رکھتا ہے، اور نہ اسے حالات پر اِحاطہ حاصل ہے، لامحالہ یہ بات محض تخمینہ اور مجازفہ ومسامحہ کے طور پر ہوگی۔ بخلاف علّام الغیوب اور مالک الملک کے، (کہ اس کا ارشاد سراسر تحقیق اور خود اپنے فعل سے متعلّق ہے) پس غور کیجئے کہ اس قسم کے تفاوت اور حالات کے مختلف ہونے سے بات کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے؟ اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مُرادِ لفظ کی تعیین اس بناء پر نہیں ہوتی کہ لفظ اسی معنی میں منحصر ہے، بلکہ حالات واغراض کی بناء پر اور بغیر کسی اختلاف کے اس معنی میں کثرتِ استعمال وتکرار وغیرہ کے ساتھ بھی محاورات کے معنیٰ متعین ہوجاتے ہیں، اور محاورات میں روزمرّہ (ان اُمور

سے سابقہ پیش آتا ہے، مگران لوگوں کو وہاں) کیوں یہ تباہی پیش نہیں آتی، صرف نصوص ہی میں یہ آفت رُونما کیوں ہوتی ہے؟ بہرحال توفیقِ خداوندی درکار ہے، اور اگر اس قسم کے اُمور میں بھی کوئی شخص فہمِ رسا نہیں رکھتا اور دعویٰ ہمہ دانی کے باوصف کُفر و اِیمان میں تمیز نہیں کرپاتا تو اس سے ہاتھ اُٹھالینا چاہیے، کیونکہ جیسا کہ حدیث (مشکوٰۃ، ص:۳۶) میں ہے:

''یہ زمانہ، غالیوں کی تحریف اور باطل پرستوں کے غلط دعوؤں کا ہے۔''

(۱۵۰) ان مخذولوں کی حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حق تعالیٰ قسم کھاکر بھی فرماتے کہ میری مُراد یہ ہے کہ محمد ﷺ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی بھی نہیں بھیجوں گا، (نہ تشریعی، نہ غیرتشریعی، نہ حقیقی، نہ نقلی یا ظلّی) تو یہ کہیں گے کہ ''جی ہاں! لفظ تو یہی ہیں جو آپ نے فرمائے، لیکن آپ کی مُراد یہ ہے کہ فلاں طریقے سے آپ اس سلسلے کو جاری ہی رکھیں گے۔'' اور اگر فرماتے کہ: ''نہیں یہ بھی نہیں!'' تو یہ کہیں گے کہ: ''جی ہاں! بظاہر تو ایسا ہی ہے، لیکن آپ کے باطن میں یہ ہے۔'' بتائیے! ہر بات کی اُلٹ توجیہ کا سلسلہ کہیں جاکر رُکنے کا ہے؟ اور جب مخاطب یہ فیصلہ کرچکا ہو کہ اسے بہرحال متکلم کی ہر بات کو اُلٹ معنی پر محمول کرنا ہے تو حق تعالیٰ کسی بھی حقیقت کے ادا کرنے سے (نعوذ باللہ) قاصر رہیں گے اور کسی مطلب و مدّعا کو ادا کرنے کا راستہ ہی بند ہوجائے گا۔ اندریں صورت اگر کوئی شخص قرآن کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ آخری کتابِ اِلٰہی ہے، اس کے بعد کوئی کتاب نہیں، اور اس کی مُراد آخریتِ حقیقی ہو، مگر اس کے ہاتھ میں اس مُراد کے ادا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوگا (کیونکہ قادیانی ملاحدہ اس میں بھی تاویل کا کوئی چکّر چلادیں گے) واللہ ولي التوفیق!

(۱۵۱) اور اَب نبوّت کو ختم اور سربمہر کرنے کی حکمت سمجھنا چاہیے، معلوم رہے کہ اس حقیقت (یعنی نبوّت) کو مالکِ ملک اور صاحبِ اختیار نے آدم علیہ السلام کے عہد سے شروع

کیا، جہاں سے بنوآدم کا آغاز ہوا ہے، اور خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر، جو خاتمۂ دُنیا پر تشریف لائے ہیں، پورا فرما دیا، اور دِین کے کامل اور نبوّت کے ختم ہونے کا اعلان کردیا ہے اس ختم سے مقصود، جیسا کہ اِبنِ کثیر رحمہ اللہ اس حقیقت کو پہنچے ہیں۔ یہی ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی ملحد و زِندیق اور دَجال و کذّاب درمیان میں نہ گھسے، یا سربمہر خزانے میں سے کوئی چیز نہ اُٹھائے، جب تک اُمّت اس عقیدے پر قائم رہے گی، رحمتِ اِلٰہی کے زیرِ سایہ رہے گی اور جب اِنحراف کرے گی تو یہ اَمر موجبِ تفریق ہوگا اور اس سلسلے میں تشریعی وغیرتشریعی کا کوئی فرق نہیں (بلکہ بِلا اِستثناء ہر قسم کی نبوّت کا دروازہ بند ہے) اس لیے کہ جب (نئے نبی کے آنے سے) ایمان میں اضافہ ہوسکتا ہے (کہ نئے نبی پر اِیمان لانا دِین کا ایک نیا رُکن بن جائے) تو (شریعتِ جدیدہ کے ذریعے) اعمال میں اضافہ کیا دُشوار ہے؟ پس (اُمّتِ محمدیہ میں) اگر اور پیغمبر آئیں اور منکروں کی تکفیر کریں تو (ظاہر ہے کہ اُمّت میں اِفتراق پیدا ہوگا، اور) یہ اختلاف اختلافِ رحمت نہیں، بلکہ اس میں اُمّتِ مرحومہ کے اتحاد کی بیخ کنی، ان کی خیر و برکت کا اِبطال، صلاح و فلاح اور کامیابی کا خاتمہ، ایک دوسرے کی تکفیر کا فتحِ باب، اتفاق و اتحاد کا سدِّباب اور مقصدِ اِلٰہی کا - کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی دجال درمیان میں نہ گھسے - معارضہ و مناقضہ ہے۔ (ترجمہ شعر) ”میں اس حالت میں سفر کرتا ہوں کہ میں نے اپنے دِل پر تیری محبّت کی مُہر لگادی ہے، تاکہ کوئی دوسرا اس میں نہ سمائے۔“ اور اسی سبب سے ختم کا اعلان فرمایا تاکہ دَجل و زَندقہ کی رَگ کٹ جائے، یہ اُمّت ٹکڑیوں میں تقسیم ہوکر اِیمان کو پارہ پارہ نہ کرے، فتنہ و فساد، لڑائی دنگا، خونریزی و غارت گری اور شقاق و نفاق میں نہ پڑے، اور فساد فی الارض اور فتنۂ طویل و عریض کا موجب نہ ہو۔

(۱۵۲) پس اس حکمت کا اس شقی کے وسوسے سے کہ ”نبوّت نبی ساز ہونی چاہیے“ موازنہ کرو، اور پھر انصاف کرو کہ اُمّتِ مرحومہ کے حق میں (رحمت، قادیاں کی جعلی

نبوّت ہے یا کہ) درحقیقت یہ اعلانِ ختمِ نبوّت رحمت تھا، جس کو اِلحاد وغباوت کی وجہ سے یہ نہیں سمجھا، کیونکہ خاتم الانبیاء ﷺ پر کامل ایمان رکھنے کے باوجود اس نبوّتِ جدیدہ کے منکروں کی تکفیر کرنا ان کے حق میں رحمت کی نفی کرنا ہے (قادیانی نظریہ ''اِجرائے نبوّت رحمت ہے'' کے مطابق چودہ صدیوں میں صرف ایک مرزا غلام احمد قادیانی موردِ رحمت بنا، جب کہ اس فردِ واحد کے موردِ رحمت بننے سے اُمّت کے کروڑوں افراد جو قادیانی نبوّت کے منکر ہیں، موردِ لعنت ٹھہرے) پس ایک طرف ان اشقیاء کو رکھو جن کو اس نے نام نہاد نبی بنایا ہے (اور وہ صرف مرزا کی ذات ہے) اور دوسری طرف جماہیرِ اُمّت کی تعداد کو رکھو اور پھر دیکھو کہ کیا موازنہ ہے (آیا اِجرائے نبوّت کے قادیانی نظریہ سے اُمّتِ مرحومہ کے حق میں رحمت کا پلہ بھاری ہوا یا لعنت کا؟) اُمّت کے حق میں جس چیز کو رحمت کہہ سکتے ہیں، وہ یہ ہے کہ پوری اُمّت کا ایک ہی دِین وایمان ہو، ایک ہی کتاب و نبی ہو، ایک ہی دستورِ ہدایت ہو، ایک ہی ملّت ہو، ایک ہی سبیل المؤمنین ہو، اور وہ سب ایک ہی راستے پر چلیں، اور یہ بات سابقین کے حق میں مقدّر نہ تھی۔ اِبنِ کثیر رحمہ اللہ اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ بات آنحضرت ﷺ کے شرف میں سے ہے کہ آپ ﷺ کو خاتم النّبیین بنایا، اور آپ ﷺ کو تمام مخلوق کی جانب مبعوث کیا گیا۔''

آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی پر نبوّت ختم ہوجانے کو اِبنِ کثیر رحمہ اللہ شرفِ نبوی قرار دیتے ہیں، اور پہلے گزر چکا ہے کہ یہ اَمر بالکل واضح اور بدیہی ہے، اور ان مخذولوں کی شک اندازی بدیہیات میں شک اندازی ہے۔ طبرانی نے ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی نقل کیا ہے کہ: ''یہ دِین نبوّت ورحمت کی شکل میں شروع ہوا، اور خلافت ورحمت ہونے والا ہے۔''

درحقیقت، رحمت میں خیرِ عام مقصود ہوتی ہے، اس کے مقابلے میں معدودے

چند افراد کی تکمیل کوئی وزن نہیں رکھتی (اور قادیانیوں کے نظریہ اِجرائے رحمت سے تو معدودے چند افراد بھی مستفید نہ ہوسکے، بلکہ صرف فردِ واحد کے لیے یہ نظریہ ایجاد کیا گیا، کیونکہ قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد غلام احمد کے سوا کوئی نبی نہیں ہوا، اور غلام احمد کے بعد بھی قیامت تک کوئی نبی نہیں ہوگا، گویا خاتم النّبیین مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ الغرض! قادیانی جو نعرہ زور شور سے لگاتے ہیں کہ ''اُمّتِ محمدیہ میں نبوّت کا جاری ہونا رحمت ہے'' اس کی حقیقت صرف یہ نکلی کہ فردِ واحد یعنی مرزا غلام احمد قادیانی موردِ رحمت ہوا اور کروڑوں کی تعداد میں اُمّت کافر اور موردِ لعنت ٹھہری۔ اب انصاف فرمائیے کہ ایک فرد کی خاطر کروڑوں افرادِ اُمّت کو کافر اور خارج از ایمان ٹھہرانا کیا اُمّت کے حق میں رحمت ہے؟) جب بات موازنۂ رحمت پر پہنچی (کہ آیا اسلامی عقیدۂ ختمِ نبوّت موجبِ رحمت؟ یا قادیانی عقیدۂ اجرائے نبوّت؟) تو اس نکتے کا خوب وزن کرلینا چاہیے۔

(۱۵۳) باقی رہا معاملہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کا پس وہ کوئی اَمر زائد نہیں (جس پر نئے سِرے سے ایمان لانا فرض ہو) بلکہ وہ پہلے ہی سے ایمانیات میں شامل ہے، لہٰذا ان کی تشریف آوری سے ایمانیات میں اضافہ نہ ہوا، (جبکہ مرزا کے دعوے سے ایمان میں ایک نئی نبوّت کا اضافہ ہوا، اور اس نئی نبوّت کے نہ ماننے والے کافر ٹھہرے) اور مقصود بالذات عام ہدایت اور عام انسانوں کی تربیت ہے، رسولوں کی بعثت (اسی غرض کے واسطے ہے، گویا وہ) بالواسطہ مقصود ہے۔ اور معلوم ہے کہ جس وقت مختلف جانب سے کشاکشی اور مصالح کے درمیان تعارض ہو (کہ ایک جانب کی مصلحت کا تقاضا کچھ ہے، اور دوسری جانب کی مصلحت کا تقاضا اس کے برعکس ہے) تو اس وقت ان تمام اُمور میں سے خوب سے خوب تَر اور مناسب سے مناسب ترین کو لیا جاتا ہے۔ (اس اُصولِ تجاذب کے پیشِ نظر یہ دیکھنا ہوگا کہ اُمّتِ مرحومہ کے حق میں

عقیدۂ ختمِ نبوّت کی برکت سے اوّل سے آخر تک پوری اُمّت کا ملّتِ واحدہ، دِینِ واحد، اور نبیٔ واحد پر متفق و متحد ہونا ارفق وانسب ہے، یا غلام احمد قادیانی کی نبوّت سے کروڑوں اربوں افرادِ اُمّت کا کافر بن جانا زیادہ بہتر وموزوں ہے)۔

(۱۵۴) آیاتِ قرآنِ حکیم کی بناء، کلماتِ تنزیل کا مطمحِ نظر اور ان سب کا محطِّ فائدہ اور مسقطِ اشارہ یہی ہے کہ قرآن کے بعد ایسی کوئی کتاب، کوئی وحی اور کوئی خطاب موجود نہیں جس پر کہ ایمان لانا باقی اور واجب ہو، جو وحی کہ انبیائے کرام علیہم السلام سے مخصوص ہے، وہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے بعد نہیں رکھی، بلکہ بطورِ مفہومِ مخالف کے، جو دلالت کی ایک قسم ہے، اس کی نفی فرمائی ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

(۱) ”وَٱلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِٱلْـَٔاخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿٤﴾“ (البقرۃ:۴)

(۲) ”لَّـٰكِنِ ٱلرَّٰسِخُونَ فِى ٱلْعِلْمِ مِنْهُمْ وَٱلْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ ۚ“ (النساء:۱۶۲)

(۳) ”يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ ءَامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَٱلْكِتَـٰبِ ٱلَّذِى نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ وَٱلْكِتَـٰبِ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ مِن قَبْلُ ۚ“ (النساء:۱۳۶)

(۴) ”وَلَقَدْ أُوحِىَ إِلَيْكَ وَإِلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكَ“ (الزمر:۶۵)

(۵) ”أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ ءَامَنُوا۟ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ“ (النساء:۶۰)

(۶) ”كَذَٰلِكَ يُوحِىٓ إِلَيْكَ وَإِلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكَ ٱللَّهُ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴿٣﴾“ (الشوریٰ:۳)

(ان تمام آیات میں آنحضرت ﷺ سے قبل کی وحی کا ذِکر ہے، اور اس پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے، مگر آپ ﷺ کے بعد کی وحی کا کہیں ذِکر نہیں، نہ اس پر

ایمان لانے کا حکم دیا گیا، حالانکہ اگر آپ ﷺ کے بعد بھی وحی نبوّت کا سلسلہ جاری ہوتا تو اس کا ذِکر بدرجۂ اَولیٰ ہونا چاہیے تھا تاکہ اُمّت گمراہ نہ ہوتی)۔

اور (ختمِ نبوّت پر) استدلال کی یہ نوع (شیخ اِبنِ عربی رحمہ اللہ) نے ''فتوحات'' میں ذِکر فرمائی ہے، جن پر یہ قادیانی ملاحدہ اِفترا کرتے ہیں کہ وہ (حضرت خاتم النّبیین ﷺ کے بعد بھی) بقاءِ نبوّت کے قائل تھے، شیخ نے باب:۷۳ کے سوال:۱۹ کے وصل میں تصریح کی ہے کہ نبوّت سے ان کی مُراد شرعی اِصطلاح نہیں، بلکہ معنی لغوی ہے۔

(۱۵۵) پھر معلوم رہے کہ یہ غیرتشریعی نبوّت، جو (شیخ رحمہ اللہ کی اِصطلاح میں) فیوض وکمالات اور ولایت ومبشرات سے عبارت ہے، وہ شیخ رحمہ اللہ کے نزدیک نبوّت کی کوئی قسم نہیں، بلکہ اس کا ایک جزء ہے۔ اسی طرح تشریعی نبوّت بھی (ان کے نزدیک نبوّت کا) ایک جز ہے۔ (لہٰذا فرداً فرداً ان میں سے کسی پر نبوّتِ شرعیہ صادق نہیں آتی، کیونکہ) جب تک تمام اجزاء جمع نہ ہوں، کل صادق نہیں آیا کرتا۔ یہ مقسم کلّی کی مانند نہیں جو اپنی اقسام پر صادق آتا ہے۔ جیسا کہ ان ملحدوں نے سمجھا ہے، اور شیخ نے خود بھی اس کی تصریحات فرمائی ہیں۔ حاصل یہ کہ شیخ کے نزدیک نبوّت کا ایک جز باقی ہے، جو کل کا مصداق نہیں ہوتا۔ نبوّت کی کوئی جزئی یا اس کی کوئی قسم باقی نہیں (جس پر نبوّت صادق آئے)۔

(۱۵۶) آیاتِ (ختمِ نبوّت) کی ایک اور قسم وہ آیات ہیں جن میں اوّل سے آخر تک اس اُمّت کی وحدت کو ملحوظ رکھ کر اسے اُمّتِ واحدہ فرمایا، مثلاً مندرجہ ذیل آیات۔

(۱) ''كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ'' (آل عمران:۱۱۰)

(۲) ''وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا'' (البقرة:۱۴۳)

(۳)''فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَآءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾''(النساء:۴۱)

(۱۵۷) اور دلائلِ ختمِ نبوّت کی ایک اور قسم وہ ہے جو مندرجہ ذیل نوعیت کی آیات میں ہے:

(۱) ''وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ''(الانبیاء:۲۵)

(۲)''وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ''(الحج:۵۲)

(۳)''وَمَآ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ''(الفرقان:۲۰)

(جن میں آنحضرت ﷺ سے قبل رسول بھیجنے کا ذِکر ہے، بعد میں نہیں) اور بطورِ طرد وعکس کے (اس قسم کی آیات بھی دلیل ختمِ نبوّت ہیں جن میں آنحضرت ﷺ کی وحی کی پیروی کرنے اور اس کے غیر کی پیروی نہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ مثلاً:)

''اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ''

(الاعراف:۳)

(۱۵۸) اور معلوم ہے کہ اگر آپ ﷺ کے بعد کسی قسم کی نبوّت مقدّر ہوتی، اور اس کے انکار پر کُفر کا فتویٰ جاری ہوتا تو یقیناً خدا تعالیٰ کی جانب سے مؤکد وصیت ہوتی کہ دیکھو! بعد میں بھی انبیاء آئیں گے، ایسا نہ ہو کہ اس وقت (ان پر اِیمان نہ لانے کی وجہ سے) ہلاک ہوجاؤ۔ ظاہر ہے کہ انبیائے گزشتہ کے ذِکر سے زیادہ اہم بعد میں آنے والا انبیاء کا تذکرہ تھا، کیونکہ سابقین پر اجمالی بھی ایمان کافی ہے۔ خواہ ان کی تعداد کچھ ہی ہو، مگر بعد میں آنے والوں سے تو اس اُمّت کو معاملۂ اِیمان درپیش تھا (کتنی عجیب بات ہے کہ قرآنِ کریم انبیائے سابقین کا تذکرہ تو بار بار کرتا ہے، لیکن بعد میں آنے والے کسی نبی کی طرف ادنیٰ سے ادنیٰ اشارہ تک نہیں کرتا۔ چلیے یہ بھی نہ سہی) اس سے کم کیا ہوگا کہ (رسولوں پر اِیمان لانے کے سلسلے میں) ''مِن قَبْلِ'' کی قید ہی کو حذف کردیا

جاتا (کیونکہ اگر بعد میں بھی رسولوں کی آمد باقی تھی تو ظاہر ہے) کہ یہ قید بے موقع اور موجبِ مغالطہ تھی۔

اس نوع کی آیات (جن میں ”مِن قَبۡلِ“ کی قید لگا کر بعد میں آنے والے رسولوں کی نفی کردی گئی ہے) کافی سے زیادہ ہیں۔[۱] اِجمالاً ”مفتاح کنوز القرآن“ میں دیکھ لی جائیں کہ ان میں سے ایک آیت اس مغالطے کے مقابلے میں، جو اِن ملاحدہ نے آیت: ”فَأُوْلَـٰٓئِكَ مَعَ ٱلَّذِينَ أَنۡعَمَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِم“ (النساء:۶۹) میں تراشا ہے، کافی ہے، اور باقی تعداد اہلِ حق اور اہلِ ایمان کے لیے فاضل رہ جاتی ہے، واللہ المستعان!

(۱۵۹) پس ایک طرف اس قدر آیاتِ بینات، جو عقیدۂ ختمِ نبوّت پر مبنی اور اس مقصد کی خبر دیتی ہیں اور ناظرین نے جن کی تعداد یک صد (۱۰۰) تک پہنچادی ہے۔[۲] نازل کرنا اور دوسری طرف زمانۂ مابعد کی جانب کوئی اشارہ والتفات نہ کرنا منشائے خداوندی اور مطمحِ نظرِ اِلٰہی کا پتا دیتا ہے کہ زمانۂ مابعد میں کسی قسم کی کوئی نبوّت باقی نہیں ہے، زمانۂ مابعد کی نبوّت اور ”وحی نبوّت“ کا قرآن میں (کہیں نام ونشان نظر نہیں آتا، بلکہ وہ یکسر) گم اور ناپید ہے، ورنہ (اگر نبوّت کی کوئی قسم باقی ہوتی تو ناممکن تھا کہ قرآن نہ صرف اسے چھوڑ جاتا، بلکہ ہر جگہ ”مِن قَبۡلِ“ کی قید لگا کر اس کی نفی کرتا جاتا، کیونکہ) یہ طریق بندوں کی ہدایت وراہنمائی کا طریق نہیں ہے۔

(ترجمہ شعر) ”اور میں نے لوگوں کے تمام عیوب میں اس سے بڑھ کر
کوئی عیب نہیں دیکھا کہ آدمی قدرت کے باوجود ادھوری بات کہے۔“

(۱۶۰) اور اسی طرح ذخیرۂ اَحادیث میں جو دو صد (۲۰۰) اَحادیث ختمِ نبوّت کے موضوع میں وارد ہیں اور جو (اس قدر مشہور اور متواتر ہیں کہ صدرِ اسلام سے لے آج

---

(۱) ”المعجم المفهرس لألفاظ القرآن“ میں ”مِن قَبۡلِكَ“ والی آیات کی تعداد ۳۲ لکھی ہے۔

(۲) اس کے لیے حضرتِ اقدس مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم کراچی کا رسالہ ”ختمِ نبوّت فی القرآن“ قابلِ دید ہے۔ مترجم)

تک) برسرِ منبر علیٰ رُؤس الاشہاد تمام لوگوں کو سُنائی جاتی رہی ہیں، ان میں بھی کسی قسم کی نبوّت کے جاری رہنے کی طرف اشارہ نہیں۔ ان میں بعض احادیث میں تو علی الاطلاق انقطاعِ نبوّت کا اعلان کیا گیا ہے، مثلاً: ”انا خاتم النّبیین، لا نبي بعدی“ اور بعض علی الخصوص غیرتشریعی نبوّت کے انقطاع میں وارد ہیں، مثلاً: بخاری و مسلم اور مسندِ احمد وغیرہ کی حدیث جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ”بنواسرائیل کی سیاست وقیادت انبیاء علیہم السلام کے سپرد تھی، جب ایک نبی کا انتقال ہوجاتا اس کی جگہ دوسرا نبی آجاتا اور میرے بعد اب کوئی نبی نہیں ہوگا۔ ہاں خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔ عرض کیا گیا: پس آپ ہمیں کیا حکم فرماتے؟ فرمایا: جس سے پہلے بیعت ہوجائے پس اس کی بیعت کو پورا کرو، ان کو ان کا حق ادا کردو، (اپنا حق ان سے نہ مانگو) کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی ماتحت رعیت کے بارے میں ان سے خود ہی باز پُرس کرے گا۔“ (مشکوٰۃ، ص:۳۲۰)

(یہ حدیث دو وجہ سے غیرتشریعی نبوّت کے انقطاع کی دلیل ہے، اوّل یہ کہ) یہ انبیائے بنی اسرائیل، جو بنی اسرائیل کی سیاست وقیادت کرتے تھے، شریعتِ توراۃ پر عامل تھے، کوئی دوسری شریعت نہیں رکھتے تھے (گویا غیر تشریعی نبی تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ اب میرے بعد اس قسم کے انبیاء بھی نہیں ہوں گے، اس سے ہر اَدنیٰ فہم کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس حدیث میں غیرتشریعی نبوّت کے انقطاع کو بیان فرمایا گیا ہے۔ دوم یہ کہ) اس حدیث میں اُس چیز کو بھی ذِکر فرمادیا جو نبوّت کے بدل میں باقی رہنے والی تھی، اور وہ ہے خلافت، نہ کہ کسی قسم کی نبوّت (اب اگر کسی قسم کی نبوّت اس اُمّت میں جاری ہوتی تو لامحالہ اس کا ذِکر فرماتے)۔

(۱۶۱) اور پہلے گزر چکا ہے کہ نبوّت بھی استخلاف ہے، اسی بناء پر عورتوں میں

نبوّت نہیں رکھی گئی، نبوّت انبیائے کرام علیہم السلام کی تکمیلِ ذات کے لیے نہیں ہوتی، کیونکہ یہ تکمیلِ نبوّت کا ایک جزء ہے جو اس کے تحت مندرج، اور ساری ومتعدی ہے، پس جو کمالات کہ بطورِ تسبیب متعدی رکھے گئے ہیں، وہ اب بھی متعدی ہیں اور پہلے بھی متعدی تھے بخلاف استخلاف، اختصاص اور تشریف کے، کہ یہ عطیۂ خداوندی پر منحصر ہیں۔ اس حقیقت کو نفی کرنا دراصل ایجاب بالذات وبالطبع کا عقیدہ ہے، جو دِینِ سماوی کے سراسر مخالف ہے۔

(۱۶۲) پس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ونزول کے قطعی مسئلے میں) شبہات اُٹھانا، مثلاً مسیح ابنِ مریم کے اور اس دِین کے درمیان بیگانگی اور اَجنبیت پیدا کرنا، مسیح ناصری اور مسیح محمدی میں تفریق کرنا، اور یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طویل حیات اور ان کا رفعِ جسمانی، آنحضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی فضیلت کا موجب ہے اور اس کو ہماری غیرت برداشت نہیں کرتی، یہ تمام شبہات شیطان کی تعلیم سے ہیں، جو اِن حرماں نصیب لوگوں کے سینوں میں چارزانو بیٹھ کر القا کرتا ہے، اور یہ لوگ اس قسم کے شبہات کے ذریعے احمقوں کو اِیمان سے خارج کردیتے ہیں، ورنہ یہ اُمور نہ موجبِ فضیلت ہیں، اور نہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کے اختیارات میں منازعت ہوسکتی ہے۔

(ترجمہ اشعار) ''بابرکت ہے وہ ذات جس نے جاری کیے
تمام اُمور حکمت کے ساتھ، جیسے چاہے۔ نہ ظلم کا ارادہ کیا، نہ کسی کی حق تلفی
کا۔ پس نہیں تیرے لیے اس چیز کے سوا جو اللہ تعالیٰ نے چاہی، اب تجھے
اختیار ہے خواہ خوش رہ، یا غم سے گھٹ کر مرجا۔''

(۱۶۳) پھر سمجھنا چاہیے کہ کسی شخص کی آخریت وخاتمیت متعدّد وجوہ سے ہوسکتی ہے (اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز ایک اعتبار سے موٴخر ہوتی ہے اور دُوسرے اعتبار سے مقدّم) مثلاً: کسی محل میں لوگ یکے بعد دیگرے جمع ہورہے ہیں، پس جو شخص کہ

سب سے آخر میں پہنچا وہ آمد کے لحاظ سے آنے والوں میں سب سے آخر ہے، اگرچہ باہر جانے میں وہ سب سے اوّل رہے گا۔ جیسا کہ (حدیث نبوی) ’’نحن الآخرون السابقون‘‘ میں (اس مضمون کی جانب) اشارہ ہوا ہے (کہ آنے میں ہم سب سے آخر میں آئے، لیکن فضل وکمال اور دُخولِ جنّت میں ہم سب سے آگے نکل گئے) اور اسی طرح جو مُہر کہ ملفوف پر لگائی جاتی ہے۔ وہ وضع میں مؤخر ہوتی ہے اور کھولنے میں سب سے مقدّم (کہ سب سے پہلے مُہر کو توڑا جاتا ہے) اسی مضمون کی جانب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے (مسندِ طیالسی، ص: ۳۵۴) کی حدیث میں حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے حق میں ارشاد فرمایا ہے، (دیکھیے: پیراگراف: ۴۶)۔

(۱۶۴) اور حدیث شفاعت (میں آتا ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام شفاعتِ کبریٰ سے گریز فرمائیں گے اور بالآخر یہ منصب آنحضرت ﷺ پر آٹھہرے گا، شفاعت کے اس مفصل واقعے) سے اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے (شفاعتِ کبریٰ کے منصب کو حضرت) خاتم الانبیاء ﷺ کے حوالہ کرنے سے (ایک اہم ترین نکتہ) معلوم ہوا (وہ یہ کہ جو شخصیت کہ منتہائے کمال ہو، اس کا باعتبارِ زمانہ کے بھی سب سے مؤخر ہونا سُنّتِ اِلٰہیہ میں اس کے منتہائے کمال ہونے کی علامت ہے اور حضرت خاتم الانبیاء ﷺ (کی خاتمیت وآخریت) میں یہی اَمر ملحوظ ہے، (یہی وجہ ہے) کہ جستہ جستہ (اہم ترین) واقعات کے ضمن میں آپ ہی کی ذاتِ گرامی پر معاملے کا توقف ظہور پذیر ہوتا رہا۔ یوں آپ ﷺ کی خاتمیتِ زمانی ایک اور حقیقت کو ادا کرنے کے لیے ایک صورت اور پیرایہ بن گئی اور وہ تھا، آپ ﷺ کا کمالات میں انتہاء کے آخری مرتبہ پر فائز ہونا۔ اور یہ یہی صورت لیلۃ الاسراء کی نماز اور آنحضرت ﷺ کی اِمامت میں ظہور پذیر ہوئی (کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام (غالباً اپنی بعثت کی ترتیب سے) بیت المقدس میں جمع ہوتے رہے اور سب سے آخر میں حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی تشریف ارزانی ہوئی،

اور انبیاء علیہم السلام کی مقدّس محفل میں اِمامتِ کبریٰ کے لیے جبریلِ امین نے ہاتھ پکڑ کر آپ ﷺ کو آگے کر دیا، جس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ پہلے آنے والے تمام حضرات، سب سے بعد میں آنے والی شخصیت کے منتظر اور چشم براہ تھے، جس طرح کہ تمام حاضرینِ جلسہ، ''مہمانِ خصوصی'' کے منتظر ہوا کرتے ہیں۔ دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کی اِمامتِ کبریٰ ''سب سے آخر میں آنے والے'' پر موقوف تھی۔ جب تک خاتم الانبیاء ﷺ کا ورودِ مسعود نہیں ہوا نماز شروع نہ ہو سکی۔ تیسرے، جو سب کے بعد آیا تھا وہی سب کے آگے کیا گیا۔ یہ گویا ''نحن الآخرون السابقون'' کا عملی ظہور تھا۔ ان تمام وجوہ سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی آخریت و خاتمیتِ زمانی دراصل آپ ﷺ کے علوِّ مرتبت اور سیادت و برتری کا ایک حسین ترین مظہر ہے (ﷺ)۔

(۱۶۵) پس نبوّت کوئی تولیدی محکمہ نہیں، جیسا کہ یہ ملحد (قادیانی) ہانکتا ہے (کہ خاتم الانبیاء کی مُہر سے نبی پیدا ہوا کرتے ہیں) بلکہ یہ منصبِ نبوّت، رَبّ العزّت کی جانب سے استخلاف (خلیفہ سازی) اور ولی عہدی (نامزدگی) ہے۔ عقدِ بیعت اور اَخذِ بیعت میں خاتم الخلفاء پر مقصد کا اِتمام ہوتا ہے اور تولید میں استخلاف۔ جو عظیم تر منصب اور اعلیٰ شرف ہے۔ معطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ استخلاف میں اہلِ حل وعقد اور سابقین کی حاضری ہوا کرتی ہے، جبکہ تولید باعتبار مؤخر کے ہوتی ہے۔ اور استخلاف کا حق یہ ہے کہ خلیفہ نامزد کرنے والا یہ کہے کہ ''میں نے فلاں شخص کو ان پر خلیفہ مقرّر کر دیا۔'' اور یہی اَمرِ استخلاف، آیتِ کریمہ: ''وَإِذْ أَخَذَ ٱللَّهُ مِيثَـٰقَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ'' (آل عمران:۸۱) میں ظاہر ہوا، جو سلسلۂ نبوّت کو بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل کی جانب منتقل کرنے میں کام آیا۔

(۱۶۶) اور (آیتِ کریمہ: ''وَإِذْ أَخَذَ ٱللَّهُ مِيثَـٰقَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ'' میں جس نبی کے لئے عہد لینے کا ذِکر ہے، اس سے مُراد حضرت خاتم الانبیاء ﷺ ہیں، کیونکہ ''النّبیین'' سے

انبیائے بنی اسرائیل مُراد ہیں اور آنے والے نبی کو ان سب کا ''مصدّق'' فرمایا گیا، اور جیسا کہ آیت میں فرمایا گیا) وہ مصدق باہر سے آیا نہ کہ ان کے درمیان سے (اور ظاہر ہے کہ ایسا رسول صرف آنحضرت ﷺ ہیں، جو بنو اسرائیل سے نہیں، بلکہ ان کے باہر سے یعنی بنو اسماعیل سے ہیں) اور یہی توراۃ کی تصریح ہے کہ:

''نابي مقربخ متخيخ كاموخ يأقيم''

ترجمہ: ایک نبی، تیرے قُرب سے، تیرے بھائیوں سے، تیری مانند قائم کرے گا۔

''لخ الوهخ الا وتشماعون''

تیرے لیے، تیرا خدا، اس کی طرف، تم سنو گے۔

اور اسکندرانی، جو علمائے یہودی میں تھے بعد اَزاں مشرف باسلام ہوئے، انہوں نے بشارات کُتبِ مقدّسہ میں بنی یشماعیل کا لفظ نقل کیا ہے جو کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے نام کی صاف تصریح ہے۔

اور اگرچہ (مصدّق کا لفظ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام (کے حق میں) بھی (آیا ہے، چنانچہ وہ) فرماتے: ''وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ'' (آل عمران:۵۰) لیکن زیرِ بحث آیت میں (''وہ آنے والے رسول'' کا مصداق نہیں ہو سکتے، کیونکہ اوّل تو وہ خود اسرائیلی ہیں، نہ کہ باہر سے آنے والے، دوسرے، حق تعالیٰ اس آیت میں) تمام نبیوں کو ایک طرف رکھ کر اس ''آنے والے رسول'' کو لاتے ہیں، اور اسے کسی مخصوص کتاب کا نہیں بلکہ تمام ''ما معهم'' کا ''مصدّق'' قرار دیتے ہیں اور یہ وصف صرف خاتم الانبیاء ﷺ پر صادق آتا ہے، چنانچہ سورۂ بقرہ (آیت:۸۹) میں فرمایا: ''وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتَٰبٌ مِّنْ عِندِ ٱللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ'' (ترجمہ: ''اور جب آئی ان کے پاس ایسی کتاب اللہ کی جانب سے جو تصدیق کرنے والی ہے، ان تمام کتابوں کی جو ان

کے پاس ہیں‘‘ اور اسی سورۂ کی آیت:۱۰۱ میں ارشاد ہے:

’’وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ ٱللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ‘‘

(ترجمہ: ’’اور جب آیا ان کے پاس وہ رسول، اللہ کی طرف سے جو تصدیق کرنے والا ہے ان تمام کتابوں کی جو اُن کے پاس (پہلے سے نازل شدہ) ہیں۔‘‘ اور یہ عنوان ’’مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ‘‘ دعوت میں زیادہ مؤثر ہے بہ نسبت (سورۂ بقرہ کی آیت:۹۷ میں اختیار کردہ عنوان) ’’نَزَّلَهُۥ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ ٱللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ‘‘ کے، کیونکہ مؤخر الذکر آیت میں کتاب کا حال مذکور ہے، ان لوگوں سے اسے زیادہ تعلق نہیں، اسی طرح کا عنوان سورۂ اَنعام (آیت:۹۲) میں اختیار فرمایا، تاہم یہ عنوان بھی بلفظِ عام ہے۔ اور سورۂ بقرہ (آیت:۴۱) میں ہے: ’’وَءَامِنُوا۟ بِمَآ أَنزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ‘‘ (اور آیت:۹۱ میں ہے:) ’’وَهُوَ ٱلْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ‘‘ اور سورۂ نساء (آیت:۴۷ میں ہے:) ’’ءَامِنُوا۟ بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُم‘‘۔

یہ تمام آیتیں ’’ما مع‘‘ کے عنوان سے ہیں اور سورۂ مائدہ (آیت:۴۸) میں ہے: ’’مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلْكِتَـٰبِ‘‘ یہاں ’’ٱلْكِتَـٰبِ‘‘ سے عام کُتبِ سابقہ مُراد ہیں۔ اور (اس کے برعکس) عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں سورۂ مائدۃ (آیت:۴۶)، سورۃ الصّف (آیت:۶) اور سورۂ آلِ عمران (آیت:۵۰) میں (مصدّق کا لفظ ’’مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ‘‘ کی قید کے ساتھ آیا ہے نہ کہ ’’مِنَ ٱلْكِتَـٰبِ‘‘ کی قید کے ساتھ۔ (خلاصہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام توراۃ کے مصدّق تھے اور آنحضرت ﷺ عام کُتبِ سابقہ کے مصدّق ہیں، اس لیے آیتِ ’’میثاق النّبیین‘‘ میں جس رسولِ مصدّق کا ذِکر ہے، اس سے حضرت خاتم الانبیاء ﷺ مُراد ہیں) پھر (آنحضرت ﷺ کا انبیائے سابقین کے لیے مصدّق ہونا کسی جگہ تو) ’’ما مع‘‘ کے عنوان (سے ذِکر فرمایا) اور (کہیں) ’’لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلْكِتَـٰبِ‘‘ کے عنوان (سے۔ اور جیسا کہ ابھی اُوپر گزر چکا ہے کہ ان دونوں

عنوانوں) کے درمیان بھی (ایک دقیق ولطیف) فرق ہے، جسے ملحوظ رکھا گیا۔

(۱۶۷) محل میں جمع ہونے والوں کی مذکورہ بالا مثال میں، جب کوئی شخص اندر بیٹھ کر کسی ضرورت کے لیے باہر نکل آئے اور رَفعِ ضرورت کے بعد پھر واپس آجائے، پس اگر دوبارہ آنے کی حرکات کا شمار کریں تو کہہ سکتے ہیں کہ آخری آمد، اس شخص کی آمد ہے، مگر چونکہ یہ آمد مقاصد میں لائقِ اعتبار نہیں، اس لیے محافل ومجالس میں پہلی آمد ہی کا اعتبار کرتے ہیں، اور یوں کہتے ہیں کہ سب سے آخر میں فلاں شخص آیا تھا، اس شخص کو (جو مجلس سے اُٹھ کر کسی ضرورت کے لیے باہر گیا تھا اور پھر واپس آگیا) آخر میں آنے والا نہیں کہتے ہیں۔ اور جب یوں کہیں کہ ''فلاں خاتم النّبیین ہے'' تو یہ باعتبار پیدائش اور بعدیتِ اشخاص کے ہے، جیسا کہ اس کا اِجمالی بیان پہلے گزر چکا ہے، اور اس میں شک اندازی کرنا بدیہیات میں تشکیک ہے جو لائقِ اِلتفات نہیں۔ اور جب بات اشخاص پر پہنچی، اور ان کا تعدّد ہر ایک کی شکل وصورت اور چہرہ مہرہ کے اعتبار سے ہے، نہ کہ استقلال واتباع ایسے ذہنی ومعنوی اُمور کے اعتبار سے، جو تمایزِ وجوہ میں لغو ہے، تو یقیناً کسی نئے شخص کا آنا آیتِ خاتم النّبیین کے منافی ہے، کیونکہ وہ ایک الگ شخص ہے اور چہرہ مہرہ اور قالب الگ رکھتا ہے، اور اسی (تغایرِ اَشخاص) کے اعتبار آیتِ ختمِ نبوّت آئی ہے، اور اس مُراد میں تحریف کرنا زَندقہ واِلحاد ہے۔ البتہ پہلوں میں سے کسی شخص کا جس سے مُراد حضرتِ مسیح بن مریم علیہما السلام ہیں، دوبارہ لانا (آیتِ خاتم النّبیین کے منافی نہیں، کیونکہ کسی نئے شخص کو تو نہیں لایا گیا، بلکہ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے) ایک شخص کا دوبارہ لانا ہوا، کیونکہ یہ تو وہی پہلا شخص ہے اور اس کا دوبارہ لانا (ختمِ نبوّت کے منافی نہیں، بلکہ یہ اس اَمر کی علامت ہے کہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ انبیاء کا کوئی نیا فرد باقی نہیں رہا، اس لیے تکرار واعادہ کی ضرورت لاحق ہوئی۔

خاتم کی خاتمیت اس اَمر کو مقتضی نہیں کہ پہلے کے سب لوگ مرکر فنا ہوگئے، جیسا کہ ''آخرالمہاجرین'' اور ''آخرالاولاد'' کا لفظ پہلوں کی فنا کو مستلزم نہیں۔

(۱۶۸) پس ان اُمور میں شک اندازی کرنا دراصل بدیہی اُمور میں شک اندازی ہے۔ اس طرح کے شبہات ڈال ڈال کر شیطانِ رجیم احمقوں اور بے ایمانوں کا مذاق اُڑاتا ہے۔ ''الاصابہ'' میں لکھا ہے کہ: ''لا نبي بعدی'' کی نفی کو اس معنٰی پر محمول کرنا واجب ہے کہ آئندہ کسی شخص کے حق میں نبوّتِ جدیدہ کا اِنشاء نہیں ہوگا، اس سے کسی ایسے نبی کے موجود ہونے کی نفی نہیں ہوتی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل منصبِ نبوّت سے سرفراز کیا جاچکا ہو۔'' (الاصابہ: ابنِ حجر رحمہ اللہ، ج:۱ ص:۴۲۵) وَٱللَّهُ يَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهِۦ مَن يَشَآءُۚ!

(۱۶۹) بعدازیں معلوم رہے کہ علمائے کلام کو ''فضیلت'' کی تفسیر میں بحث ہے، اکثر علماء اس کو کثرتِ ثواب کے معنی میں لیتے ہیں۔ اور شاید ابنِ حزم رحمہ اللہ نے کچھ اور ہی سمجھ لیا کہ انہوں نے یہ مسئلہ نقل کرکے کہ ''اَزواجِ مطہرات، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنّت کے ایک ہی مکان میں ہوں گی'' اس پر ایک ایسی تفریع بٹھائی ہے جسے جمہور علماء تسلیم نہیں کرتے۔ دراصل مکان ومنزل میں اشتراک اور چیز ہے، اور منزلت ومکانت میں اشتراک اَمرِ دیگر ہے۔ چونکہ یہ حقیقت فی نفسہا موجود بھی ہے اور مقصود بھی، اس لیے اس کو لغو قرار دینا اور اس کے لفظ کو اس کی نوعیت سے خالی کردینا، یقیناً تحریف ہے۔ اسی طرح ''صِرَٰطَ ٱلَّذِينَ أَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ'' (میں جس اِنعام کا ذِکر ہے وہ) ایک مستقل حقیقت ہے، جو حصولِ نبوّت کو نہیں چاہتی (ورنہ اگر یہ اِنعام حصولِ نبوّت کو مستلزم ہوتو دو باتوں میں سے ایک لازم آئے گی، یا یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی شخص منعم علیہ نہیں، یہ نصِ قرآن سے باطل ہے، یا یہ کہ جس قدر منعم علیہ ہوئے، وہ سب نبی تھے، اور یہ بھی بالبداہت باطل ہے) اور اس کو اپنے موضوع سے نکالنا (اور اس سے

حصولِ نبوّت پر استدلال کرنا) ایک موجود اور اٹل حقیقت کو مٹانا ہے، ظاہر ہے کہ بِلا دلیل ایسا کرنا اِلحاد کی ایک قسم ہے۔

اسی طرح رَفع ونزول کے الفاظ جو (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن وحدیث میں وارِد ہیں، وہ) صنعتِ طباق کی بناء پر مکشوف المراد ہیں (یہی وجہ ہے کہ تمام کی تمام اُمّتِ اسلامیہ نے قرآنِ کریم کے لفظ "وَرَافِعُكَ إِلَيَّ" (آل عمران:۵۵) اور "بَل رَّفَعَهُ ٱللَّهُ إِلَيۡهِ" (النساء:۱۵۸) سے رَفعِ جسمانی سمجھا ہے، اور رَفع کے مقابلے میں احادیثِ متواتر میں "نزول"، "رُجوع" اور "ہبوط" کے الفاظ وارِد ہیں، بیشتر لفظِ "نزول" استعمال ہوا ہے، جس کے معنی تمام اُمّت نے "آسمان سے اُترنے" کے سمجھے ہیں، اور رَفع ونزول کے مفہوم میں اُمّت کے کسی ایک لائقِ اعتبار فرد کو بھی اختلاف نہیں ہوا، ایسے قطعی المراد اور واضح المعنیٰ الفاظ کو) ان کے موضوع اور ان کی نوعیت سے خالی کرنا (اور یہ کہنا کہ "رَفع" سے مُراد "رَفعِ درجات" ہے، اور "نزول" سے مسیح علیہ السلام کے کسی مثیل کا پیدا ہونا مُراد ہے، یہ خدا و رسول کے منشاء کی عین ضد اور اِجماعِ اُمّت کے قطعی مخالف ہے، جو بدترین) اِلحاد ہے۔

(۱۷۰) اگر بادشاہ کی دعوت کریں تو حشم وخدم اور نوکر چاکر بھی (خدمت کے لیے) اسی منزل ومکان میں رہیں گے۔ لیکن عزّت ووجاہت اور منزلت ومکانت میں وہ شریک نہیں۔ پس ضیافت اور رہائش گاہ میں شریک ہونا بھی ایک حقیقت ہے، جو (بادشاہ کے طفیل دوسروں تک بھی) ساری ومتعدی ہے، لیکن وجاہت ومنزلت میں شرکت نہیں، نہ یہ ساری ومتعدی ہے۔

اور معیت کے بھی بے شمار مراتب ہیں۔ آیتِ کریمہ: "فَأُوْلَـٰٓئِكَ مَعَ ٱلَّذِينَ أَنۡعَمَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِم"[۱] میں جس "معیت" کا ذِکر ہے، اس سے یہی معیت متعدیہ مُراد

---

(۱) "پس یہ لوگ ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا" (النساء:۶۹)۔

فہرست

ہے، اور وہ بھی مراتبِ کثیرہ رکھتی ہوگی۔ وجاہتِ مختصہ میں معیت مُراد نہیں۔

اور کسی کو کسی کے ساتھ رکھنا اور اس کے متعلقین میں سے شمار کرنا، ایک وسیع وعریض میدان رکھتا ہے۔ وہ اختصاصاتِ خاصہ کے ساتھ بھی جمع ہوسکتا ہے، پس جیسا کہ مثالِ مذکور میں بادشاہ کا امتیاز حشم وخدم کی معیت کے باوجود محفوظ ہے، اسی طرح فیوضِ نبوّت کے حال کو، جو متعدی ہیں، اور اَصلِ نبوّت کو جو متعدی نہیں، سمجھ لینا چاہیے۔

تولیدِ نبوّت (بایں معنی کہ ایک نبی اپنے فیضانِ نبوّت سے دوسرے کو نبی بنادے) سابقین میں بھی نہیں تھی، بلکہ حق تعالیٰ کی جانب سے متعدّد انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث کیا جاتا تھا، کبھی وہ زمانے پر منقسم ہوتے تھے، کبھی اقوام پر، اور (کبھی ایک ہی زمانہ اور ایک ہی قوم میں الگ الگ) وظائف واعمال کے اعتبار سے (الگ الگ نبی) ہوتے تھے۔ اور خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد یہ اَمر مقدّر نہ تھا، بلکہ تمام کمالات، تمام مکارمِ اخلاق اور تمام محاسنِ افعال ایک ذاتِ گرامی میں جمع کرکے کارِ نبوّت کی تکمیل کردی گئی۔ پس جو چیز پہلوں میں متعدی تھی وہ اب بھی متعدی ہے (یعنی نبوّت کے فیوض وبرکات)، اور نفسِ نبوّت نہ اس وقت متعدی تھی اور نہ اب متعدی ہے۔

(۱۷۱) اور آیتِ کریمہ: ''اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي'' (المائدۃ:۳)(۱) میں جس اِتمامِ نعمت کا ذِکر ہے، اس (نعمت کا اِتمام حضرت رسالت پناہی ﷺ کے وجودِ مسعود کی برکت سے پوری مجموعہ اُمّت کی جانب منسوب ہوسکتا ہے، نہ کہ ہر ہر فرد کی جانب۔ اس نکتے کو بھی یاد رکھو!

اور اسی آیتِ کریمہ سے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اقتباس کرتے ہوئے کہا تھا:

---

(۱) ''آج میں نے کامل کردیا تمہارے لیے تمہارا دِین، اور پوری کردی تم پر اپنی نعمت۔''

''میں اللہ تعالیٰ کے ربّ ہونے پر، اِسلام کے دِین ہونے پر، قرآن کے اِمام و پیشوا ہونے پر، اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے نبی ہونے پر بصدقِ دِل راضی ہوا۔''

(ترجمہ شعر) ''آپ ﷺ سے پہلے بہت سے انبیاء آئے اور آپ ﷺ اگرچہ آخر میں تشریف لائے، مگر سب کے پیشوا آپ ﷺ ہی ہیں۔''

قادیانی دِین و مذہب کے بارے میں چند سوالات اور ان بددِینوں کی دعوت وملّت کی مکّاریوں کا بیان

(۱۷۲)

سوال نمبر(۱) تمہارا دِین کیا ہے؟

سوال نمبر(۲) اور وہ تم لوگوں کو کس طریقے سے پہنچا؟ تواتر سے یا کسی اور طریق سے؟

سوال نمبر(۳) ایمان وکُفر کی تعریف کیا ہے؟

سوال نمبر(۴) اور اس کی دفعات بطورِ معیار کون کون سی ہیں؟

سوال نمبر(۵) (مرزا کا دعویٰ ہے کہ: ''خدا کا کلام اس قدر مجھ پر نازل ہوا کہ اگر وہ تمام لکھا جائے تو بیس جز سے کم نہیں ہوگا۔'' (حقیقۃ الوحی، ص:۳۹۱) سوال یہ ہے کہ یہ قادیانی وحی، جو بقدر بیس جزو کے (قرآنِ کریم سے) زائد ہے، اس کا اضافہ کیا حکم رکھتا ہے؟ (کیا وہ بھی قرآن کی طرح قطعی ہے؟ کیا اس پر اِیمان لانا بھی قرآن کی طرح فرض ہے؟ کیا اس سے بھی اَحکامِ شرعیہ ثابت ہوسکتے ہیں؟ کیا اس پر عمل کرنا بھی واجب ہے؟ کیا اس کو بھی قطعی طور پر ''کلامُ اللہ'' کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ کیا نماز میں اس کی بھی تلاوت جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس کے کسی ایک لفظ یا فقرے کا منکر بھی کافر ہے یا نہیں؟)

سوال نمبر(۶) جب مرزا ہندوؤں کے وید کی بھی تصدیق کرتا (اور اس کے کلامِ اِلٰہی

فہرست

ہونے کا قطعی عقیدہ رکھتا) ہے،[۱] تو قرآن پر اس کا کیا احسان ہوا اور اس کے ساتھ مرزا کو کیا خصوصیت ہوئی؟

سوال نمبر (۷) (ایک طرف تو مرزا ''محمدی'' ہونے کا دعوے دار ہے، اور دوسری طرف ہندوؤں کے مذہبی راہنماؤں کا ''اوتار'' کہلاتا ہے، سوال یہ ہے کہ) ''محمدی'' ہونے کے باوجود، کرشن وغیرہ (ہندو راہنماؤں) کا بروز ہونا کیونکر ممکن ہے؟

سوال نمبر (۸) مرزا نے حاشیۂ ''تریاق القلوب'' میں 'بروز' کو 'جنم' کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اندریں صورت مرزا کے 'بروز' اور ہندوؤں کے 'آواگون' کے درمیان کیا فرق ہے؟ علاوہ ازیں مرزا نے 'بروز' کے معنی 'اوتار' بھی ذِکر کیے ہیں، (دیکھئے: ''عشرۂ کاملہ'' ص:۴۶ اور ''کاویہ'' ص:۳۹۔)

(۱۷۳)

سوال نمبر (۹) تمہارے نزدیک تواتر (کی تعریف، اس) کا اور اس کے منکر کا کیا حکم ہے؟

سوال نمبر (۱۰) اور قرآنِ کریم کا تواتر کس نوعیت کا ہے؟

سوال نمبر (۱۱) تمہارے نزدیک وہ کون سا ضابطہ ہے جس سے (کسی آیت یا حدیث کی) قطعی مُراد ثابت ہوسکے؟

سوال نمبر (۱۲) تمہارے نزدیک دِینِ محمدی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) یا نصوص میں سے کوئی چیز ثبوت اور دلالت کے لحاظ سے قطعی بھی ہے یا نہیں؟

---

(۱) مرزا کا قول ہے کہ ''ہندوستان میں ایک نبی گزرا ہے جس کا نام 'اہن' تھا۔'' دیکھئے: ''سودائے مرزا'' ص:۱۳۱، تتمہ ''چشمۂ معرفت'' ص:۱۰، ''فتح قادیان'' ص۷۲ اور ''حقیقۃ الوحی'' ص:۲۰۹۔ اور اس سے قریب تر ''ضرورۃ الامام'' ص:۲۱ میں۔ نیز مرزا قادیانی لکھتا ہے: ''ہم وید کو بھی خدا کی طرف سے مانتے ہیں، خدا کی تعلیم کے موافق ہمارا پختہ اعتقاد ہے کہ وید انسانوں کا افتراء نہیں۔ ہم خدا سے ڈر کر وید کو خدا کا کلام جانتے ہیں۔'' مرزا قادیانی کی آخری تصنیف ''پیغامِ صلح'' ص:۲۳، جو اپنی ہلاکت سے ایک دِن پہلے لکھی، بحوالہ ''علمِ کلام مرزا'' ص:۶۸ اور ''تاریخ مرزا'' ص:۶۴۔ منہ

(۱۷۴)

سوال نمبر (۱۳) کیا مرزا کو جھوٹ بولنے کی عادت بھی تھی یا نہیں؟ اور اپنے مراقی ہونے کا اقرار بھی کیا یا نہیں؟ (اور یہ بھی فرمایئے کہ جو شخص جھوٹا اور مراقی ہو، کیا وہ ولی، مجدّد اور مسیح ہوسکتا ہے؟)

سوال نمبر (۱۴) اور مرزا فحش کلامی بھی کیا کرتا تھا یا نہیں؟ (مرزا کی فحش کلامی کے نمونے دیکھنے ہوں تو رسالہ ''مغلظاتِ مرزا'' ملاحظہ فرمایئے۔ مترجم)

سوال نمبر (۱۵) اور مرزا کو قرآنِ کریم بھی حفظ تھا یا نہیں؟ (اگر نہیں تھا تو بعثتِ ثانی میں کیوں بھول گیا؟)

سوال نمبر (۱۶) اور (مسیح اِبنِ مریم کی علامات میں لکھا ہے کہ وہ حج کریں گے، سوال یہ ہے کہ) مرزا نے حج بھی کیا یا نہیں؟ (اگر جواب نفی میں ہے تو وہ مسیحِ صادق ہوا یا مسیحِ کاذب؟)

سوال نمبر (۱۷) اور (اگر مرزا کے حج نہ کرسکنے کا یہ عذر پیش کیا جائے کہ'' مکہ ومدینہ کے لوگ مرزا کو کافر اور زِندیق سمجھتے تھے، اور اس کے قتل کے درپے تھے، چونکہ مرزا کو اپنی جان کا خطرہ تھا اس لیے فریضۂ حج ادا نہیں کرسکا'' تو اس عذرِ نامعقول کو پیش کرنے سے پہلے اس بات پر غور کرلیا جائے کہ) کیا مرزا نے یہ اِلہام بھی شائع کررکھا تھا یا نہیں کہ ''اللہ تعالیٰ تجھ کو (مرزا کو) لوگوں سے محفوظ رکھے گا'' (مرزا کا یہ نام نہاد اِلہام شائع شدہ ہے، اس کے باوجود حج کو کیوں ترک کیا؟ کیا مرزا کا یہ اِلہام غلط تھا؟ یا اسے قرآن وحدیث کی طرح اپنے اِلہام پر بھی ایمان نہیں تھا؟

علاوہ ازیں جب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ حضرت مسیح اِبنِ مریم علیہما السلام حج وعمرہ کریں گے، اِدھر مرزا کو حج وعمرہ کبھی خواب میں بھی نصیب نہ ہوا، تو کیا مرزا کو ''مسیح

بن مریم'' ماننے سے آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی غلط نہیں ہوجاتی؟ اور کیا اس سے آنحضرت ﷺ کی تکذیب لازم نہیں آتی؟)

(۱۷۵)

سوال نمبر(۱۸) اور کیا مرزا نے یہ اِلہام بھی شائع کیا کہ (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) ''میں رسول (یعنی مرزا) کے ساتھ ہوں، جواب دیتا ہوں، غلطی بھی کرتا ہوں اور درست بھی۔'' اور اس اِلہام کی جو اَحمقانہ تاویل مرزا نے کی ہے، اسے ''اشدّ العذاب'' ص:۶۸ میں ملاحظہ فرمایئے اور اس کا اصل مأخذ ''اظہار الحق'' کے چھٹے باب سے ذرا پہلے دیکھئے۔

سوال نمبر(۱۹) اور مرزا نے خدا کا بیٹا ہونے کا اِلہام بھی شائع کیا یا نہیں؟ مثلاً ''انت مني بمنزلة ولدی انت مني بمنزلة اولادی'' یعنی خدا مرزا سے کہتا ہے کہ: ''اے مرزا! تُو مجھ سے ایسا ہے جیسے میرا بیٹا، اور تُو مجھ سے ایسا ہے جیسی میری اولاد۔'' (دیکھئے: ''تذکرہ'' طبع دوم، صفحات: ۴۱۲، ۴۳۶، ۶۳۶) جبکہ مرزا کو یہ بھی دعویٰ ہے کہ اس کے تمام دعوے حقیقتِ واقعیہ پر مبنی ہیں، نری شاعری نہیں۔

(۱۷۶)

سوال نمبر(۲۰) اور مرزا نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے یا نہیں؟ (''کوئی انسان نرا بے حیا نہ ہو تو اس کے لیے اس سے چارہ نہیں کہ میرے دعوے کو اُسی طرح مان لے جیسا کہ اس نے آنحضرت ﷺ کی نبوّت کو مانا۔'' ''عجائباتِ مرزا'' ص:۱۶ منہ)

سوال نمبر(۲۱) اور اسی طرح شریعت کا دعویٰ بھی کیا ہے یا نہیں؟ (دیکھئے: ''اشد العذاب'' ص:۳۸)

سوال نمبر(۲۲) اور (اپنے دعوے کے انکار پر) مرزا نے تمام اُمّتِ حاضرہ کو کافر ٹھہرایا ہے یا نہیں؟

سوال نمبر(۲۳) اور انبیائے کرام علیہم السلام کی توہین بھی کی ہے یا نہیں؟

سوال نمبر (۲۴) اور حضرت عیسیٰ (علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) پر اپنا غصّہ ٹھنڈا کرنے اور سینے کی آگ بجھانے کے لیے جو توہین آمیز تحقیقی وتعریفی فقرے چست کرتا ہے، اُن میں اگرچہ بعض جگہ دوسروں کا حوالہ دیتا ہے (کہ مثلاً: ''یہودی یوں کہتے ہیں''، ''عیسائیوں کی کتابوں میں یوں لکھا ہے'') لیکن درحقیقت خود اپنے ہی سینے کا زہر اُگلتا ہے۔ چنانچہ جس بات کو ایک جگہ کسی کے حوالے سے نقل کرتا ہے، اسی بات کو دوسری جگہ اپنی تحقیق کے طور پر پیش کرتا ہے، (اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ایسے توہین آمیز کُفریہ کلمات بکتا ہے جن سے انبیائے کرام علیہم السلام کی نبوّت اور خدا تعالیٰ کی خدائی باطل ہوجاتی ہے، مثلاً:) اخبار ''بدر'' (قادیان) مورخہ ۹؍مئی ۱۹۰۷ء مرزا قادیانی کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ:

''فرمایا: ایک دفعہ حضرت مسیح زمین پر آئے تھے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ کئی کروڑ مشرک دُنیا میں ہوگئے، دوبارہ آکر وہ کیا بنائیں گے؟ کہ لوگ ان کے آنے کے خواہش مند ہیں۔'' (بحوالہ ''مرقع قادیانی'' ص:۱۲)

مرزا کا یہ فقرہ اوّل تو خدا تعالیٰ پر اِعتراض ہے (کہ -نعوذ باللہ- اس نے غلطی سے ایک ایسے شخص کو نبی بناکر بھیج دیا، جس کے آنے سے بجائے ہدایت پھیلنے کے دُنیا کروڑوں مشرکوں سے بھر گئی، اب آئندہ خدا کو ایسی غلطی نہیں چاہیے کہ دوبارہ اسی شخص کو پھر دُنیا میں بھیج دے۔ استغفر اللہ!) دوسرے، یہ فقرہ دلالت کرتا ہے کہ ''نبوّت'' کے معنی مرزا کے نزدیک صرف قوم کا مصلح اور مدبر ہونا ہے اور بس! (پس جن انبیائے کرام علیہم السلام کی آمد سے ان کی قوموں کی اصلاح نہ ہوئی، یا ان کے تشریف لے جانے کے بعد ان کی قومیں بگڑ گئیں، وہ مرزا کے نزدیک نبی نہ ہوں گے، اور ان کی تشریف آوری عبث ٹھہرے گی) اور مرزا کی یہ فقرہ بازی تو دوسروں کے حق میں ہے، اور خود اپنے بارے میں ایسی تعلّی آمیز لافیں ہانکتا ہے جن سے ابلیس بھی شرمندہ رہ جائے۔

اور اخبار ''بدر'' مورخہ ۷؍نومبر ۱۹۰۲ء ص:۱۰ میں مرزا کا یہ قول نقل کیا ہے:

''یحییٰ جو نشہ نہیں پیتے تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت بھی حرام تھی، مسیح نے مُرشد کی تقلید کیوں نہ کی؟''

اور مرزا نے اَزرُوئے اِنجیل بھی شراب کو حرام قرار دیا ہے، اس کے باوجود حضرت مسیح علیہ السلام کو شراب نوشی کا مرتکب قرار دیتا ہے۔ دیکھئے: ''مرزائیت کی تردید'' (ص:۹۵)، اور صفحہ:۱۰۳ میں مرزا کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ''یسوع درحقیقت بوجہ بیماری مرگی کے دیوانہ ہوگیا تھا'' (ست بچن، ص:۱۷۱ کا حاشیہ)۔

(۱۷۷)

سوال نمبر (۲۵) اور مرزا بیس پارے وحی کا قرآنِ کریم پر اضافہ کرتا ہے اور ان تمام ارشاداتِ نبویہ کو، جو اس کی وحی کے موافق نہ ہوں، معاذاللہ! ردّی کی ٹوکری میں پھینکنے کے لائق سمجھتا ہے، اور یہ بھی کہتا ہے کہ قرآنِ کریم کی وہی تفسیر لائقِ اعتبار ہے جو اس کی وحی کے ذریعے کی جائے، (اس کے خلاف خواہ رسول اللہ ﷺ کی بیان فرمودہ تفسیر ہو، یا صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمۃ اللہ علیہم، تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم کی، یا تمام ائمہ مفسرین کی، یہ سب غلط ہیں)۔ سوال یہ ہے کہ مرزا کی اِن لن ترانیوں کے بعد اسلام کی کوئی حقیقتِ واقعیہ باقی رہ جاتی ہے یا اس کی بیخ و بنیاد یکسر اکھڑ جاتی ہے؟

(۱۷۸)

سوال نمبر (۲۶) ایک شخص قرآن وحدیث کے الفاظ کا سِرے سے انکار کردیتا ہے، اور دوسرا شخص (گو اَلفاظ کا انکار نہیں کرتا، مگر مرزا غلام احمد کی طرح) ان کے قطعی اور متواتر معنی کا انکار (کرتا ہے، اور قرآن وحدیث کو اپنے خودساختہ معنی پہنا کر ان کا مفہوم مسخ) کردیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان کیا فرق رہا؟ اور نتیجے کے لحاظ سے کیا تفاوت نکلا؟ (چکڑالوی فرقہ بھی متواتراتِ دِین کا انکار کرکے قرآن کی من مانی تشریح کرتا ہے، اور ٹھیک یہی تکنیک مرزا اور مرزائیوں کی ہے، آخر) تمہارے درمیان اور

’’اہلِ قرآن‘‘ (چکڑالویوں) کے درمیان کیا فرق ہے؟ اور اسماعیلی فرقہ اور دیگر ملاحدۂ باطنیہ کے (اور مرزا کے) درمیان اصل اُصول میں آخر کیا فرق ہے؟ کہ یہ سب لوگ بھی باطنی اور حلولی ہوئے ہیں (اور مرزا بھی۔ اب اگر ان باطنیہ کی تاویلیں کُفر وزَندقہ ہیں تو مرزا ان سے کس بات میں کم ہے؟)۔

سوال نمبر (۲۷) جب مرزا نے قرآنِ کریم سے بیس پارے زائد وحی قادیان میں اُتار لی، اپنی وحی کے خلاف ارشاداتِ نبویہ کو ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا، (اور قرآنِ کریم کی وہ تفسیریں جو گزشتہ تیرہ صدیوں میں لکھی گئیں، وہ سب غلط ٹھہریں، کیونکہ وہ قادیانی وحی کی روشنی میں نہیں لکھی گئیں) اور تمام اُمّت کو کافر ومشرک قرار دے ڈالا، تو اس کے بعد اَب مرزائیوں کی کون سی چیز اہلِ اسلام کے ساتھ مشترک رہ گئی؟

(۱۷۹)

سوال نمبر (۲۸) کیا مرزا کسی ایسی حرکت کا، جس کو عُرفِ عام میں بے ایمانی (دغابازی اور مکّاری) کہا جاتا ہے، ارتکاب بھی کیا کرتا تھا یا نہیں؟ مثلاً:

الف:- محمدی بیگم (سے آسمانی نکاح) کی پیش گوئی کو تقدیرِ مُبرم ٹھہرایا، (اور بار بار اِعلان کیا کہ یہ پیش گوئی اس کے صدق وکذب کا معیار ہے، اگر یہ پیش گوئی پوری نہ ہوئی تو دُنیا گواہ رہے کہ وہ جھوٹا ہے) لیکن جب (آسمانی نکاح کی پیش گوئیوں کا) یہ سارا طومار دروغِ بے فروغ نکلا (اور محمدی بیگم تو کجا؟ اس کا سایہ دیکھنا بھی مرزا کو ساری عمر نصیب نہ ہوا) تو کیسی کیسی بے ایمانیاں (کیں اور کیسی کیسی رکیک تاویلیں) تراشیں!

ب:- اسی طرح پادری آتھم کی (موت سے متعلقہ) پیش گوئی میں (مرزا نے دروغ بافی، اور عیاری ومکّاری کا مظاہرہ کیا کہ پندرہ دِن تک مرزا، آتھم سے مباحثاتی کُشتی لڑتا رہا، جب دیکھا کہ میدان اس کے حریف کے ہاتھ میں ہے تو اسے اِلہامی

حرب سے چت کرنا چاہا، اور اعلان کر دیا کہ اس کا حریف پندرہ مہینے کے اندر اندر بہ سزائے موت ہاویہ میں گرایا جائے گا۔ اور اگر اس مدّت میں نہ مرے تو مرزا کا منہ کالا کیا جائے گا، اس کے گلے میں رَسّہ ڈالا جائے گا، اور لوگ جس قدر چاہیں اس کے سَر پر جُوتے لگائیں، جو چاہیں سزا دیں۔ مگر آتھم نے مرزا کو اِلہام میں بھی شکست دے ڈالی اور مقرّرہ میعاد کے اندر مَرنے سے انکار کر دیا۔ کوئی باحمیت ہوتا تو اس ذِلّت آمیز شکست پر ڈُوب مرتا، یا کم اَز کم اتنی اخلاقی جرأت تو دِکھاتا کہ اپنے حریف کے سامنے اپنی ناکامی کا اعتراف ہی کر لیتا۔ لیکن مرزا نے اپنی تجویز کردہ سزا سے بچنے کے لیے کیا کیا حیلہ سازیاں نہ کیں)۔

ج:- اور اپنے قصیدۂ اعجازیہ کے جواب کا وقت مقرّر کرنے میں مرزا نے بمقابلہ مولوی ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ کے کیسی کیسی بے ایمانیاں کیں؟

د:- اور پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی (کو مرزا نے مقابلۃً تفسیر نویسی کی خود دعوت دی، اور جب وہ مرزا کی شرائط کے موافق لاہور آئے تو مرزا کو (اِن) کے (سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی، اور جب) مقابلۃً تفسیر نویسی (سے گریز اختیار کرنے کا اِلزام عائد ہوا تو اس) کے جواب میں (مرزا نے کس قدر سخن سازیوں سے کام لیا؟ (ان اُمور کی تفصیل کے لیے رسالہ ''اِلہاماتِ مرزا'' مؤلفہ مولانا ثناء اللہ صاحب اور ''رئیسِ قادیان'' مؤلفہ مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری کا مطالعہ فرمایئے۔ مترجم)۔

ہ:- اور مرزا کے مخالفوں کو معمولی چھینک بھی آئی تو اس کو بھی مرزا نے اپنے معجزات کی فہرست میں ٹانک لیا۔

و:- اور حضرت مسیح علیہ السلام کی زلزلہ اور طاعون کی پیش گوئیوں کو لغو اور مہمل قرار دیا، اور اپنے حق میں انہی کو ''معجزہ'' شمار کیا۔

ز:- جب اَحادیث کی کوئی مَن مانی تحریف سمجھ میں نہ آئی تو انہیں ضعیف اور موضوع کہہ کر رَدّ کردیا، اور جب کوئی تحریف سُوجھ گئی تو انہی احادیث کو مسخ کرکے استدلال میں پیش کردیا۔

ح:- دوسروں کے (دعویٔ نبوّت کو) رَدّ کرنے کے لیے قاعدے تراشنا اور محض ہوائے نفس کی خاطر اپنی ذات کو ان قاعدوں سے مستثنیٰ اور مخصوص کرکے اپنی ذات کے لیے ان کی ضد اور نقیض ثابت کرنا، جیسا کہ آخرِ ''حقیقۃ الوحی'' (ص:۳۹۱) میں کیا ہے۔ گویا عقل و نقل اور آدمیت و اخلاق کے سارے قوانین واُصول صرف دوسروں کے واسطے ہیں (خود اس کی ذات پر لاگو نہیں ہوتے) کیونکہ وہ سلطانی اختیارات رکھتا ہے، اور ''سائبہ'' اور ''حام'' ہے، دوسروں کے لیے فلسفہ بگھارنا اور علّتیں نکالنا، اور اپنے حق میں اختصاص واصطفاء کی لافیں ہانکنا۔

ط:- اور جب یہ بات تسلیم کرانا مقصود تھی کہ مثیلِ مسیح کی آمد کا دروازہ کھلا ہے، اس وقت ہزار مثیلِ مسیح کا آنا بھی اس کے نزدیک جائز تھا، لیکن جب مطلب نکل آیا تو صرف ایک مخصوص شخص -یعنی خود بدولت مرزا- مثیلِ مسیح نکلا، اور پھر دروازہ بند ہوگیا۔ گویا یہی ایک بلّی تھی جو تھیلے سے باہر نکل آئی۔

(۱۸۰) (اِجرائے نبوّت کے لیے قادیانی یہ مغالطہ پیش کیا کرتے ہیں کہ جس طرح شہنشاہِ اعظم کے ماتحت بہت سے بادشاہ ہوا کرتے ہیں، اور یہ اس کی عظمت کی دلیل ہے، اسی طرح آنحضرت ﷺ کے ماتحت انبیاء کا اس اُمّت میں آنا آپ ﷺ کی عزّت وقدر کو دوبالا کرتا ہے، مگر اس) شہنشاہی اور شاہی کی مغالطہ آمیز مثال میں کھلا ہوا مغالطہ ہے، اس لیے کہ (اوّل تو نبوّت کو بادشاہت پر قیاس کرنا ہی بالبداہت غلط اور مقامِ نبوّت سے ناآشنائی کی دلیل ہے۔ دوسرے، بادشاہ کے ماتحت اس کے نائبوں کا ہونا اس کی عظمت کی دلیل نہیں، بلکہ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو اس کا

منشاء بادشاہ کا عجز و درماندگی اور کوتاہ دستی ہے، چنانچہ) نائب کا تقرّر اگر شہنشاہ کے بعد کے لیے ہے تو اس کا سبب یہی تو ہے کہ وہ خود (چونکہ) موجود نہیں رہا (اس لیے بذاتِ خود کارِ سلطنت انجام دینے سے عاجز ہے) اور کارِ سلطنت کو (چونکہ) جاری رکھنا ہے، اسے ختم نہیں کرنا، (اس لیے لامحالہ کسی نائب کی ضرورت لاحق ہوئی) اور اگر نائب کا تقرّر خود شہنشاہ کے عہد میں ہوا ہے، پس اگر کاروبارِ سلطنت میں مدد لینے کے لیے ہے تو اس کے دستِ نارسا کے سبب ہے (کہ وہ بذاتِ خود یہ سارے کام انجام دینے سے قاصر ہے)۔ اور اگر وہ سلطنت کو (مثلاً گورنروں یا شہزادوں پر) تقسیم کر دیتا ہے، تب بھی یہ اس کے دستِ نارسا کا نتیجہ ٹھہرا۔ (الغرض! بادشاہ کے ماتحتوں کا سلطنت میں دخیل ہونا، اس کی عزّت و توقیر کی نہیں، بلکہ عجز و تقصیر کی علامت ہے) اور (اس تقریر سے معلوم ہوا ہوگا کہ) خاتمیت کو شہنشاہیت پر قیاس کرنا (اوّل تو) قیاس مع الفارق (ہے، پھر اس) کے (ساتھ) ساتھ یہ نہایت رکیک (سطحی اور بودا) قیاس ہے، (ایسی اٹکل پچو قیاس آرائی جھوٹے نبی کے ''دانش مند'' حواریوں ہی کا حصّہ ہے، لطف یہ کہ) کسی زمانے میں یہ ملحد (قادیانی) کہا کرتا تھا:

> ''اگر آپ ﷺ کے بعد بھی اُمّت کے خلیفوں اور صلحاء پر ''نبی'' کا لفظ بولا جانے لگتا، جیسا کہ موسیٰ کے بعد کے لوگوں پر بولا جاتا رہا، تو اس میں آپ ﷺ کی ختمِ نبوّت کی ہتک تھی۔''

اخبار ''الحکم'' قادیان ۱۷/اپریل ۱۹۰۳ء ص:۹ کالم:۳۔ بحوالہ ''فتح مبین'' مفتی عبداللہ لدھیانوی جس میں اس مضمون کے دیگر حوالے بھی قادیانی کتابوں سے نقل کیے ہیں، (مندرجہ بالا عبارت میں مرزا نے اعتراف کیا ہے کہ خاتم النّبیین ﷺ کے بعد کسی شخص پر ''نبی'' کا لفظ بولا جانا آپ ﷺ کی ختمِ نبوّت کی ہتک کا موجب ہے، لیکن جب شیطان نے اسے دعویٰ نبوّت کی پٹی پڑھائی تو) اس کے بعد (خوفِ خدا اور

فہرست

مخلوق سے حیا کو بالائے طاق رکھ کر) اس کے برعکس کا نظریہ ایجاد کرلیا (کہ آپ ﷺ کے بعد سلسلۂ نبوّت کے جاری رہنے میں آپ ﷺ کی عزّت، اور اس کے بند ہونے میں آپ کی توہین ہے۔ اور) اس (تناقض) کے ساتھ (مزید طرّہ یہ کہ) دورۂ محمدی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے تیرہ سو سالہ طویل عرصہ) میں (مرزا نے) اپنے نفسِ کافر کے سوا اب تک کسی (صحابی، تابعی، غوث، ولی، قطب، مجدّد) کو منصبِ نبوّت میں جگہ نہیں دی۔ (گویا اب ساری مرزائی منطق کا خلاصہ یہ ہوا کہ مرزا کو نبی مانو تو آنحضرت ﷺ کی عزّت باقی رہتی ہے۔ ورنہ -نعوذ باللہ- آپ ﷺ کی عزّت گیا، نبوّت بھی باطل ہوجاتی ہے)۔

(۱۸۱) اور (اوّل تو نبوّت کو شہنشاہیت پر قیاس کرنا ہی غلط ہے، جیسا کہ ابھی گزرا، دوسرے) یہ قطعی واضح اور بیّن بات ہے کہ شہنشاہی اور شاہی کے سلسلے میں بھی (جس پر قادیانیوں نے نبوّت کو قیاس کیا ہے) بادشاہ اپنی بارگاہ کے خصوصی امتیازات اور خصائص کسی دوسرے کے لیے تجویز نہیں کیا کرتا، بلکہ اگر کوئی شخص ان میں بادشاہ کی نقّالی کرے تو اسے (بہ جرمِ بغاوت) سزا دیا کرتا ہے۔ اور یہاں خود نبوّت خصائص میں سے ہے، پس اسی (نکتہ) میں تو کلام ہے (کہ مرزا نے آنحضرت ﷺ کی نبوّتِ کبریٰ کی -جو آپ ﷺ کی اعلیٰ ترین خصوصیت ہے- نقّالی کرتے ہوئے نبوّت کا دعویٰ کرڈالا، اب انصاف سے کہو کہ کیا وہ بہ جرمِ بغاوت دُنیا میں کُفر و اِرتداد کا مرتکب اور آخرت میں فی النار والسقر کی سزا کا مستحق نہیں؟) اور (یہ بھی بتاؤ کہ جب آنحضرت ﷺ کی نبوّت اور خصائص شرعاً و عقلاً غیر متعدی ہیں تو وہ مرزا کی طرف متعدی کیسے ہوگئے) ان اختصاصات کے غیر متعدی اور لازم ہونے میں (اور پھر مرزا کی طرف ان کے منتقل ہوجانے میں تو صریح تناقض اور قلبِ موضوع ہے۔ آخر اس عقدہ کے) حل کی کیا صورت ہے؟ (اور اگر کہو کہ ہم نبوّت کو غیر متعدی تسلیم نہیں کرتے، تو اوّل

تو یہ بداہتِ شرعی و عقلی کا انکار ہے، دوسرے اس کے باوجود بھی اِشکال رفع نہیں ہوتا) کیونکہ (اس سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا کہ نبوّت کے) بعض خصائص وامتیازات (ایسے) ہیں (جو نبی کی ذات سے مختص ہوتے ہیں، ورنہ اگر کسی غیرِ نبی میں وہ خصائص پائے جائیں تو پھر نبی اور غیرِ نبی کے درمیان کوئی فرق باقی نہیں رہتا، اور یہ شرعاً وعقلاً محال ہے)۔ اور اگر وہ خصائص متعین ہوں (مثلاً: نبوّت، وحی، عصمت وغیرہ، تب تو ظاہر ہے کہ کسی دوسرے میں ان کے پائے جانے کا اعتقاد باطل ہوگا)۔ اور اگر متعین نہ بھی ہوں تب بھی ان کا اعتقاد تو ہے (کہ نبی کی بعض خصوصیتیں ایسی ہیں جو غیرِ نبی میں نہیں پائی جاسکتیں) تو پھر انہی غیر متعین خصائص کے متعدی ہونے (یا نہ ہونے) میں کلام ہوگا۔ وعلیٰ ھٰذا القیاس! (جس چیز کے بارے میں بھی تم دعویٰ کروگے کہ یہ آنحضرت ﷺ سے کسی دوسرے کو بھی منتقل ہوسکتی ہے، اس کے بارے میں ہمارا یہی جواب ہوگا کہ پھر یہ چیز آنحضرت ﷺ کی خصوصیت نہ رہی، کوئی اور چیز پیش کرو۔ تھک ہار کر تمہیں تسلیم ہی کرنا پڑے گا کہ نبوّتِ محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے، کسی دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوسکتی۔ اور جب یہ تسلیم ہولیا تو خودبخود یہ بھی مان لیا کہ مرزا قادیانی کا دعوائے نبوّت بالاستفادہ سراسر دروغِ بےفروغ اور نبوّتِ محمدی سے بغاوت ہے، وھو المراد)۔

پھر (یہ بھی فرمائیے کہ) یہ خصائصِ نبوی چونکہ عقلاً وشرعاً موجود ہیں، جیسا کہ مقدّمۂ "زادالمعاد" میں ان کا کچھ حصّہ قلم بند کیا گیا ہے، اور "رسول اللہ" اور "نبی اللہ" کی اضافت، "بیت اللہ" کی اضافت کی طرح (تشریف وتخصیص کے لیے) ہے۔ پس کیا ان خصائص کو نصوص اور منقولات سے تلاش کرنا چاہیے یا اپنی خواہشات اور قیاس آرائیوں سے تراشنا مناسب ہوگا؟ اور اس سلسلے میں رجم بالغیب اور اندھیرے میں تیر تکے لگانا موزوں ہوگا، یا مالک الملک اور صاحبِ اختیار کا فرمودہ

سَر آنکھوں پر رکھنا واجب ہوگا؟ (اگر اس سلسلے میں عقلِ نارسا کے تیر تکے کافی نہیں، بلکہ خدا ورسول ﷺ کے ارشادات کی ضرورت ہے، تو مرزائیوں کو کان کھول کر سُن لینا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ نے اَحادیثِ متواترہ میں ”وختم بي النبيون“ (اور ختم کیے گئے میرے ساتھ نبی) کو اپنے خصائص میں بیان فرمایا ہے۔ نبی تو آپ ﷺ کی آمد کے ساتھ ختم ہوئے، اب بتایئے! کہ مرزا قادیانی کون ہوا؟ نبوّت کی جھوٹی نقّالی[۱] کرنے والا دَجال وکذّاب ہوا یا نہیں؟)۔

(۱۸۲) ”موضوعاتِ کبیر“ کے آخر میں حدیث: ”لو عاش إبراهيم لكان صديقًا نبيًّا“[۲] کے ذیل میں مُلاّ علی قاری رحمہ اللہ کی یہ عبارت کہ ”تشریعی نبوّت کا انقطاع مُراد ہے“ (قادیانی ملاحدہ اسے اپنے کُفر واِلحاد کی سند میں پیش کیا کرتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ اس کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی جائے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے تو یہ) معلوم رہے کہ صوفیہ ہر (شرعی) نبوّت کو تشریعی قرار دیتے ہیں۔ گویا ”نبوّتِ تشریعیہ“ سے مُراد ہے: ”شرعی نبوّت“، اور ”غیر تشریعی نبوّت“ سے مُراد ہے: ”غیر شرعی نبوّت“، یہ تعبیر عوام کے لیے زیادہ قابلِ فہم ہے۔ اور حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے ”اصل حکم کو باقی رکھ کر اس کے اوصاف کو منسوخ کرنا“ انبیائے سابقین کا وظیفہ قرار دیا ہے۔ مثلاً: مطلق کو مقید کرنا، عام میں تخصیص کردینا، مجمل کی توضیح وتشریح کرنا، اور جزئیات کی تشریع کرنا۔ اگر مُلاّ علی قاری رحمہ اللہ نے اسی (صوفیانہ) اصطلاح پر اپنی تقریر کی بنیاد رکھی ہو تو (مستبعد نہیں، کیونکہ ان پر حضراتِ صوفیاء اور ان کی

---

(۱) مرزا صاحب ”ظلّی نبوّت“ کے مدّعی تھے، اور ظلّی کے معنی ”جھوٹی“ مرزا صاحب نے ”اِزالۂ اوہام“ صفحہ:۳۱۵ میں بیان کیا ہے، یوں بھی ”ظل“، عکس اور نقل کو کہتے ہیں۔ اس لیے مرزا کی تفسیر کے مطابق ”ظلّی نبوّت“ کے معنی ہوئے ”نبوّت کی جھوٹی نقالی“ (مترجم)۔

(۲) ”اگر میرا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا تو صدیق نبی ہوتا۔“ (ابنِ ماجہ، ص:۱۰۸)

اصطلاحات کا گہرا نقش ہے، اگر چہ) یہ ایک ایسا اَمر ہے جو اِصطلاحِ مشہور کے خلاف ہے (تاہم مُلّا علی قاری رحمہ اللہ کا کلام قواعدِ شرعیہ کے خلاف نہیں، کیونکہ) نبوّت غیر تشریعیہ سے مُراد اَحکامِ شرعیہ کی خبر اور اِطلاع دینا نہیں، بلکہ اَسرار و معارف سے رُوشناس کرانا اور ان کی اطلاع دینا ہے۔

(۱۸۳) اور یہی منشاء و مدّعا ہے شیخ (عبدالقادر) جیلانی (قدس سرّہٗ) کے اس قول کا کہ: ''اے انبیاء کی جماعت! تمہیں نام دیا گیا ہے اور ہمیں لقب۔'' مطلب یہ کہ ''نام'' تو بغیر لحاظ کسی وصف کے ہوتا ہے، اور قیود سے معرّا ہوا کرتا ہے، بخلاف لقب کے، کہ وہ عارضی اور بلحاظ کسی وصف کے طاری ہوتا ہے۔ گویا اطلاق اور تقیید کے لحاظ کے علاوہ وہ القاب زائل بھی ہوسکتے ہیں، جیسا کہ (''امیر المؤمنین'' خلیفہ کا لقب ہے، مگر اسی وقت تک ہے جب تک کہ وہ خلیفہ ہو۔ خلافت سے معزول ہوجائے تو ''اَمیر المؤمنین'' کا لقب بھی زائل ہوجائے گا۔ چنانچہ) خلفائے عباسیہ کو، ان کے معزول ہونے کے بعد کسی نے ''امیر المؤمنین'' نہیں کہا۔ پس انبیاء علیہم السلام کو اِسمِ لازم، وہبی اور مطلق دیا گیا ہے، اور اولیاء کو عارضی، مقید اور کسبی لقب ملا ہے، جو کہ زائل بھی ہوسکتا ہے۔ اسی طرح شیخؒ کا یہ قول کہ: ''ہمیں وہ چیز دی گئی ہے جو تم کو نہیں دی گئی۔'' یعنی ہمیں وہ چیز دی گئی ہے جو انبیاء کے منصب سے فروتر تھی، نہ کہ اس سے اعلیٰ وارفع۔ یا محض مغائر مُراد ہے (یعنی نبوّت اور اس کا میدان، ولایت سے بالکل الگ تھلگ ہے)۔ اسی طرح ان کا قول کہ: ''ہم نے ایک ایسے سمندر میں غوطے لگائے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اس کے (اگلے) ساحل پر بھی نہیں ٹھہرے۔'' (اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ دریائے ولایت انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے پایاب ہے، ان کا مقام اس سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے کہ وہ اسی کے ساحل پر ٹھہر جائیں)۔

(۱۸۴) صوفیائے کرام نے ''نبوّت'' بمعنی: ''خبر دادن'' کو مقسم بنا کر شعبۂ خبر دہی

ولایت کو بھی اس کے تحت درج کردیا ہے اور اس کا سبب شاید اس حدیث کی مانند ہے کہ:

''نہیں باقی رہا نبوّت میں سے کچھ بھی سوائے مبشرات کے۔''

(مشکوٰۃ،ص:۳۹۴)

جبکہ استثناء غیر منقطع لیا جائے، یا اس حدیث کی مانند ہے کہ:

''رؤیائے صالحہ نبوّت کا چھیالیسواں حصّہ ہے۔'' یا جیسا کہ آیت: ''یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾'' (مریم:۸۵) میں تقریر کی گئی ہے کہ مُراد بارگاہِ رحمانیت ہے۔ (۱)

(۱۸۵) متبادر یہ ہے کہ مُلاّ علی قاری رحمہ اللہ کی مُراد یہ ہوگی ختمِ زمانی کو دو چیزیں لازم ہیں، ایک یہ کہ آپ ﷺ کے بعد کسی قسم کی نئی نبوّت وجود میں نہیں آئے گی۔ دوم یہ کہ اگر انبیائے سابقین میں سے کوئی فرد واپس آتا تو اس کی حیثیت وہی ہوتی جو کسی نبی کی دوسرے نبی کے مُلک میں ہوتی ہے، اور وہ اس شریعت کا متبع ہوتا، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ:

''اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔''

(مشکوٰۃ،ص:۳۰)

کیونکہ ان کی اتباع کا موجب اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ دورہ، دورۂ محمدی ہے، اور یہ اَمر بھی مفروض ومقدّر ہے نہ کہ محقق اور واقع۔ جیسا کہ مُلاّ علی قاری رحمہ اللہ نے ''مرقاۃ'' میں باب فضائلِ علی رضی اللہ عنہ میں اس کی تقریر تام فرمائی ہے۔ پس ایک جزءِ مُراد کو انہوں نے ''موضوعات'' میں ذِکر کیا ہے، اور دوسرے جزء کو ''مرقاۃ''، ''شرح شفاء'' اور ''شرح فقہ اکبر'' میں۔

(۱۸۶) ''موضوعات'' میں ان کا کلام اس مفروضے کی صورت بیان کرنے میں ہے

---

(۱) شیخ ابنِ عربی نے ''نبوّتِ لغویہ'' بمعنی: ''خبر دادن'' کی تصریح ''فتوحات'' کے باب:۷۳ سوال:۱۹ میں فرمائی ہے۔ نیز ''فصوص الحکم'' میں ''فص عُزیری'' میں دیکھنا چاہیے۔ منہ

کہ فرض کیجیے اگر حضرت ابراہیم (رضی اللہ عنہ) زندہ رہتے تو کس طرح کے نبی ہوتے؟ (رہا یہ کہ وہ زندہ کیوں نہیں رہے؟ تو) ان کی زندگی سے جو چیز مانع ہوئی اس کو انہوں نے (یہاں) ذِکر نہیں فرمایا، (البتہ ماقبل کی عبارت میں وہ اس کو بھی ذِکر فرماچکے ہیں، جیسا کہ آگے تشریح میں ان کی تصریح نقل کی گئی ہے)، اور وہ مانع حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے حق میں یہی ہے کہ نبوّت منقطع ہوچکی جس کی طرف آیتِ کریمہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ ''اُبوّت'' کے بجائے ''نبوّت'' ہے۔ گویا مشیتِ اِلٰہیہ نے حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے بارے میں ''اُبوّت'' کے بجائے دائمی ''نبوّت'' کو رکھا ہے، اور چونکہ آپ ﷺ کے بعد ''نبوّت'' مقدّر نہ تھی، اس لیے ''اُبوّت'' بھی مقدّر نہ ہوئی (اور اسی لیے صاحب زادگانِ گرامی بقیدِ حیات نہ رہے)۔ چنانچہ حضرت عبداللہ اِبنِ اَبی اَوفیٰ نے یہی سمجھا ہے (جیسا کہ ان کا قول) ''صحیح بخاری'' کتاب الادب میں (منقول ہے)۔

تشریح:- اسماعیل بن ابی خالد کہتے ہیں کہ میں نے اِبنِ اَبی اوفی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ نے آنحضرت ﷺ کے صاحب زادۂ گرامی حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے، فرمایا: ''مات صغيرًا، ولو قضي ان يكون بعد محمدٍ صلي الله عليه وسلم نبي عاش ابنه، ولٰكن لا نبي بعده۔'' یعنی: ''وہ صغرسنی ہی میں خدا کو پیارے ہوگئے تھے، اور اگر تقدیرِ خداوندی کا فیصلہ یہ ہوتا کہ محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی ہو تو آپ ﷺ کے صاحب زادۂ گرامی حیات رہتے، مگر آپ ﷺ کے بعد نبی ہی نہیں (اس لیے صاحب زادے بھی زندہ نہ رہے)۔''

(صحیح بخاری باب من سمي بأسماء الأنبياء، جلد:۲ صفحہ:۹۱۴)

اور یہی حضرت مُلّا علی قاری رحمہ اللہ نے سمجھا ہے، چنانچہ وہ ''موضوعاتِ کبیر'' میں اِبنِ ماجہ کی حدیث: ''لو عاش ابراهيم'' الخ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''الا ان في سنده ابو شيبة ابراهيم بن عثمان الواسطي، وهو

ضعيف، لكن له طرق ثلثة يقوى بعضها بعضًا، ويشير اليه قوله تعالي: ”ماكان محمد ابا احد من رجالكم ولٰكن رسول الله وخاتم النّبيين۔“ فانه يؤمي بانه لم يعش له ولد يصل الي مبلغ الرجال، فان ولده من صلبهٖ يقتضي أن يكون لب قلبه، كما يقال: ”الولد سرّ لأبيه“ ولو عاش وبلغ اربعين، وصار نبيًّا لزم ان لا يكون نبيًّا خاتم النّبيين۔“

(موضوعات كبير حرف ”لو“ ص:۶۹، مطبوعه مجتبائي قديم)

ترجمہ: ”اس حدیث کی سند کا ایک راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان الواسطی ضعیف ہے۔ تاہم اس کے تین طرق ہیں، جو ایک دوسرے کے مؤید ہیں۔ اور اِرشادِ خداوندی ”وخاتم النّبیین“ الخ بھی اسی جانب مشیر ہے، چنانچہ یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ آپ ﷺ کا کوئی صاحب زادہ زندہ نہیں رہا جو بالغ مَردوں کی عمر کو پہنچتا، کیونکہ آپ ﷺ کا بیٹا، آپ ﷺ کی صلب مبارک سے تھا، اور یہ اَمر اِس کو مقتضی تھا کہ وہ آپ ﷺ کا ثمرۂ دِل (یعنی آپ ﷺ کے محاسن وکمالات کا جامع) ہوتا، جیسا کہ مثل مشہور ہے ”بیٹا باپ پر ہوتا ہے“ اب اگر وہ زندہ رہتا اور چالیس کے سن کو پہنچ کر نبی بن جاتا تو اس سے لازم آتا ہے کہ آپ خاتم النّبیین نہ ہوں۔“

مُلّا علی قاری رحمہ اللہ کی تصریحِ بالا سے واضح ہوجاتا ہے کہ:

الف:- آیت ”خاتم النّبیین“ میں ختمِ نبوّت کے اعلان کی بنیاد نفیٔ اُبوّت پر رکھ کر اِشارہ اس طرف کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد ہمیں کسی کو نبوّت عطا کرنا ہوتی تو ہم آپ ﷺ کے فرزندانِ گرامی کو زندہ رکھتے۔ اور انہیں یہ منصبِ عالی عطا فرماتے، مگر

چونکہ آپ ﷺ پر سلسلۂ نبوّت ختم تھا، اس لیے نہ آپ ﷺ کی اولادِ نرینہ زندہ رہی، نہ آپ ﷺ کسی بالغ مَرد کے باپ کہلائے۔

ب:- ٹھیک یہی مضمون حدیث: ’’لو عاش ابراھیم لکان صدیقًا نبیًّا‘‘ کا ہے، یعنی آپ ﷺ کے بعد اگر کسی قسم کی نبوّت کی گنجائش ہوتی تو اس کے لیے صاحب زادہ گرامی کو زِندہ رکھا جاتا، اور وہی نبی ہوتے۔ گویا حدیث نے بتایا ابراہیم رضی اللہ عنہ اس لیے نبی نہ ہوئے کہ آپ ﷺ کے بعد نبوّت کا دروازہ ہی بند تھا، یہ نہ ہوتا تو وہ زندہ بھی رہتے اور ’’صدیق نبی‘‘ بھی بنتے۔

ج:- مُلّا علی قاری رحمہ اللہ برملا تصریح کرتے ہیں کہ اگر صاحب زادۂ گرامی سیّدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ زِندہ رہ کر نبی بن جاتے تو اس سے آپ ﷺ کا ’’خاتم النّبیین‘‘ نہ ہونا لازم آتا۔‘‘ حالانکہ مُلّا علی قاری رحمہ اللہ ہی یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ: ’’اگر وہ نبی ہوتے تو غیر تشریعی نبی ہوتے۔‘‘ کیا مُلّا علی قاری رحمہ اللہ کا صاف مطلب یہ نہیں کہ غیر تشریعی نبی کی آمد سے بھی خاتمیتِ محمدیہ باطل ہوجاتی ہے؟ کیا اس کے بعد بھی کوئی شخص -بقائمیٔ عقل وخرد- یہ کہہ سکتا ہے کہ مُلّا علی قاری رحمہ اللہ کے نزدیک غیر تشریعی نبوّت کا دروازہ آپ ﷺ کے بعد کھلا ہے؟

کتنی عجیب بات ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ’’لُبِّ قلب‘‘ کے غیر تشریعی نبی ہوجانے سے تو مُلّا علی قاری رحمہ اللہ کے بقول آنحضرت ﷺ کی خاتمیت باطل ہوجاتی ہے، لیکن ایک قادیانی مغل بچّے کے -نعوذ باللہ- محمد رسول اللہ اور خاتم النّبیین بن بیٹھنے سے خاتمیت کی مُہر نہیں ٹوٹتی! قادیانیوں کے ظلم وستم، بدعقلی وبدفہمی، ضلال وگمراہی اور اِلحاد وتحریف کی کوئی حد ہے؟

(۱۸۷) گویا حضرت مُلّا علی قاری رحمہ اللہ اس اَمر کی تقریر کے درپے ہیں کہ اگر بالفرض حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ زِندہ رہ کر نبی ہوتے تو کس طرح کے نبی ہوتے؟ یہ نہیں کہ

انہوں نے آپ ﷺ کے بعد نبوّتِ غیر تشریعیہ کے وجود میں آنے کو جائز قرار دیا ہے (نہیں بلکہ) اس دلیل کے ساتھ انہوں نے نبوّتِ تشریعیہ کے انقطاع کو ثابت کیا ہے اور دوسرے دلائل کے ساتھ نبوّتِ غیر تشریعیہ کے منقطع ہوجانے اور اس کے وجود میں نہ آسکنے کو ثابت کیا ہے۔

(۱۸۸) اور مخفی نہیں کہ حدیث نے اس مفروضے میں زمانۂ ماضی کا ذِکر کیا ہے، مستقبل کا نہیں، حالانکہ مستقبل کی نفی اَز بس ضروری تھی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ شریعت کی نظر میں زمانۂ مستقبل میں نبوّت باقی نہیں ہے۔ پس ختمِ نبوّت سے جو بات لازم ہے، وہ یہ ہے کہ اگر کوئی گزشتہ نبی دورۂ محمدی میں آئے تو صاحبِ شریعت نہ ہوگا، اور مستقبل میں کسی نئے نبی کی محض آمد بھی ممکن نہیں۔ حاصل یہ کہ بغیر تشریع کے نبوّت کا باقی رہنا انبیائے گزشتہ کے حق میں ہے، اور مستقبل کے حق میں محض ایک مفروضہ ہے۔

(۱۸۹) اور صاحبِ ''مجمع البحار'' (تذکرۃ الموضوعات، صفحہ:۸۸) کہتے ہیں کہ اس عنوان میں مطمحِ نظر اور نقطۂ نگاہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ہے (کہ وہ قُربِ قیامت میں جب آسمان سے نازل ہوں گے اور چالیس سال تک دُنیا میں تشریف فرما رہیں گے تو وہ اپنی شریعت نافذ نہیں کریں گے، بلکہ شریعتِ محمدی کی پیروی کریں گے)۔ اور ''رُوح المعانی'' (ج:۲۲ ص:۳۱) میں اس حدیث کی سند میں ابوشیبہ واسطی کو ذِکر کیا ہے، جو بالاتفاق ضعیف ہے، جیسا کہ ''فتح القدیر'' باب تراویح میں نقل کیا ہے۔ حاصل یہ کہ یہ حدیث نہیں، اور خیال ہوتا ہے کہ شاید (یہ) کسی صحابی (کا قول ہے جو انہوں) نے آیتِ کریمہ:

وَٱذۡكُرۡ فِي ٱلۡكِتَٰبِ إِبۡرَٰهِيمَۚ إِنَّهُۥ كَانَ صِدِّيقٗا نَّبِيًّا ۝٤١

(اور یاد کر کتاب میں ابراہیم کو، بے شک وہ تھا صدیق نبی۔'' (مریم:۴۱) سے اقتباس کیا ہے اور بس! پس جس شخص نے اس کی تصحیح کی ہے، اس نے غلطی کی ہے۔

(۱۹۰) مُلاّ علی قاری رحمہ اللہ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ (اس حدیث میں نبوّتِ تشریعیہ کا اِنقطاع مُراد ہے، اور نبوّتِ غیرتشریعیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں، بعد اَز نزول، حالتِ بقاء ہے، نہ کہ نئی نبوّت کا وجود میں آنا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے حق میں مقدّر ومفروض ہے، اور حضرت ابراہیم (صاحب زادہ رضی اللہ عنہ) کے حق میں بھی مفروض ہے، لیکن ان دونوں کے حق میں مانع جدا جدا ہے۔ مُلاّ علی قاری رحمہ اللہ کا یہ مطلب نہیں کہ غیرتشریعی نبوّت علی الاطلاق باقی ہے۔ نہیں! بلکہ یہ عہدہ اور منصب ہی بند ہوچکا ہے، یہ صورت نہیں کہ عہدہ تو باقی ہے، مگر کوئی شخص اس عہدے سے سرفراز نہیں ہوگا، جیسا کہ اِنقطاعِ اِجتہاد کی صورت ہے۔ (کہ اِجتہادِ مطلق کا دروازہ بند نہیں، لیکن قرنِ رابع کے بعد لوگوں میں اِجتہاد کی صلاحیت نہیں رہی۔ اس کے برعکس حدیث کا منشاء یہ ہے کہ صاحب زادہ ابراہیم رضی اللہ عنہ میں نبوّت کی صلاحیت موجود تھی، مگر چونکہ بابِ نبوّت مسدود ہوچکا تھا، اس لیے ان کی حیات مقدّر نہ ہوئی۔ ورنہ نبوّت کا دروازہ اگر کھلا ہوتا تو وہ لازماً زندہ رہتے اور اگر زِندہ رہتے تو یقیناً نبی ہوتے)۔

حاصل یہ کہ انہوں نے معین اشخاص کو مستثنیٰ کرنے کے بجائے ایک عنوان مقرّر کردیا، تاکہ محض استثناء غیرموجّہ نہ ہوجائے، (بلکہ اس کے عنوان کے تحت مندرج ہونے کی وجہ سے مدلل اور موجّہ ہوجائے)۔ اور یہ عنوان ان کی نیت میں تین اشخاص میں منحصر ہے، ایک محقق (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام، کہ وہ بعد اَز نزول نبی ہوں گے، مگر متبعِ شریعتِ محمدیہ ہوں گے)۔ اور دو مقدّر ومفروض (ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کہ وہ بالفرض زندہ ہوتے تو متبعِ شریعتِ محمدیہ ہوتے، اور دوسرے حضرت صاحب زادہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کہ اگر وہ بالفرض زندہ رہ کر نبی ہوتے تو متبعِ شریعتِ محمدیہ ہوتے۔ پس ان دونوں صاحبوں کے حق میں متبعِ شریعتِ محمدیہ نبی ہونا محض مفروض ومقدّر ہے، ممکن اور واقع نہیں) اور پھر دونوں کے حق میں ناممکن ہونے کی وجہ بھی الگ الگ ہے، (موسیٰ علیہ السلام

کے حق میں آنحضرت ﷺ کے دَورتک زندہ نہ رہنا، اور صاحب زادہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ختمِ نبوّت کی وجہ سے زندگی مقدّر نہ ہونا)۔

پھر مُلّا علی قاری رحمہ اللہ نے نبوّتِ تشریع کو اِنقطاع کے زیرِ عنوان رکھا اور نبوّتِ غیر تشریعیہ کو فرض کے زیرِ عنوان۔ تاکہ حدیث: ''لو عاش ابراھیم'' کے مقدّم وتالی کے درمیان (جو ملازمہ ہے اس) استلزام کی صورت بیان کرسکیں۔ گویا انہوں نے (تعبیر کے لحاظ سے) اِنقطاع میں دو مرتبے پیدا کردیے ہیں، (کہ ایک کو ''اِنقطاع'' کے ساتھ تعبیر کیا، اور دوسرے کو ''فرض وتقدیر'' کے ساتھ)۔ اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے اِمکانِ عقلی میں مرتبے متعین کیے ہیں، کیونکہ لفظ منضبط نہیں، اور موہم ہے، بلکہ انہوں نے ایک قسم پر اِنقطاع کا اطلاق کیا ہے، اور دوسری قسم پر فرض وتقدیر کا۔ کیونکہ یہ مفروض ان کے نزدیک روایت شدہ ہے، پس انہوں نے یہ چاہا کہ اِنقطاع کے دونوں مرتبوں کو ایک ہی عنوان کے تحت شامل کردیں۔ اور جیسا کہ نبوّت کے وہبی ہونے اور اس کے مصاحب ریاضت وکسب ہونے (کے حدود) کا ضبط دشوار ہے، اور نبوّت فی الواقع وہبی ہے، لیکن بے استحقاق نہیں، اور نہ اِرادۂ اتفاقی کا کرشمہ ہے۔ اسی طرح اِمکانِ عقلی کے مراتب کا ضبط دشوار ہے، (مُلّا علی قاری رحمہ اللہ کے کلام کی یہ توجیہ تو اِصطلاحِ مشہور کے مطابق ہے)، اور اگر وہ صوفیا کرام کی اِصطلاح پر گئے ہوں تو (جیسا کہ پہلے گزرا) یہ بھی ممکن ہے۔ جیسا کہ ''مرقاۃ'' میں ''التحیات'' کی بحث میں انہوں نے صوفیاء کی تحقیق نقل کی ہے، اور اکثر یہ عنوان انہی سے سرزد ہوکر علمائے ظاہر تک پہنچا ہے، اور چونکہ یہ روایت فی الواقع ثابت نہیں، اس لیے درست اور صحیح یہی ہے کہ اس کی تفسیر اِنقطاعِ نبوّت علی الاطلاق کے ساتھ کی جائے کہ آپ ﷺ کے بعد نئی نبوّت کا وجود نہیں ہوگا۔

(۱۹۱) اور معلوم رہے کہ یہاں دو مضمون ہیں۔ ایک یہ کہ یہ عہدہ منقطع ہوچکا۔ دوم یہ

کہ نبیٔ اُمّی ﷺ اَشخاصِ انبیاء کے خاتم ہیں۔ یہ دونوں مضمون نصوص میں وارد ہوئے ہیں۔ انقطاعِ عہدہ کا مضمون مثلاً: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں (وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) ''نبوّت جاتی رہی اور مبشرات باقی رہ گئے۔'' جو ''جامع ترمذی'' (ترمذی، ج:۲ ص:۵۱، ابواب الرؤیا) وغیرہ میں مَروی ہے۔ اور یہ مضمون کسی بھی شخص کے بعہدۂ نبوّت آنے کے منافی ہے، خواہ کوئی نیا نبی ہو، یا پُرانا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بوقتِ نزول (بِلاشُبہ نبی ہوں گے، نبوّت ان سے سلب نہیں کرلی جائے گی، مگر چونکہ ان کی نبوّت کا دَور ختم ہوچکا اس لیے) نبوّت کے اختیارات نہیں رکھتے ہوں گے (جیسا کہ کوئی بادشاہ دوسرے مُلک میں جائے تو ہرچند کہ وہ سلطنت سے معزول نہیں، مگر اس مُلک میں اس کے شاہی اختیارات نافذ نہیں ہوتے)۔

رہا ختمِ اَشخاص کا مضمون! پس وہ کسی سابق نبی کی آمد کے منافی نہیں، اور لفظ ''خاتم النّبیین'' سے یہی متبادر ہے، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد کہ:

''آپ ﷺ کو خاتم النّبیین کہو، مگر یہ نہ کہو کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔'' (دُرِّ منثور، ج:۵ ص:۲۰۴)

اسی حقیقت پر مبنی ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ کوئی ملحد (ختمِ نبوّت کی آڑ لے کر) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی نفی پر اِستدلال نہ کرے۔

(۱۹۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد نبوّت کی تجدید نہیں، بلکہ وہی ذات ہے جو پہلے تھی، اور وہی صفتِ نبوّت ہے، جو انہیں پہلے سے حاصل تھی۔ البتہ ان کے آسمان سے نازل ہونے کی حرکت نئی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی نبی اپنی عمر کے دوران کسی کام کے لیے کسی مُلک میں جائے آئے۔ (رہا یہ شُبہ کہ ''اگر وہ بعد از نزول نبی ہوں گے تو ان کا صاحبِ شریعت ہونا بھی ضروری ہے!'' اس کا حل یہ ہے کہ ان کی شریعت کا دور آنحضرت ﷺ کی بعثت تک محدود تھا، اس لیے بِلاشُبہ وہ صاحبِ شریعت ہیں، مگر اپنے

دور میں۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزولِ آسمانی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کے منافی نہیں)، بلکہ ان کی آمد (ختمِ نبوّت کی مستقل دلیل ہے، کیونکہ یہ) اس اَمر کی علامت ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا سلسلہ (حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر) ختم ہوچکا ہے، اس لیے دَجال، جس نے ''مسیح'' کا منصب اختیار کر رکھا تھا، اس کو قتل کرنے کے لیے مسیحِ ہدایت کو لایا گیا، جن کی آمد ایک شیٔ کا بعینہٖ اعادہ وتکرار ہے، نہ کہ اَزسَرِنو کسی شیٔ کا وجود پذیر ہونا۔

اس ملحد نے کسی کتاب کے حاشیہ میں ''منتخب کنز العمال'' جلد:۶، صفحہ:۸۵ بابِ نزولِ عیسیٰ وخروجِ یاجوج وماجوج اَزقسمِ اَفعال سے: ''اُریت ابن مریم'' کا لفظ نقل کرکے اسے رؤیا پر محمول کیا ہے، حالانکہ یہ حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جو ''صحیح مسلم'' میں مَروی ہے، اس میں کوئی مغالطہ نہیں، اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا قصہ بصیغۂ اِستقبال بیان فرمایا ہے، جو اس کے رؤیا ہونے کے منافی ہے، اور اِخبار بالغیب کے قبیل سے ہے۔

(۱۹۳) نیز مُلّا علی قاری رحمہ اللہ کا یہ قول:

> ''یہ حدیث ارشادِ خداوندی: ''خاتم النّبیین'' کے خلاف نہیں، کیونکہ معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دِین کو منسوخ کردے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت سے نہ ہو۔''

اَغلب یہ ہے کہ اپنے قول ''کیونکہ معنی یہ ہیں'' الخ سے وہ حدیث کے معنی بیان کر رہے ہیں، نہ کہ آیت کے۔ کیونکہ انہوں نے ماقبل میں حدیث پر ہی کلام کیا ہے، اور اسی سے یہ معنی اخذ کیے ہیں۔ آیت اسی معنی پر ہے جو اُمّت نے اس سے سمجھا ہے۔ البتہ حدیث کے معنی خفی تھے، جو انہوں نے ذِکر کردیئے۔ آیتِ کریمہ نے مفروض صورتوں کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا، البتہ حدیث نے اس فرضی صورت سے آگاہ کیا، پس وہی بیانِ معنی

کی محتاج تھی۔ یا ان کا مقصد مُرادِ مقام کو بیان کرنا ہے، اور یہ عنوان بھی عام نہیں، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے پیش نظر ہے۔واللہ اعلم و علمہ احکم!

(۱۹۴)

سوال نمبر(۲۹) اور جب مرزا ''کرشن'' کا بروز ہے، اور ''وید'' کو خدا کا کلام سمجھتا ہے تو اسے ''ہندو'' کہنا سزاوار ہے یا نہیں؟ اسے ''محمدی'' کیوں کہا جائے؟ ''ہندو'' کیوں نہ کہا جائے؟ اور اس کے اِلہام کے مطابق اس کو ''جے سنگھ بہادر ردّر گوپال'' اور ''برہمن اوتار'' کیوں نہ کہیں؟ (دیکھئے: ''کاویہ'' صفحہ:۳۳۹۔ ''تتمہ حقیقۃ الوحی'' ص:۸۵)۔

(۱۹۵)

سوال نمبر(۳۰) اور اگر پچاس کروڑ قوم ایک ٹولے کو کافر اور خارج اَز اِسلام قرار دیتی ہو، اور یہ ٹولہ بھی اَقلِ قلیل ہونے کے باوجود تمام جماہیرِ اُمّت کو کافر کہتا ہو تو کیا یہ دونوں ایک قوم ہیں، (مولانا ثناء اللہ امرتسری نے مرزائیوں کے دونوں گروہوں کی مجموعی تعداد ان کے اخبار سے ۵۵ ہزار نقل کی ہے)۔

(۱۹۶)

سوال نمبر(۳۱) (مرزا اپنی نبوّت کے زمانے میں بارہ برس حیاتِ عیسیٰ کا قائل رہا، اور بعد میں اسے شرکِ عظیم قرار دے دیا، گویا وہ نبی اور صاحبِ وحی ہونے کے باوجود شرکِ عظیم میں مبتلا رہا، اب سوال یہ ہے کہ) آیا نبی اپنی نبوّت اور وحی کے زمانے میں مشرک بھی ہوسکتا ہے؟ اور اگر ''وحی'' کے معنی سمجھنے میں وہ اپنی موت کے وقت تک مغالطے میں رہا تو اس اَمر کا کیا یقین ہے کہ وہ صاحبِ وحی ہونے کے دعوے میں حق پر تھا؟ (مرزا کے بہت سے ''اِلہامات'' ایسے ہیں جن کی تشریح اس نے ایک وقت میں کچھ کی، اور پھر ایک مدّت کے بعد کوئی واقعہ رُونما ہوا تو کہہ دیا کہ بس میرے اِلہام کا یہی مطلب تھا، پھر کوئی اور واقعہ پیش آیا تو کہا کہ: ''پہلے مجھ سے ''اِلہام'' کی تشریح میں اِجتہادی غلطی ہوئی ہے،

دراصل اِلہام کا منشاء یہ نہ تھا۔‘‘ اور بعض اِلہام تو ایسے ہیں کہ مَرتے دَم تک وہ ان کا مطلب نہیں سمجھ سکا، سوال یہ ہے کہ جس شخص کی اِلہامی تشریح قابلِ اعتماد نہیں، اس کے اِلہام پر کیا وثوق ہوسکتا ہے؟ اور اس اَمر کی کیا دلیل ہے کہ اِدّعائے وحی میں اسے ٹھوکر نہیں لگی؟)۔

(۱۹۷)

سوال نمبر(۳۲) مرزا نے اپنے اِدّعائے نبوّت کی مدّت خود کیا بیان کی؟ اور اپنے جس ناخلف کے حق میں ’’فخرِ رُسل‘‘ ہونے کا اِلہام ذِکر کیا، (یعنی: مرزا محمود) وہ کیا کہتا ہے؟ (مرزا نے ’’ایک غلطی کا اِزالہ‘‘ میں لکھا ہے کہ اسے نبی اور رسول کا خطاب ’’براہین احمدیہ‘‘ کی تصنیف کے زمانے (۱۸۸۰ء) میں مل چکا تھا، مگر اس کا ناخلف مرزا محمود کہتا ہے کہ ۱۹۰۱ء یا ۱۹۰۲ء میں مرزا پر نبوّت کی حقیقت کھلی تھی، ورنہ اس سے پہلے مرزا بھی اپنے آپ کو ’’غیرِ نبی‘‘ ہی سمجھتا تھا)۔

(۱۹۸)

سوال نمبر(۳۳) نبوّت کا معیار خود مرزا نے کیا مقرّر کیا؟ اور اس کے اَتباع واَذناب نے کیا سمجھ رکھا ہے؟ یا بس یہی کہ اِعتراضات میں انبیاء کے ساتھ مشارکت کافی ہے، یعنی اس کی نبوّت کی بس یہی دلیل ہے کہ جو اِعتراض اس پر وارد ہوتے ہیں، وہ دوسروں پر بھی وارد ہیں؟

(۱۹۹)

سوال نمبر(۳۴) بابی اور بہائی جو کہ مہدویت ونبوّت کے دعوے میں بھی، اور اکثر تعلیم میں بھی مرزا کے ساتھ شریک ہیں، بلکہ مرزا کی تعلیم انہی سے سرقہ ہے، کیا وجہ ہے کہ تم ان کی تصدیق نہیں کرتے؟ حالانکہ ان کی تعلیمات وتحریفات تمہاری تعلیمات وتحریفات کے مماثل ہیں؟

(۲۰۰)

سوال نمبر(۳۵) مرزا نے اپنی بعض کتابوں مثلاً: ''براہین احمدیہ'' وغیرہ میں بعض عقائد مسلمانوں کے موافق درج کیے ہیں، (مثلاً: عقیدۂ ختمِ نبوّت، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے اور قُربِ قیامت میں دوبارہ نازل ہونے کا عقیدہ) حالانکہ انہی کتابوں میں اِلہام کا دعویٰ بھی پیٹ بھر کر کیا تھا، لیکن کچھ عرصہ بعد انہی عقائد کی نفی کر کے انہیں شرک قرار دیا، (گویا حضرت اس وقت بھی صاحبِ اِلہام تھے، جب ان عقائد کو اپنی ''اِلہامی'' کتابوں میں درج فرمارہے تھے، اور اس وقت بھی، جبکہ انہی عقائد کو شرک ٹھہرارہے تھے۔ سوال یہ ہے کہ مرزا کے اِلہامات) حق وباطل کے درمیان فیصلے کا معیار (ہیں یا نہیں؟ اگر کہو کہ معیارِ حق وباطل ہیں، تو یہ فرمائیے کہ ان کا معیار ہونا) کس وقت سے شروع ہوتا ہے؟ اور اس کے مُریدوں کو یہ تمیز کہاں سے حاصل ہوئی (کہ فلاں تاریخ سے پہلے کے اِلہامات حق وباطل کے درمیان فیصلہ نہیں کرتے، اور بعد کے اِلہامات سے حق وباطل کا فیصلہ ہوتا ہے؟ سوچ سمجھ کر جواب دیجئے!)۔

(۲۰۱)

سوال نمبر(۳۶) مرزا کہتا ہے کہ: ''فقیر جلالی رنگ میں نہیں بلکہ جمالی رنگ میں آیا ہے، ممکن ہے کہ کوئی مسیح جلالی رنگ میں آئے اور مولویوں کی تمنّا پوری ہوجائے۔'' اور یہ کہ ''مجھے مسیح ماننے سے کون سا تفاوتِ عظیم واقع ہوگیا؟ وہی دِین ہے جو پہلے تھا۔'' پس وہ علوم ومعارف کون سے ہیں جو اس نے پیش کیے، اور جن سے محققینِ اُمّت ناآشنا تھے؟ ان علوم کی فہرست پیش کرو، تاکہ دیکھا جائے کہ اگر اس نے کوئی صحیح بات کہی ہے تو محققین نے پہلے سے بیان کر رکھی ہے، اور اس دوں ہمت نے سرقہ کیا ہے، ورنہ اس نے جو کچھ کہا، وہ لغو وباطل اور ''کالائے بد بریش خاوند'' کا مصداق ہے۔

(۲۰۲)

سوال نمبر(۳۷) ''بروز'' کے بارے میں اس کے خیالات (پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ) اگر اس نے کبھی نافہمی اور مآل نااندیشی کی بناء پر کوئی بات کہی ہوگی (تو کہی ہوگی، ورنہ) بالآخر وہ تناسخ کی طرف راجع ہیں جو کہ ہندوؤں کا بنیادی اُصول ہے۔ جیسا کہ البیرونی کی ''کتاب الہند'' میں ہے، پس اس کو ''ہندو'' کیوں نہ کہیں؟ ''بروز'' کی تفسیر ''کاویہ'' میں ص:۱۰۹ ''براہین'' سے دیکھئے۔

(۲۰۳)

سوال نمبر(۳۸) تم لوگوں کو جمہور اہلِ اسلام کے ساتھ کون کون سے اُصولی عقائد میں اختلاف ہے؟ اور حج وزکوٰۃ کا حکم کیا ہے؟

(۲۰۴)

سوال نمبر(۳۹) مرزا کے وہ اِلہامات، جو وعید پر مشتمل ہیں اور جن کا مصداق اور مقول لہٗ مذکور نہیں، وہ خود مرزا کے حق میں کیوں نہ سمجھے جائیں؟ جبکہ وہ وعدے کے اِلہامات کو بدون صیغۂ خطاب کے اپنے حق میں سمجھتا ہے، (تو اسی طرح ہم کیوں نہ سمجھیں کہ اس کے دعویٰ نبوّتِ کاذبہ پر اس کو وعید کا اِلہام ہوا ہو) خاص طور پر وہ اِلہام جو بلفظ خطاب ہو، (وہ تو قطعاً مرزا کے حق میں ہی سمجھنا چاہیے) اور (اگر یہ شُبہ ہو کہ جب مرزا دعویٰ نبوّت کی وجہ سے کافر و مُرتد ہوا تو اس کو وعید کا اِلہام کیسا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ) خود مرزا کہتا ہے کہ فاسق (کافر، اور چوہڑے چمار) بھی اَخبارِ غیب کا مورد ہیں (اور ان کو بھی بعض وقت سچّے خواب آجاتے ہیں، اور ان کو اِلہام ہوجاتا ہے) مثلاً: اِلہام ''پیٹ پھٹ گیا'' رسالہ ''ترکِ مرزائیت'' ص:۸۸ میں دیکھئے، اور ''عشرۂ کاملہ'' ص:۴۳، اور ''سودائے مرزا'' ص:۲۰۔

حالانکہ مرزا خود ہیضے میں مَرا، (لہٰذا وہی اس اِلہام کا مصداق نکلا)

''کمترین (یعنی مرزا) کا بیڑا غرق ہوگیا''، ''(مرزا پر) دشمن کا خوب وار نکلا۔''

(۲۰۵)

سوال نمبر (۴۰) اور اس کے خیالات جن کا نام اس نے ''علوم ومعارف'' رکھ چھوڑا ہے، وہ اکثر یورپ کے جذبات کی ترجمانی، عقلی استعدادات اور ذاتی وطبعی فلسفہ مزاجی پر مشتمل ہیں۔ اس کے برعکس انبیاء علیہم السلام کے علوم میں عقل وقیاس کے گھوڑے نہیں دوڑائے جاتے، بلکہ وہ اِخبار بالغیب کیا کرتے ہیں۔ اور کشفِ کونیات کے بارے میں مرزا نے جو کچھ کہا (کہ فلاں واقعہ یوں ہوگا) وہ اکثر وبیشتر غلط اور جھوٹ نکلا۔ اور اس کے ''اِلہامات'' کا بیشتر حصّہ اپنی تعلّی اور خودستائی پر مشتمل ہے۔ پس اس کو ''فلسفی منش''، ''کاہن'' اور ''اٹکل باز'' کیوں نہ کہا جائے؟ کیونکہ کہانت خلقی اور جبلی بھی ہوتی ہے جیسا کہ اِبنِ خلدون نے لکھا ہے (مقدّمہ اِبنِ خلدون ص:۸۸)۔ (اور مرزا نے تو سیالکوٹ کی ملازمت کے دوران اس کی مشق بھی بہم پہنچائی تھی، جیسا کہ ''رئیسِ قادیان'' میں مولانا رفیق دلاوری نے نقل کیا ہے)۔ یا اس کو ''مراقی'' کہا جائے، جس کا وہ خود بھی معترف ہے، (چنانچہ ''ملفوظاتِ احمدیہ'' جلد دوم، ص:۳۷۶ مطبوعہ ربوہ میں اخبار ''الحکم'' جلد:۵، نمبر:۴۰، ص:۵، ۶، ۳۱/اکتوبر ۱۹۰۱ء کے حوالے سے مرزا کا یہ قول نقل کیا ہے:

> ''میرا تو یہ حال ہے کہ باوجود اس کے کہ دو بیماریوں میں ہمیشہ مبتلا رہتا ہوں، پھر بھی آج کل میری مصروفیت کا یہ حال ہے کہ رات کو مکان کے دروازے بند کرکے بڑی بڑی رات تک بیٹھا اس کام کو کرتا رہتا ہوں، حالانکہ زیادہ جاگنے سے ''مراق کی بیماری'' ترقّی کرتی جاتی ہے اور دورانِ سر کا دورہ زیادہ ہوجاتا ہے۔'')

یا اس کو ''ملحد و زِندیق'' کہا جائے، کیونکہ اس نے اپنے پوشیدہ قلبی عزائم کے اِظہار میں تدریج اور سہج روی سے کام لیا، (''عشرہ'' ص:۳۵)، اور وقت کا منتظر رہا چنانچہ اوّلاً وہ بعض انبیاء پر اپنی تفضیل کا قائل تھا، رسالہ ''ترکِ مرزائیت'' میں اس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ''مسیح اِبنِ مریم کے نام سے خاص طور پر مجھے مخصوص کر کے وہ میرے اُوپر رحمت اور عنایت کی گئی جو اس پر نہیں کی گئی'' (تتمہ حقیقۃ الوحی، ص:۱۵۴)۔ پھر خاتم الانبیاء ﷺ پر برتری کا دعویٰ بھی کیا، (تریاق القلوب، ص:۱۷۳ مطبوعہ ۱۹۲۲ء)۔ اور اس کے مشکلات (کے بارے میں اس کی عبارت) رسالہ ''ترکِ مرزائیت'' ص:۳۶ میں ملاحظہ کی جائے۔

(۲۰۶) اور کبھی کبھی وہ اپنے خیالات کی بنیاد اَغراضِ مدسوسہ پر نہیں رکھتا، بلکہ وقتی طور پر جو خیال ذہن میں آ گیا ہانک دیا۔ چنانچہ ''کاویہ'' ص:۱۰۷ میں ''بدر'' ۱۹۰۲ء سے نقل کیا ہے کہ اس نے شیخ اکبر کا قول ترک کر کے انعکاسِ نبوّت کو جاری رکھا ہے، نہ کہ نبوّتِ غیر تشریعیہ کو۔ حالانکہ یہ اس کے غیر تشریعی نبوّت کے دعوے کے بعد کا زمانہ ہے، کیونکہ بقول اس کے ناخلف (مرزا محمود) کے، اس کے دعویٔ نبوّت کا زمانہ ۱۹۰۱ء ہے۔

(۲۰۷) اور معلوم رہے کہ ایک مدّت تک وہ ''شریعت'' کے یہی معنٰی سمجھتا رہا کہ وہ جدید اَحکام پر مشتمل ہو، جیسا کہ علماء سمجھتے ہیں، اور یہ معقول المعنٰی بھی ہے، اور اس مدّت کے دوران وہ قرآنِ کریم کی آیات وکلمات کا اپنی وحی کی حیثیت سے سرقہ کرنے کو ''شریعت'' نہیں سمجھتا تھا، اور ''نئی شریعت'' کی قید کے بغیر اپنے سے ''شریعت'' کی نفی کرتا تھا۔ بعد میں شیطان نے اسے تعلیم دی کہ اس سرقۂ آیاتِ قرآنی ہی کو ''شریعت'' کہے اور اپنے تئیں صاحبِ شریعت قرار دے۔ چنانچہ وہ اسی طرح کرنے لگا، اور اس وسوسے کے القاء کے بعد تقیید کا محتاج ہوا (کہ میں صاحبِ شریعت تو ہوں، مگر

شریعتِ جدیدہ نہیں رکھتا)۔ اور اب (جبکہ اس نے صاحبِ شریعت ہونے کا دعویٰ کردیا تو) یہ کہنا بھی کافی نہیں کہ نبوّتِ غیر تشریعیہ باقی ہے، بلکہ (اس کے دعوے کے مطابق) نبوّتِ تشریعیہ بھی باقی ہے، مگر نئی شریعت نہیں۔

(۲۰۸) پس یہ نوعیت ہے اس کے ''علوم ومعارف'' کی، کہ محض بداء وقتی ہے، یعنی آغاز وانجام کو سمجھے بغیر جس وقت جو جی میں آیا کہہ دیا، جس طرح کے وَساوِس وخطرات قلب میں پیدا ہوا کرتے ہیں، (انہیں وَساوِس کو وہ ''علوم ومعارف'' سمجھتا ہے) کہ تحدی اور دعاوی کی بناء انہیں وَساوِس پر رکھتا ہے، اور اس کے پسرِ ناخلف نے ''حقیقۃ النبوۃ'' میں اس ملحد کی بعض عبارتیں نقل کی ہیں (جن کا مضمون یہ ہے) کہ ہر نبوّت میں نئے اَحکام کا ہونا ضروری ہے، (مثلاً ذیل کی عبارت):

''اسلام کی اِصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنیٰ ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں، یا بعض اَحکامِ شریعتِ سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں، یا نبیٔ سابق کی اُمّت نہیں کہلاتے۔'' (اخبار ''الحکم'' قادیان جلد:۳، نمبر ۲۹، ۱۸۹۹ء)

اور اس وقت وہ اپنے لیے نبوّت کے دوسرے معنی ایجاد کرتا تھا، اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ خود اپنے کلام کے انجام کو نہیں سمجھتا۔ چنانچہ ایک موقع پر اس بات کا عذر بیان کرتے ہوئے کہ اس پر نبی کا اطلاق کیوں ضروری ہے؟ لکھتا ہے:

''اگر خدا تعالیٰ سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو بتلاؤ کہ کس نام سے اس کو پکارا جائے؟ اگر کہو کہ اس کا نام محدّث رکھنا چاہیے تو میں کہتا ہوں کہ تحدیث کے معنی لغت کی کسی کتاب میں اِظہارِ غیب کے نہیں۔'' (ایک غلطی کا اِزالہ)

گویا عذر یہ ہے کہ سوائے نبی کے اور کوئی لفظ اس معنی کے لیے اور اس کے

دعوے کے لیے مناسب نہیں، اور لفظ محدّث بھی مطابق نہیں۔ حالانکہ قبل ازیں اسی بنیاد پر اس نے محدثیت کا دعویٰ خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا تھا، چنانچہ لکھتا ہے: ’’نبوّت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے، جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا‘‘ (’’عشرہ کاملہ‘‘ بحوالہ ’’اِزالہ اوہام‘‘ ص:۴۲۱)۔

پس یہ نہ سمجھا کہ جب محدثیت کا دعویٰ خدا کے حکم سے کرچکا ہوں، تو محدثیت میرے دعوے کے غیر مطابق کیونکر ہوسکتی ہے؟ بہرحال اب تک وہ نبی کے اطلاق میں عذر معذرت اور حیلے بہانے کرتا تھا، بعدازاں کھل کر نبوّتِ کاملہ حقیقیہ کا دعویٰ کردیا، اور اس نبوّت کے منکروں کو کافر قرار دیا۔ پس اس کی عمر بھر کے اقوال وخیالات ایسے نہیں جس طرح کہ کسی پابندِ ضبط مصنّف کا کلام ہوتا ہے کہ (اگر تعارض نظر آئے تو) توفیق وتطبیق تلاش کی جائے۔ اور نہ اس کے تمام اقوال تدریج پر محمول ہیں، جیسا کہ اس کا ناخلف راگ الاپتا ہے، بلکہ کم علمی اور قلّتِ فہم کی وجہ سے متناقض ہیں کہ سانحِ وقتی کے طور پر جو خیال جس وقت ذہن میں آیا، ہانک دیا۔

(۲۰۹) بہرحال! مرزا نے نبوّتِ تامہ کا دعویٰ کیا اور توبہ نہیں کی، پس کافر ومُرتد مرا۔ اسی طرح اس کی دونوں جماعتیں بھی، کہ ایک جماعت تو اس کے متناقض دعاوی کو وارداتِ غیبیہ کی تبدیلی اور تدریج پر تقسیم کرتی ہے، اور دوسری جماعت ان متعارض ومتناقض دعاوی میں توفیق وتطبیق کی جویاں ہیں، حالانکہ وہ درحقیقت اندھے کی طرح سینہ زور ہے کہ دوڑتے وقت کچھ نہیں دیکھتا، خواہ گڑھے میں گرجائے، ٹھوکر کھائے یا کسی چیز سے ٹکرا کر سَر پھوڑ لے! وہ نت نئی تحریف پر جو ذہن میں آئے، اپنے دعوؤں کی بنیاد رکھ لیتا ہے، اور کوئی حقیقتِ واقعیہ اس کے ذہن نہیں ہے، بلکہ جو کچھ خیال میں آجاتا ہے ایک مدّت تک اسے گاتا رہتا ہے، اور بار بار اسی کو دُہراتا رہتا ہے، اور جب کوئی اور چیز

ذہن میں آجاتی ہے تو ہذیان کی طرح اسی کو چلّانا شروع کردیتا ہے، پہلی اور پچھلی عبارتوں کے تفاوت اور تناقض کی جانب بسااوقات اس کا ذہن ہی نہیں جاتا، نہ وہاں تک اس کے فہم کو رَسائی ہے۔ اور اپنی اور دوسروں کی عبارتوں کے فرق کو اکثر وہ سمجھتا ہی نہیں، نہ امتیاز کرسکتا ہے، اور کبھی بعد کے زمانے میں پہلے زمانے کی باتیں کرنے لگتا ہے، جس سے یہ تأثر دینا چاہتا ہے کہ گویا تناقض وتہافت نہیں۔

(۲۱۰) اس کے چیلے چانٹے اب تک اس کے خبط وخلط، تہافت وتساقط، تعارض وتناقض اور جہلِ بسیط ومرکب کی اصلاح میں جان وایمان کی بازی ہار چکے ہیں اور کئی فرقوں میں بٹ چکے ہیں، ایک دوسرے کی تکفیر بھی کرتے رہتے ہیں، تاہم ان سے کچھ نہ بَن پڑا، اور انہیں حقیقتِ حال کی خبر نہ ہوئی۔ اس کی تعلیم اور ذخیرۂ کُتب اس فارسی شعر کا مصداق ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) ”کتّے کو سات دریاؤں میں نہلاؤ (مگر وہ پاک نہیں ہوگا، بلکہ اس کے برعکس) جس قدر بھیگے گا اتنا ہی زیادہ پلید ہوگا“ وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ!

(۲۱۱) اور درحقیقت وہ خود سابقین کی مُراد کو نہیں سمجھتا، اور نہ اپنے مہمل کلام ہی کے مقصود ومدّعا کو جانتا ہے، اور اس کے مُرید ہاویہ کے گڑھے میں گرے ہوئے ہیں۔ مرزا نے نقول اور حوالہ جات میں خود بھی بہت سے مغالطے کھائے ہیں، اور دوسروں کو جان بوجھ کر بھی بہت سے مغالطے دیے ہیں۔ حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلے میں اس نے اِمام مالک رحمہ اللہ، اِمام بخاری رحمہ اللہ، حافظ اِبنِ حزم رحمہ اللہ اور حافظ اِبنِ تیمیہ رحمہ اللہ پر یہ اِفترا کیا ہے کہ وہ موت کا عقیدہ رکھتے تھے، حالانکہ یہ قطعاً خلافِ واقعہ، دروغِ بے فروغ ہے۔ اور جب ان حضرات کی کتابوں کی صریح نقول سے عقیدۂ حیات دِکھایا جائے، تو اس کے چیلے مجالس اور مناظروں میں ذلیل اور رُسوا ہوجاتے ہیں، اور میدان خالی دیکھ کر پھر بھی اِلحاد ومغالطہ اور کذب بیانی سے باز نہیں آتے۔

(۲۱۲) مرزا، قرآن کی مناسبت سے اس قدر محروم تھا کہ بڑی کثرت سے آیات کو محرّف اور غلط نقل کرتا ہے، اور قرآن کی جانب ایسے ایسے مضامین منسوب کرتا ہے، جن کا رائحہ بھی قرآن میں موجود نہیں۔ اور ''صحیح بخاری'' جیسی مشہور کتاب پر اِفتراء کیا کہ اس میں ''هذا خليفة الله المهدی'' موجود ہے، جو اس کی ذِلّت ورُسوائی کا موجب ہے۔ اور اس نے اپنے معاصرین پر دیدہ ودانستہ بہت سے افترا کیے، اور ان تمام اُمور کو ناظرین نے ثابت کرکے شائع کیا، مگر اس کے مُریدوں کو کسی طرح ہدایت دستیاب نہ ہوئی۔ ''اور جس کو اللہ ہی نُورِ (ہدایت) نہ دے، اسے کہیں سے بھی روشنی نہیں مل سکتی!''

(۲۱۳) مرزا، قرآنِ کریم کی بہت سی ایسی آیات کو عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے بارے میں قرار دیتا ہے، جو ان کی موت سے ادنیٰ مس تک نہیں رکھتیں، اور اس نے جہلِ تام وعام کی بناء پر یہ نہ جانا کہ اَحادیثِ نزول، جن کو اپنی غرض براری کے لیے بحال رکھتا ہے، وہ اسی قرآن سے مستفاد ہیں، کسی اِجتہاد سے یا اِسرائیلیات سے مأخوذ نہیں۔ پس ضروری ہے کہ قرآنِ کریم میں اس سلسلے میں کچھ فرمایا ہو، اور وہ تعبیرِ نزول کے مناسب ہوگا، نہ کہ اس سے بے جوڑ، پس قرآنِ کریم نے موت کا لفظ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں) ذِکر نہیں کیا، کیونکہ قرآن وحدیث کے درمیان اُسلوبِ لفظی میں منافرت کا پایا جانا بھی بہت بڑا نقص اور زبردست مغالطہ ہے۔ حدیث وقرآن کے درمیان شرح ومتن کی نسبت ہونی چاہیے، یہ نہیں کہ وہ کسی اور جہان کی بات کرے، اور یہ کسی اور جہان کی۔ یہ ممکن نہیں کہ قرآنِ کریم تو ان کی موت کا اعلان کرے، اور حدیث ان کے رُجوع ونزول کی تصریح کرے، کیونکہ اس صورت میں حدیث مُرادِ قرآن کو بیان کرنے والی نہیں رہتی، بلکہ صنیعِ قرآن کے مناقض ہوجاتی ہے، (حالانکہ حدیث تو مُرادِ قرآن کو بیان کرنے والی ہے، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے): ''پھر بے شک ہمارے ذمّہ ہے اس کا

بیان کرنا‘‘ (القیامہ:۱۹) (نیز ارشاد ہے:) ’’اور نہیں اُتاری ہم نے آپ پر کتاب مگر اس مقصد کے لیے کہ آپ بیان کریں ان کے سامنے اس چیز (کی اصل حقیقت) کو جس میں انہوں نے اختلاف کر رکھا ہے‘‘ (النحل:٦٤)۔

(۲۱۴) حدیث کو لازم ہے کہ قرآن کے اُسلوب کی اتباع کرے، اور اگر اُسلوب تبدیل کرے تو اس کی اطلاع دے۔ کلام کو ایسے پوشیدہ اَغراض پر جن کا کوئی شمہ بھی مخاطب نے نہ سونگھا ہو، اور نہ وہ کسی کے حاشیۂ خیال میں کبھی گزرے ہوں، مبنی کرنا ہدایت نہیں، بلکہ دانستہ گمراہ کرنا ہے، نہ یہ بات کسی سلیم الفطرت سے کبھی وقوع میں آئی ہے، اور نہ حدیث میں اس کی نظیر واقع ہوئی ہے، آیا صرف یہی ایک جگہ ہے کہ اُمّت یہاں تباہ ہوئی، اور اسی جگہ جو اس ملحد کے اِلحاد اور اس کی نفسانی خواہش کی پیروی کا موقع ہے، کوتاہی ہوئی اور (نزولِ عیسیٰ کی حقیقت کے بیان کرنے کو) اس ملحد کو چھوڑ دیا؟

پیغمبرِ اِسلام ﷺ نے پے در پے احادیث میں جو تواتر کی حد کو پہنچی ہوئی ہیں، اور جن کی تبلیغ علیٰ رُؤس الاشہاد تمام لوگوں کے سامنے کردی گئی ہے، ایک بار بھی اس مُراد کی جانب اشارہ نہیں فرمایا (کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مُراد قادیان کا دہقان مرزا غلام احمد ہے، اور اس کے نزول سے مُراد اس کا شکمِ مادر سے پیدا ہونا ہے)، اور (کیا یہ ممکن ہے کہ) آپ نے پوری اُمّت کو باطل پر چھوڑ دیا (کہ تمام اُمّت عیسیٰ سے سیّدنا عیسیٰ ابنِ مریم صاحبِ اِنجیل ہی سمجھتی رہی) اور آپ نے (نعوذ باللہ!) اس گھناؤنے اَمر کو روا رکھا؟ جو کام کسی کے ایک لفظ سے نکل سکتا ہو، اور وہ اتنی زحمت بھی گوارا نہ کرے اس سے بڑھ کر باطل پرست کون ہوسکتا ہے؟

حالانکہ رفع ونزول میں قرآن وحدیث کے درمیان صنعت طباق ہے

(کہ قرآن نے رَفع کا ذِکر کیا، اور حدیث نے اس کے بالمقابل نزول کو بیان فرمایا، جس سے واضح ہوتا ہے کہ) نزول سے وہ معنی مُراد ہیں جو مصداق رَفع کا مقابل ہوں۔ بالفرض! اگر نزول کا ذِکر موت کے بعد ہوتا، اس وقت اس کا محمل دریافت کیا جاسکتا تھا، نہ کہ اس وقت جبکہ نزول کا ذِکر رَفع کرنے کے بعد ہوا ہے، اور (اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ رَفع کے بعد نزول کا ہونا) ایک ہی سلسلے کی کڑی ہے۔

(۲۱۵) غرضیکہ یہ اَسوَدِ کاذب، عیوب ونقائص کا مجمع اور معجونِ مرکب ہے، اور شاید دُنیا میں کم ہی کوئی شخص ایسا ساقط الحواس اور ماؤف الدماغ ہوا ہوگا، اور اس کے باوجود ''افضل الرسل'' ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے؟ ''اللہ بڑے زبردست صاحبِ انتقام ہیں'' چنانچہ حق تعالیٰ نے مرضِ ہیضہ اور اِسہال وقے کا قہر نازل کرکے، جو اس کی پُرخوری کا نتیجہ تھا، اس کی شہ رَگ کاٹ ڈالی، جو اس کے ناخلف کے بقول اس کے دعوئ نبوّت کے بعد سات سال کے عرصے میں ہوئی۔

(۲۱۶) مخفی نہ رہے کہ اس زمانے کے ملحدین کوئی اِلحاد اور وَسوسۂ شیطانی اَزخود گھڑکر اسے بزعمِ خویش ''ایک طے شُدہ علمی حقیقت'' ٹھہرالیتے ہیں، اور پھر اہلِ حق سے مطالبہ کرتے ہیں کہ (اگر ہمارا یہ نظریہ غلط ہے تو) اس کا صریح رَدّ قرآن سے نکال کر دِکھاؤ، اور چونکہ یہ بات ہر جگہ میسّر نہیں کہ دُنیا میں کسی کو جو وسوسہ بھی لاحق ہوا کرے، قرآن کی نصِ صریح اس کی تردید کیا کرے، اس لیے وہ اپنی جماعت میں بغلیں بجاتے ہیں (کہ دیکھو مولوی قرآن کی رُو سے ہمارے دعوے کو نہیں توڑ سکتے) گویا کسی اِلحاد کا ایجاد کرلینا ہی کافی ہے، خواہ وہ علم کا کوئی اثر ونشان اور دلیل وبرہان رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔

اور کبھی کبھی ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ ملحدین، اہلِ حق سے مطالبہ کرتے ہیں کہ: ''ہمارے دعوے کی تردید علمائے سابقین سے پیش کرو!'' (حالانکہ اُصولی طور پر یہ

مطالبہ ہی غلط ہے، اس لیے کہ جب علمائے سابقین کے زمانے میں اس نظریے کا کوئی قائل ہی نہ تھا، تو وہ اس کی تردید کیوں کرتے؟ تاہم) جب پیش کردیا جائے تو کہتے ہیں کہ: ”حدیث میں نہیں آیا!“ اور جب حدیث پیش کردی جائے، تو کہتے ہیں: ”قرآن میں نہیں آیا!“ اور جب قرآن سے پیش کردیا جائے تو کہتے ہیں کہ: ”صرف ایک بار آیا ہے، مزید تاکید نہیں فرمائی!“ اسی طرح ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے کی طرف فرار کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ احقر کو یہی واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ”نزول من السماء“ کے سلسلے میں پیش آیا تھا، (مرزائیوں کی طرف کہا گیا کہ ”من السماء“ کی قید کسی حدیث میں نہیں آئی، اور جب) میں نے ”بیہقی“ کی ”کتاب الاسماء والصفات“ سے یہ تصریح پیش کی تھی (تو کہنے لگے: ”دوسری حدیثوں میں نہیں!“)۔

پس خوب یاد رکھنا چاہیے! کہ کسی اِلحاد کے صحیح وصواب ہونے کے لئے یہ کافی نہیں کہ اس کا رَدّ قرآن سے میسّر نہیں، اور نہ اہلِ حق کو اس سلسلے میں کوئی اِضطراب اور پریشانی لاحق ہونی چاہیے، بلکہ کبھی نئے نظریے کا ایجاد کرنا ہی بجائے خود اِلحاد ہوا کرتا ہے۔

اور کبھی ملحدین اپنی جانب سے ایک عنوان اِختراع کرکے اہلِ حق سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ”یہ لفظ اور یہ عنوانِ خاص قرآن وغیرہ سے پیش کرو، ورنہ ہمارا نظریہ ثابت ہے!“ حالانکہ حقیقتِ واقعیہ یہ ہے کہ کسی اِلحاد کے بطلان کے لیے یہی کافی ہے کہ ذخیرۂ دِین اور نصوصِ شرعیہ میں اس کا کوئی وجود نہ ہو، یہ ضروری نہیں کہ ہر چیز کی تردید قرآنِ کریم میں موجود ہو، اور پھر اسی لفظ کے ساتھ ہو، جو وہ چاہتے ہیں، اور یہ بھی نہیں کہ ”احمق کو ٹوکا نہ جائے تو مامور بن بیٹھے!“

(۲۱۷) اور مرزا، قلّتِ علم، کثرتِ جہل، طبعی کبر وتعلّی، تنگ مزاجی، تنگ ظرفی، دوں فطرتی اور کم حوصلگی کے سبب معمولی قسم کے پیش پا اُفتادہ اُمور کو ”غیبی عطیات“ اور

’’آسمانی انعامات‘‘ سمجھ لیتا ہے، اور پھر یہ تصوّر کرلیتا ہے کہ حقائقِ غیبیہ میں سے کوئی حقیقت اس کے علم وادراک کی گرفت سے باہر نہیں ہے، اور اسی پندار اور خوش فہمی کے بَل پر وہ اِلٰہیات ونبویات کے مسائل میں اُلجھتا ہے، اور دریدہ دہنوں اور بازاریوں کا سا کلام کرتا ہے۔

ترجمہ اشعار:

’’خواجہ سمجھتا ہے کہ وہ بھی کچھ پونجی رکھتا ہے، حالانکہ خواجہ کا سرمایہ غرور پندار کے سوا کچھ نہیں۔‘‘ ’’خلوت نشین جاہل کے خیالات بالآخر دِین ودُنیا کی بیخ کنی کردیتے ہیں۔‘‘

(۲۱۸) ’’بروز‘‘ کا لفظ شاید کسی ایک آدھ صوفی کے کلام میں، بمعنی فیضِ رُوحانی وتربیتِ باطنی استعمال ہوا تھا۔ اور ’’اِتحاد‘‘ کا لفظ عشاق کے کلام میں، محبوب سے ہمرنگی اور فنائے محبانہ سے عبارت تھا۔ یہ جاہل ان الفاظ کو کثرت سے استعمال کرتا ہے، اور بزعمِ خود سمجھتا ہے کہ میں نے صوفیہ کی مُراد کی ٹھیک ترجمانی کردی۔ حالانکہ فی الحقیقت اس کے ذہن میں ان الفاظ کا کوئی مصداق نہیں ہوتا، اس کا کُل سرمایہ زبانی جمع خرچ، دوسروں کے الفاظ نقل کرلینا اور ان کی بھونڈی نقّالی ہے۔ (عارفِ رُومی رحمہ اللہ نے صحیح فرمایا۔

حرفِ درویشاں بدزدو مردِدوں
تا بہ پیشِ جاہلاں خواند فسوں

وہ چونکہ ’’بروز‘‘ اور ’’اِتحاد‘‘ کی صوفیانہ اِصطلاحات کے مفہوم سے ناآشنا تھا، اس لیے) رفتہ رفتہ صریح ’’تناسخ‘‘ کے گڑھے میں جاگرا، اور ’’بروز‘‘ کی تفسیر ’’جنم‘‘ اور ’’اوتار‘‘ کے ساتھ کرڈالی، جو کہ ہندوؤں کا بنیادی اُصول ہے۔

(۲۱۹) (مرزا غلام احمد نے اپنی نبوّت کا ثبوت یہ پیش کیا ہے کہ: ''نبوّت کے معنی ہیں خدا سے خبر پا کر پیش گوئیاں کرنا، اور یہ تعریف چونکہ مجھ پر صادق آتی ہے، لہٰذا میں نبی ہوں۔'' حالانکہ ''نبوّت'' کا یہ تصوّر اس قدر گھٹیا ہے کہ اس کے ماتحت ہر نجومی، پنڈت، رمّال، جفّار، اڑ پوپو نبوّت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ اور جب مرزا سے کہا جائے کہ: ''تیری اپنی تعریف کے مطابق بھی ''نبوّت'' کی تعریف تجھ پر صادق نہیں آتی، کیونکہ جو پیش گوئیاں تُو نے بڑی شدّ و مد سے کی تھیں، اور انہیں اپنے صدق و کذب کا معیار ٹھہرایا تھا، وہ بھی تیری تشریح کے مطابق پوری نہ ہوئیں، بلکہ سب کی سب جھوٹ نکلیں۔'' تو اس کے جواب میں مرزا کہا کرتا ہے کہ: ''میری نبوّت کا ثبوت بس یہی کافی ہے کہ جو اِعتراض مجھ پر کیا جائے، وہ ہر ایک نبی پر پڑتا ہے!'' سوال یہ ہے کہ) کیا کسی شخص کی نبوّت کا ثبوت بس یہی کافی ہے کہ نبوّت کو ایک گھٹیا سی چیز بتایا جائے، اور انبیائے کرام علیہم السلام پر اِعتراض جڑ دیے جائیں یا کسی ثابت شُدہ اور مسلّمہ اُصول کے ماتحت نبوّت کا ثبوت پیش کرنا اور اس پر دلائلِ قاطعہ پیش کرنا بھی ضروری ہے؟ (اگر جواب شقِ ثانی میں ہے تو مرزا نے انبیائے کرام علیہم السلام اور ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کر کے نامۂ عمل کیوں سیاہ کیا؟)۔

(۲۲۰) مرزا کہتا ہے کہ پیش گوئیوں میں کسی قدر نقصان اور خفا رہ جاتا ہے، لہٰذا پیش گوئی کا جو حصّہ پورا ہو جائے اس سے فائدہ اُٹھانا چاہیے، پہلے لوگوں کو بھی یہی ٹھوکر لگی۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کے خیالی تصوّرات کے مطابق سابقہ پیش گوئیاں مدعیانِ نبوّت پر صادق نہیں آئیں، اس لیے ایمان سے محروم رہ گئے۔ اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ (کسی مدّعی پر پیش گوئی کے بعض اجزا کا صادق آنا اور بعض کا صادق

نہ آنا، اس کے صدق وکذب میں اشتباہ والتباس کا موجب ہے۔[1] اور) اشتباہ والتباس کی حالت میں نفع کا یقین نہیں ہوسکتا (اور یقین نہ ہو تو ایمان بے سُود ہے) اور اگر یوں ہے تو یوں بھی ہے۔ پس مرزا کا یہ مشورہ اخلاص وخیر خواہی کا مشورہ نہیں، بلکہ خود غرضی، تلبیس اور دَغا فریب پر مبنی ہے۔

(ترجمہ شعر:) ''بہت سے اِبلیس (مرزا کی طرح) آدمی کی شکل میں
ہوتے ہیں، پس ہر ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہیے۔''

(۲۲۱) کیا اِلہام بھی ملکۂ اِنشاء پردازی کی طرح ہے اور طبیعت کی آمد وسلیقہ پر منحصر ہے؟ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مرزا کُتبِ سابقہ میں کوئی چیز دیکھ کر رَٹ لگا لیتا ہے اور پھر اس کے مطابق اِلہام گھڑ لیتا ہے۔ مثلاً: ''اخطئ واصيب'' کا اِلہام، اور مثلاً: عمانوئیل (کی پیدائش) کا اِلہام، جو سراسر جھوٹ بھی نکلا۔

اور کبھی مرزا اپنے پاس سے ایک مہمل اور بے معنی بات، جس کی کوئی حقیقت محصّلہ نہیں ہوتی، گھڑ لیتا ہے، اور پھر اس کے مطابق اِلہام بنالیتا ہے۔ مثلاً: ''تو بمنزلہ میرے بروز کے ہے'' کا اِلہام، جس کی کوئی حقیقت کُتبِ سماویہ میں نہیں۔

(۲۲۲) ایسے وہمی اور شکی اُمور کہ جن کا یا تو ثبوت ہی معلوم نہ ہو، یا یہ گمان ہو کہ راوی سے فروگزاشت ہوئی ہے، اور اس سلسلے کی کوئی کڑی چھوٹ گئی ہے، ایسے اُمور سے قطعیات پر اِعتراض کرکے انہیں منہدم کردینا کیا یہ ایمانداری کا کام ہے؟ چنانچہ اس فرقے نے عصمتِ انبیاء کے باب میں یہی وطیرہ اختیار کیا۔ اور مجہول الحال اُمور کے ذریعے دِین کے قطعیات اور متواترات کو درہم برہم کرڈالا، حالانکہ اس نام نہاد وَحی میں، جس کو یہ ملحد سرقہ کرکے اور اِدھر اُدھر سے جوڑ کر بناتا ہے، تواتر ہی کا سہارا لیتا ہے۔

---

(۱) اور مرزا غلام احمد قادیانی پر تو مسیح کی پیش گوئی اتنی بھی صادق نہیں آتی جتنی کہ ماش کے دانے پر سفیدی۔ پس مرزا کا کذب روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ مترجم)

چونکہ اس ملحد کی غرض دِین کو درہم برہم کرنا تھا، اور وہ جانتا تھا کہ وہ اپنی خانہ ساز پیش گوئیوں میں ذلیل وخوار ہوگا، اس لئے اس نے پہلے سے یہ تدبیر کی کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی پیش گوئیوں پر خاک اُڑائی جائے اور انہیں غلط ٹھہرایا جائے، تاکہ بوقتِ ضرورت کام آئے، اور ایک طے شُدہ اُصول پہلے سے تیار رہے (کہ۔نعوذ باللہ۔ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی وحی کا مطلب نہیں سمجھتے، اور وہ غلط سلط پیش گوئیاں کردیا کرتے ہیں۔ چنانچہ مرزا ''اِزالۂ اوہام'' میں لکھتا ہے:

''مسیح کے معجزات اور پیش گوئیوں پر جس قدر اِعتراض اور شکوک پیدا ہوتے ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ کسی اور نبی کے خوارق یا پیش خبریوں پر کبھی ایسے شبہات پیدا ہوئے ہوں، کیا تالاب کا قصہ مسیحی معجزات کی رونق دُور نہیں کرتا؟ اور پیش گوئیوں کا حال اس سے بھی زیادہ تر اَبتر ہے، کیا یہ بھی کوئی پیش گوئیاں ہیں کہ زلزلے آئیں گے۔ مری پڑے گی، لڑائیاں ہوں گی، قحط پڑیں گے اور اس سے زیادہ قابلِ افسوس یہ امر ہے کہ جس قدر مسیح کی پیش گوئیاں غلط نکلیں اس قدر صحیح نکل نہیں سکیں .... اور بھی بہت سی پیش گوئیاں ہیں، جو صحیح نہیں نکلیں، مگر یہ بات الزام کے لائق نہیں، کیونکہ اُمور اِخباریہ کشفیہ میں اِجتہادی غلطی انبیاء سے بھی ہوجاتی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعض پیش گوئیاں بھی اُس صورت پر ظہور پذیر نہیں ہوئیں جس صورت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دِل میں اُمید باندھ لی تھی، غایت مافی الباب یہ ہے کہ حضرت مسیح کی پیش گوئیاں اوروں سے زیادہ غلط نکلیں۔'' (ص:۶، ۷، ۸، طبع اوّل)

(۲۲۳) انبیاء علیہم السلام کی توہین سب سے پہلے اِبلیس نے کی تھی، اور اس نے حق تعالیٰ

سے مناظرہ کیا کہ آپ کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی شخص کو کمالاتِ کسبیہ کے بغیر شرف بخشیں اور عطیات سے نوازیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے کسی کو فضیلت وشرف عطا کرنے کا اور داد و دہش کا اَز خود اِختیار ہے۔ مگر اِبلیس نے اس اختیار کو ناروا سمجھا، اور کسی شخص پر اس کی جسمانی ساخت اور اس کے اجزاءِ ترکیبی سے زائد اِنعام کرنے کو غیر معقول ٹھہرایا۔ گویا وہ حق تعالیٰ کے اختیاراتِ سلطانی کے مزاحم تھا۔ بعدازاں یہ شقی (مرزا) نہ صرف یہ کہ شیطان کے نقشِ قدم پر چلا، بلکہ اس سے بھی چار قدم آگے نکل گیا، اسی اِبلیسی نظریے کے تحت اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کر کے اپنے پوشیدہ خبث وکُفر کا اظہار کیا (چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قرآنی معجزات کو شعبدہ بازی اور مسمریزم قرار دے کر لکھتا ہے:

''مگر یاد رکھنا چاہیے کہ یہ عمل ایسا قدر کے لائق نہیں، جیسا کہ عوام الناس اس کو خیال کرتے ہیں، اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابلِ نفرت نہ سمجھتا تو خدا تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے اُمید قوی رکھتا تھا کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت اِبنِ مریم سے کم نہ رہتا۔'' (اِزالہ اوہام، حاشیہ ص:۳۰۹)

اس سے اس کی غرض یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت ووقعت مسلمانوں کے دِل سے نکال ڈالے اور ان کی مسند پر خود قابض ہوجائے (چنانچہ وہ صاف صاف اپنے مدّعا کا اظہار کرتا ہے کہ:

اِبنِ مریم کے ذِکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے
نعوذ باللہ!)

حالانکہ ''کہاں عیسیٰ! کہاں دَجالِ ناپاک'' یہی وجہ ہے کہ اس نے ہندوؤں

کے پیشواؤں سے یہ معاملہ روا نہیں رکھا، بلکہ ان کی عظمت وتوقیر کا اظہار کرکے انہیں اپنی جانب مائل کرنے کی کوشش کی۔

(۲۲۴) کسی مسئلے میں ایسے متشابہات سے، جن کی طرف ذہن بھی نہ جاتا ہو، استدلال کرنا اور اس باب میں محکمات کو چھوڑ دینا اِلحاد نہیں تو اور کیا ہے؟ چنانچہ اس ملحد نے ان اُمور کو، جو کتابوں میں بددِین و بے ایمان لوگوں کے وساوِس وشبہات کے طور پر ذِکر کیے گئے ہیں، جمع کرکے انہیں اپنا دِین ومذہب بنالیا ہے۔ اور جب کسی کو اسلام سے بچلانا چاہتا ہے تو (صریح نصوص میں) شیطانی شبہات کھڑے کردیتا ہے، اور جب اپنی جانب کھینچنا چاہتا ہے تو ملمع کاری کے ساتھ مناسبتیں پیدا کرتا ہے، اور نصوصِ قطعیہ کو اِستعارہ ومجاز پر محمول کرنے کی تاویل جس کو اس نے اپنے ذخیرۂ اِلحاد کا موضوع بنا رکھا ہے، اس کے ذریعے وہ اکثر اِسلامی عقائد اور بعض اَحکامِ شرعیہ، مثلاً: زکوٰۃ، حج اور جہاد سے سبکدوش ہوچکا ہے، اور اس کے مُرید عنقریب دیگر اَحکام سے بھی بے باق ہوجائیں گے، اور صرف الفاظ کی گردان کافی ہوگی، اور ذخیرۂ آخرت اور ہدیۂ بارگاہِ اِلٰہی کے لیے لے دے کر چند تاویلیں رہ جائیں گی اور بس! کیونکہ ہم نے دیکھا ہے کہ وہ افعال میں بھی اِستعارہ مانتا ہے۔ چنانچہ ''کشتی نوح'' (ص:۴۰) میں لکھتا ہے:

> ''مریم کی طرح عیسیٰ کی رُوح مجھ میں نفخ کی گئی، اور اِستعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینے کے بعد، جو ۱۰ مہینے سے زیادہ نہیں، بذریعہ اس اِلہام کے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔''

اس فعلی اِستعارہ کو سُن رکھو! جو اس کے خاص علوم میں سے ہے، اور جس کے ذریعے وہ خارج میں حاملہ بھی ہوسکا (پس اس ''اِستعاراتی حمل'' کے ذریعے جب وہ

عیسیٰ کو جنم دے کر خود عیسیٰ بن سکتا ہے، تو دیگر افعال کے بارے میں یہ کیوں نہیں کہا جاسکتا کہ مثلاً: ہم نے اِستعارہ کے طور پر زکوٰۃ دے دی، اِستعارہ کے طور پر حج کرلیا، اِستعارہ کے طور پر نماز پڑھ لی، اور اِستعارہ کے طور پر روضۂ اطہر میں دفن ہوگئے۔ وغیرہ وغیرہ)۔

(۲۲۵) مرزا نے دُنیا کا کوڑا کرکٹ جمع کرنے میں کوئی حیلہ اور کسر باقی نہیں چھوڑی، مثلاً: اپنی تصویر فروخت کرنا، زکوٰۃ کا مال سمیٹ کر اسے اپنی خواہشات میں صرف کرنا، اور اس کے مصارفِ شرعیہ کو ساقط کردینا، مُریدوں پر انواع واقسام کے چندے لازم کرنا، اور جو بروقت چندہ نہ بھیجے اسے بیعت سے خارج کردینا۔ اور مخالفوں کی تذلیل کے لیے ان کی موت کے وقت کی تصویریں شائع کرکے مرزا نے اپنے ضمیر اور خمیرِ باطن کی خبر دِی ہے کہ اس کا سینہ ظالم کی قبر سے زیادہ تنگ وتاریک ہے۔ اور مخاطبوں پر اثر ڈالنے کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام اور کُتبِ سماویہ کی تعبیر وخطاب کی نقّالی کرتا ہے۔ مثلاً: کثرت سے قسمیں کھانا، بنی نوعِ انسان سے ہمدردی کا اظہار کرنا۔ اور مخالفین کی تردید میں ان کی دعوت کے پہلو پر زور دینا، ان سے خیرخواہی ''دلسوزی کی نمائش'' مخالفوں کی جانب سے اپنی مظلومی کی فریاد۔ اور ان اُمور کے اِصرار وتکرار کو بھی ساتھ رکھتا ہے، اور جو چیزیں اس کے مخالف تھیں، انہیں بد سے بدتَر تشبیہات اور بھونڈی مثالیں دے دے کر مسخ کیا، اور ہر ممکن طریقے سے ان کی قباحت کا اظہار کرکے احمقوں کو اُلّو بنایا، وہ علم ودلیل کے دائرے میں محدود نہیں رہتا، چنانچہ اَحادیثِ طیبہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق قتلِ خنزیر وغیرہ کی جو علامات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں، مرزا نے ان کا ایسا مذاق اور تمسخر اُڑایا جس کی توقع کسی سنجیدہ اور بااخلاق آدمی سے نہیں کی جاسکتی۔ گھٹیا ذہنیت کے کمینہ طبع لوگ جن کا مطمحِ نظر محض اپنی مطلب براری ہوا کرتا ہے،

یہ ان کا وطیرہ ہے کہ وہ اخلاقِ فاضلہ کی حدود کے پابند نہیں ہوتے۔ مرزا کے جتنے مُرید ہم نے دیکھے ہیں، ان سب کو دِیانت و امانت اور حیا و اِخلاص سے تہی دامن پایا ہے۔ اور خود مرزا نے گزشتہ جھوٹے مدعیانِ نبوّت کا مطالعہ کیا، اور اس بات کو پیشِ نظر رکھا کہ کن کن طریقوں سے ان کی دعوت کو فروغ ہوا؟ (اور کن کن وجوہ سے ان کی تحریکیں ناکام ہوئیں؟) وہ تعبیرات میں ہر ممکن طریقے سے اثر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے یعنی کُتبِ سماویہ کی نقّالی، انبیائے کرام علیہم السلام سے تشبہ اور مدّعیانِ نبوّت کی خوشہ چینی۔ لیکن یہ سب کچھ تعبیرات کی نقّالی اور چرب زبانی تک محدود ہے، اس ظاہری صورت کے باطن میں صحیح دلیل اور حقّانیت کا ذرا بھی مادّہ نہیں، بلکہ اس کی کُل کائنات شبہات اُٹھانا، مخاطب کو تدریجاً پھسلانا، اور آہستہ آہستہ حق سے برگشتہ کرنا ہے، جیسا کہ ''تحفۂ اثناعشریہ'' میں دعوتِ باطنیہ کے مراتب ذِکر کیے ہیں۔ اور گمان غالب یہ ہے کہ اس نے ''باب'' اور ''بہا'' کی کتابوں کے علاوہ شیعہ متصوّفین، جنھوں نے فلسفے کو تصوّف بنا ڈالا تھا، ان کی کتابوں کا مطالعہ کرکے ان سے بھی سرقہ کیا ہے کہ یہ کتابیں خاصی مقدار میں ہیں اور بہت سی فارسی زبان میں ہیں۔ یہ اس لیے کہ میں نے فتوحات کے علوم تک اس کی رسائی نہیں پائی، اور اس نے حضراتِ صوفیہ کے حقائق و معارف میں سے کسی ایک بات کو بھی ٹھیک نہیں سمجھا، وہ اِلٰہیات میں ایسی سُوقیانہ تشبیہات دیتا اور تعبیر کرتا ہے کہ سُن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اور وہ اپنی طرف سے حقائقِ باطلہ کی اِختراع کرلیتا ہے۔ مثلاً: حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی دوبارہ بعثت کا عقیدہ (گھڑکر خود کو محمد رسول اللہ ﷺ کی حیثیت دینا) اور پھر ان مَن گھڑت نظریات کے موافق نصوصِ دِین میں نت نئی تحریفیں کرتا ہے، یہ ہے وہ چیز جس پر اس کے چیلے ایمان فروخت کرتے ہیں اور ان ''زٹلیات'' کو ''علوم و معارف'' سمجھتے ہیں!

(۲۲۶) اور وہ جب کسی شخص سے مایوس ہوجاتا ہے کہ وہ اس کے جال کا شکار نہیں ہوگا، تو ہر قسم کی فحش کلامی اور مغلظات سے اس کی تواضع کرتا ہے، اور ذلیل و رُسوا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا، اور جو کام بھی کرتا ہے بس اسی کی چکّی پیستا رہتا ہے۔

(۲۲۷) ایک طرف تو ''ضرورۃ الامام''، ''حقیقۃ الوحی'' اور ''اِزالہ اوہام'' وغیرہ میں وہ اپنے ''اِلہامات'' میں نصرت وشوکت کا دعوے دار ہے، اور یہ کہ اسے یقین کی لذّت محسوس ہوتی ہے، جس سے اس کا قلب پُر ہوجاتا ہے، اور اسے اپنے ''اِلہامات'' پر شرحِ صدر کے ساتھ اسی طرح قطعی ایمان ہے، جس طرح کہ قرآنِ کریم پر۔ لیکن اس شوری شوری کے بعد موتِ مسیح اور اپنی نبوّت سے متعلقہ ''اِلہامات'' میں اس نے جس بے نمکینی کا مظاہرہ کیا ہے، اسے ''حمامۃ البشریٰ'' صفحہ:۴۰، میں دیکھئے بحوالہ ''عشرۂ کاملہ۔'' اور سُنا گیا ہے کہ مرزا کہا کرتا تھا کہ اگرچہ میں نے ''براہین احمدیہ'' میں حیاتِ عیسیٰ کا عقیدہ لکھ دیا تھا۔ اور لکھا بھی تھا (قرآنِ کریم اور خود اپنے) ''اِلہامات'' کے حوالے سے (دیکھئے: ''براہین'' ص:۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۵) مگر حیاتِ عیسیٰ کا میں شروع ہی سے قائل نہ تھا، اور میں نے اپنے اصل عقیدے کو مسلمانوں کے خوف سے چُھپائے رکھا، اس سلسلے کی تھوڑی سی بحث ''عشرۂ کاملہ'' صفحہ:۳۵، میں بحوالہ ''حمامۃ البشریٰ'' صفحہ:۷۶، دیکھ لی جائے۔

(۲۲۸) وہ ایک طرف تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سُوقیانہ اِستبعادات پیش کرتا ہے، لیکن دوسری طرف خود اپنے بارے میں ان سے کہیں بڑھ کر مستبعد اور خلافِ عقل باتوں کا دعویٰ کرتا ہے۔ مثلاً: حق تعالیٰ کا اس کے سامنے اپنے چہرے سے پردہ اُٹھادینا اور اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا، دیکھئے: ''ضرورۃ الامام''۔ اور کبھی ایسے (اِلہامات) کا دعویٰ کرتا ہے جو حیا اور اِنسانیت کے دائرے سے خارج ہیں۔ مثلاً: مرزا

کا عورت بن جانا اور اللہ تعالیٰ کا اس پر ''رُجولیت کی طاقت'' کا اظہار کرنا، (دیکھئے: ''عشرۂ کاملہ''، صفحہ: ۳۴)۔[۱]

(۲۲۹) اس کا وطیرہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی پیش گوئیوں پر خاک ڈالتا ہے، ان کے بعض اجزاء پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرکے یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ اپنے تمام اجزاء کے ساتھ پوری نہیں ہوئی، وہمی اُمور اور شبہات کے ذریعے قطعیات کو منہدم کرکے انہیں مٹّی میں ملانا چاہتا ہے اور ان کے اندر طرح طرح کے شبہات اُٹھاتا ہے، تاکہ جب اس کی نام نہاد پیش گوئیاں غلط نکلیں تو جواب کا سامان پہلے سے موجود ہو۔ پس جب تک انبیائے کرام علیہم السلام سے برابری مطلوب ہو تب تک تو انہیں اعتراضات میں شریک غالب بتاتا ہے، یعنی اس کی بہ نسبت انبیائے کرام علیہم السلام پر زیادہ اِعتراض ہیں، اور جب اس کے اپنے اختصاص کی نوبت آتی ہے تو اپنے اَضغاثِ اَحلام کو ''غیب مصفّٰی'' کا نام دیتا ہے، (گویا انبیائے کرام علیہم السلام کی پیش گوئیاں تو غلط اور لائقِ اعتراض ہیں، اور ''غیب مصفّٰی'' تک رسائی مرزا کی خصوصیت ہے۔ نعوذ باللہ!)۔

(۲۳۰) وہ معجزات کی شان گھٹاتا اور بڑے بڑے معجزات کا، مختلف تاویلوں سے انکار کرتا ہے، مثلاً معجزۂ شق القمر کو چاند گہن بتانا، معراجِ نبوی کو کشف ٹھہرانا، اور مُردوں کے زندہ کرنے کو مسمریزم قرار دینا اور اس کے اعجاز کا انکار کرنا۔ چھوٹے چھوٹے معجزوں کو برقرار رکھتا ہے تاکہ اپنے حقیر اور پیش پا اُفتادہ اُمور کو معجزات کے دائرے میں لاسکے۔ مثلاً چندہ ملنا، اور لوگوں کا اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا کہ ہر چندے کو اور ہر بیعت کنندہ کی بیعت کو ایک مستقل ''معجزہ'' شمار کرکے اس نے اپنے معجزات

---

(۱) مرزا کے ایک خاص مُرید قاضی یار محمد صاحب بی، او، ایل پلیڈر ٹریکٹ نمبر ۳۴ موسوم بہ اسلامی قربانی، مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر میں لکھتے ہیں: ''حضرت مسیح موعود نے ایک موقع پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی کہ کشف کی حالت آپ پر اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ ''عورت'' ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ''رُجولیت کی طاقت'' کا اظہار فرمایا سمجھنے والے کے واسطے اشارہ کافی ہے۔'' استغفر اللہ! مترجم۔

کی تعداد کم اَز کم دس لاکھ لکھی ہے، اور حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے معجزات کی تعداد تین ہزار بتائی ہے۔

حق تعالیٰ اُمّتِ مرحومہ پر رحم فرمائے اور اس لعین کے اِلحاد وارتداد سے نجات دِلائے۔

وصلي الله تعالي علي خير خلقه محمد وآله واصحابه واتباعه الي يوم الدين۔

محمد یوسف لدھیانوی عفا اللہ عنہ
عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت، ملتان پاکستان
۸ر شوال المکرّم ۱۳۹۵ھ

خاتم النبیین

تالیف: امام العصر حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱ —— حمد و شکرِ نامحدود مر ربِّ معبود را کہ خالقِ کون و مکان و زمین و زمان است، و صلوٰۃ و سلامِ نامعدود بر سرورِ کائنات و ہر موجود کہ رسول اللہ و خاتم النبیین و غایتِ کُن فکان است، و بر آل و اصحابِ وے، و کافۂ امتِ مرحومہ و انجابِ وے۔

۲- خدائے کہ داورِ روزِ جزا است ❊ بخود آئی خویش، نامش خدا است
بدستِ وے این ہست بالا و پست ❊ بوے ہست شد ہرچہ موجود ہست
و گر نیک بینی ہموں ذاتِ او است ❊ دگر جملہ این دفتر، آیاتِ او است
باین بارگہ این کہ بانگِ درا است ❊ بس از نوبت خواجۂ دوسرا است
محمد کہ بُد فتح و ختمِ پیام ❊ علیہ الصلوٰۃ و علیہ السلام
وجودش کہ خود آیت و رایت است ❊ ہمہ بود تمہید و اُو غایت است

۳ —— سپس بندۂ ہیچ میرز محمد انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ بعالی خدمتِ کافۂ اہلِ اسلام از خواص و عوام عرض می دہد، کہ این مقالہ ایست در ختمِ نبوت و تفسیر کریمۂ خاتم النبیین، کہ در ردِّ الحاد و زندقہ و کفر و ارتدادِ کادیانی۔ علیہ ماعلیہ۔ صورتِ تحریر بست۔ و اگرچہ این شخص بہرۂ از علم و عمل نداشت، و از فرق تا قدم از فضائلِ علم و فہم و تقویٰ و طہارت محض فارغ و عاری بود، و ہیچ حقیقتے را از حقائقِ عرفا صحیح نہ فہمیدہ، ترکیبِ وے از خبط و غلط و جہلِ مرکب و ذلّ

وخواری بوده، لیکن دعوائے نبوّت ومسیحیّت کرده تهلکهٔ در اُمّتِ مرحومه گذاشت۔

۴ـــــــ ما نا کسانیکه در نظمِ قرآنِ حکیم و حوارِ لغتِ عَرَبِ عَرباء ذوقے دارند ازیں مقاله محظوظ و مرزوق توانند شد۔ وہرکه اعجازِ نظمِ تنزیل در مفردات وترکیب وتقدیم وتاخیر وتعریف وتنکیر وحذف وذکر واظہار واضمار وفصل ووصل وایجاز واطناب دیده وفهمیده باشد ہر آئینه دراضابتِ حقّ وادراکِ مرادش کوخ نخورد۔ وباین وآں ہرچه است دریدِ قدرت است۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فلا هَادِيَ لَهٗ۔ حق تعالیٰ حق واہلِ حق را نصرت ومعونت دہاد ؎

دردِ سرِ ما ہمیں سرِ ما است ۔۔۔ بارے که به دوشِ ما است دوش است

۵ـــــــ (۱۳۵۱ هجری)

حضرتِ حق! دینِ حق استاده دار ۔۔۔ تا زسرِ کفر بر آرد دمار
نجم پئے رجمِ شیاطین فرست ۔۔۔ زیرِ زمین ہمچو خراطین فرست
ہست چه در دستِ منِ مستہام ۔۔۔ ہم تو کنی ہرچه کنی بے کلام
من نه پئے خویش در آویختم ۔۔۔ بہر رضاءِ تو سر انگیختم
ناله که در سینهٔ نگنجد دروں ۔۔۔ از پئے تنفیس برآمد بروں
اے مَلِک مالک و اے بے نیاز! ۔۔۔ کارِ تو از تست نه از خانه باز
خود تو پئے دینِ خود امداد کُن ۔۔۔ بیخ و بُن ردّت والحاد کَن

۶ـــــــ باید دانست که در اجرائے سلسلهٔ ابوت و نبوّت بلا فصل تلازم عقلی ویا شرعی نیست، لیکن مشیئتِ ازلیّه نبوّت اولاً در ذریّتِ نوح علیه السّلام نهاد، سپس در ذُرّیّتِ ابراہیمؑ، وایشاں دعاء ہم کرده اندکه

وَابْعَثْ فِیْہِمْ رَسُوْلًا مِّنْہُمْ[1] وابوت چوں بسوئے معانی مضاف باشد متضمنِ اجزاءِ آں سلسلہ بود، چنانکہ در "فتوحات" از بابِ ثالث عشرو ثلثمائۃ آوردہ کہ "نبی کریم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ابِ روحانیِ ما ہستند، و آدم علیہ السلام ابِ جسمانی، و نوحؑ کہ آدمِ ثانی اند اول آباء در رسالت اند، و ابراہیمؑ اول آباء در اسلام"— پس این کلمہ ناظر بسوئے این مرام ہم است — و برین تقدیر خیال رفتے کہ شاید این سلسلۂ من بعد در ذرّیتِ محمّد صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نہند، لاجرم گفتہ شد کہ سلسلۂ ابوت نیست، و لیکن سلسلۂ نبوّت دائم بلا فصل است، و تجدیدِ وے نخواہد شد، و ابوت کہ متضمنِ اجزاءِ کدام سلسلہ می باشد، و دریں جا اگر بودے مناسبِ اجراءِ سلسلۂ نبوت بودے، موجود نیست، بلکہ بجائے آں ختم نبوّت است۔ پس این است وجہِ اتساقِ کلام کہ در "لکن" شرط نہادہ اند، و بسیارے را ازاں ذہول و غفلت واقع شدہ، و نہ دانستہ کہ ابوت مناسبِ اجراء است' واَب بمعنے اصل از ہمیں متفرع۔

۷ــــــ واکنوں حاصلِ آیۃ آنست کہ آں حضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم برائے نبوت نیستند، بلکہ برائے ختم آں۔ و اجراء بالاستفادہ را بالاولیٰ نافی است' کہ ابوت دراں صورت اَوضح است، برخلاف استقلال — فافہم۔

۸ــــــ واگرچہ در زمانِ سابق بآمدنِ نبیِّ لاحق نبوّتِ نبیِّ متقدّم بحال ماند، تاہم صادق بود کہ نبیِّ دیگر رسید، و این عہدہ تازہ شد، برخلافِ عہد خاتم الانبیاء

[1] البقرہ: ۱۲۹

فہرست

کہ من بعد کسے نیاید۔ و لہذا فرمودند و خاتم النّبیین۔ یعنی خاتمِ اشخاص ۔ و ازاں لازم آید کہ خاتمِ نُبوّت ہم شوند، وچوں تجدید نکردہ شود دائم بلا فصل ماند۔

۹ــــــ و ایں ہم احتمال نماند کہ خاتمِ نُبوّتِ مستقلّہ باشند، ولیکن باتّباعِ ایشاں جاری ماند، بلکہ خاتمِ اشخاص ہستند، و اوشاں باہم باعتبارِ شخصیّت تغایر دارند، یعنی نُبوّتِ اوشاں اصالۃً باشد و یا باتّباع، در ہر حال من حیث الشّخصیّت اشخاصِ متغائرہ ہستند، و وجوہِ متمایزہ ۔ نہ اینکہ در صورتِ اتّباع تغایرِ شخصی از نظر مطروح شد۔ بلکہ در تعداد ہمچناں ہستند کہ بودند، ونصِّ قرآن بنظرِ ختمِ ہمیں عدد و اختتامِ ہمیں سلسلہ آمدہ، و بسوئے تقسیمِ نُبوّت و ابداءِ اقسام اصالۃً واتباعاً تعرّض نفرمودہ[1]، پس اہدارِ منطوقِ قرآن واعتبارِ آنچہ در نظرِ وے مطروح است اخلاءِ قرآن از محطّ و مقصودِ وے است، کہ اکبر الحاد است۔

۱۰ــــــ سپس تقسیمِ نبوت بسوئے اقسام، کہ نبوتِ انبیاءِ بنی اسرائیل کہ بر شریعت موسوی بودند، ثمرۂ اتّباع نبود[2] بخلافِ سلسلۂ محمّدیہ کہ ثمرۂ

---

[1] علماء رح گفتہ اند کہ قولِ وے تعالیٰ "خاتم النبیین" از جانبِ حضرتِ حق وصیت است، وایقاظ و تنبیہِ عالمین را کہ ایں پیغمبر آخرین پیغمبر است، و آخرین حجت کہ تمام کردہ شد و دینِ وے آخرین دین و آخرین پیغامِ خدا۔ نشود کہ از وے محروم مانید۔ ہمچو قولِ محتضرِ قوم کہ ایں کلامِ من با شما آخرین کلام و آخرین عہد و وصیت است، مبادا کہ ضائع کنید، و وقت فوت سازید۔ و معلوم است کہ رسول برائے امّتِ خود ہستند و خاتم باعتبارِ سابقین۔ و ایں نکتہ کہ علماء رح ارشاد کردند بغایت لطیف است، و اتساقِ نظم ازاں واضح می شود کہ من بعد منتظرِ کسے نمانید۔ منہ۔ (حاشیہ[2] اگلے صفحہ پر)

اتباعِ آن حضرت است، کلامے بے معنٰی و تسویلے از جانبِ خود است۔ خصائصِ فاضلہ در ہر جا موجود باشند، پس آن خصائص و مزایا بمنزلۂ شرطِ بے تاثیر و موقوف علیہ محض ہستند و یا بمنزلۂ سبب و علّتِ مؤثرہ؟ این ہمہ امورِ غیبیہ است۔ ودینِ سماوی آن کہ این منصب از مواہب است نہ از مکاسب۔ پس حالِ نبوّت، اگر من بعد ہم جاری بودے، یکسان بودے، چنانکہ در چشمۂ مسیحی ص ۴۲ خود ہم من حیث لا یدری التزام کردہ۔

۱۱ ـــــ واعجب ازاں اینکہ خود را اسرائیلی ہم می گوید[1] پس فرقِ مسیحِ اسرائیلی و مسیحِ محمّدی، چنانکہ می سراید، از میاں برخاست۔

۱۲ ـــــ وچوں انبیاء بنی اسرائیل کہ بر شریعتِ توراۃ بودند شریعتِ جدیدہ نداشتند پس نبوّتِ ایشاں بغیر تشریع بود، وہمچنیں ایں ملحد بعد خاتم الانبیاء جاری دارد، فرقے در منصب سپرد کردہ بایشاں ہیچگونہ نماند، وبا اُمّت علاقۂ مساوی در خارج و عیانِ حسّ افتاد۔ اعتبارِ ذہنی را کہ او ایجاد کردہ باُمّت چہ کار و چہ اعتبار؟ کہ امرِ ذہنی درونِ اذہانِ معتبرین است لا غیر، اندرِ خانۂ خود ہر چہ تراشند تراشیدہ باشند، کہ بمحاورۂ ہندی 'من مانی' است، یعنی سخنے کہ فقط دل فرض کردہ، و حدیثِ نفس راندہ باشد، و تمنّا داشتہ

(حاشیہ[2] صفحہ گذشتہ) و تناقض کادیانی دریں مضمون از رسالۂ 'مراق مرزا' ص ۱۱ (یہ اعتقاد رکھنا پڑھتا ہے کہ ایک بندہ خدا کا عیسٰی نام جس کو عبرانی میں یسوع کہتے ہیں "تیس"[3] برس تک موسٰی رسول اللہ کی شریعت کی پیروی کر کے خدا کا مقرب بنا)۔ منہ

[1] (خدا نے مجھے یہ شرف بخشا ہے کہ میں اسرائیلی بھی ہوں) ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۵۔ منہ

و بس، و خواہشے خواستہ و گرہیچ۔

۱۳ــــــــ و حدیثِ مشہور کہ نبوّت را بعمارتِ حسّی تشبیہ دادہ ہمہ ایں اعتبارات واختراعاتِ ذہنی را استیصال کردہ، و از ذہن بر حسّ رسانیدہ، کہ حاملِ حیثیّات و اعتبارات نیست۔

۱۴ــــــــ چوں مالکِ عمارت عمارت را باتمام رسانیدہ ختم کند، مزدوراں را نمی رسد کہ مناقشہ کنند کہ ختمِ عمارت نقیصہ است۔

۱۵ــــــــ البتہ بقاءِ شریعتِ سابقہ و یا تجدیدِ امرے معلوم الحال و مفہوم است، و ہمچنیں بآمدنِ نبیِّ لاحق در بنی اسرائیل بسا اینکہ اُمّتِ نو نشمردند، و گاہے ایں علاقہ ہم تبدیل می تواں شد، زیراکہ بقاء و تبدیل ہر دو را محتمل است۔ پس علاقۂ بقاءِ شریعت و تجدیدِ آں، و ہمچنیں علاقۂ اُمّتِ کسے بودن، تبدیل تواں شد۔ و ایں فروق معقول المعنی ہستند و اثرے دارند۔ بخلافِ فرقِ ایجاد کردۂ ایں ملحد، کہ ہیچ اثرے و آثارۂ در دینِ سماوی ندارد۔ محض اختراع واتّباعِ ہوا است، و کسے را حق نیست کہ باتّباعِ ہوائے نفسِ خود رجم بالغیب کند، و حاکم آں شود، کہ سواءِ دلیلِ قاطع مسموع نیست۔

۱۶ــــــــ در سابق ہم تواں گفت کہ نتیجۂ اتّباع بود، و در لاحق ہم تواں گفت، و در خارج و شاہد درمیانِ ہر دو فرقے نیست۔ صرف اعتبارے ذہنی است کہ بایجادِ کسے در دین داخل نتواں شد، و نہ تفریع برآں درست۔

۱۷ــــــــ اہلِ حق، ہم کمالات و فیوضِ نبوّت را جاری گفتہ اند، و بابِ نبوّت را حسبِ نصِّ قرآن و تواترِ احادیث کہ غیر محصور بدوں کدام تقیید و

اشتراط آمده اند، مسدود۔ پس چنانکہ ایں ملحد محملِ نصّ از خود تراشیدہ بود منتقدہ را او ہم بحسبِ زعمِ خود اتباعاً للنّص ممنوع می دارد، و تقییداز جانب خود برائے نفسِ خود پیدا کند، آیا اہلِ حق را حق نیست کہ بتواتر احادیث علی رؤس الاشہاد و علیٰ اعین الناس بدوں ذکر کدام حرفِ تقیید، و اجماعِ بلافصل از صدرِ اول، تحریفِ وے را مانند کالائے بد بر ریش وے می زنند؟

۱۸ـــــــــ و معلوم باد کہ درمیانِ رسول و نبی تبایُن نیست، لقولہٖ تعالٰی وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا[۱] و نہ نسبتِ مساوات، لقولہ تعٰ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ[۲] پس چوں ایں دو نسبت نیست لابد دگر نسبتے است، و آں از ہمیں کریمہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ[۳] مستفاد است، کہ عموم نبی و خصوص رسول است۔ رسول نزد جمہورِ علماء آں کہ کتاب و یا شریعتِ جدیدہ دارد، و یا بشریعتِ قدیمہ بسوئے قومے جدید فرستادہ شود، چنانکہ اسمٰعیل[۴] بسوئے جرہم*و نبی کہ صاحبِ وحی باشد عام ازیں قیود۔ وجہ ایں استفادہ آں کہ اگر مساوات بودے پس مقام مقامِ ارجاعِ ضمیر بود، نہ مقامِ اظہار۔ و در خاتم النّبیّین کہ اسم ظاہر آوردند برائے ہمیں نکتہ آوردند کہ مُحَطِّ فائدہ بکلمہ عموم عمومِ اختتام باشد، و من بعد انقطاعِ کُلّی منطوق شود۔ پس ایں صیغ

---

* حضرت شاہ عبد القادر در موضح القرآن از سورۂ مریم فرمودہ کہ رسول آنست کہ کتاب دارد، و یا امت۔ و ایں مختصر است۔ منہ۔

[۱] سورۂ مریم: ۵۱ [۲] الحج: ۵۲ [۳] الاحزاب: ۴۰۔

فہرست

برعمومِ نبی و خصوصِ رسول دلالت کرد۔ و معلوم است کہ مادۂ افتراقِ این عموم از خصوص صورتِ وحی بدون شریعت وکتاب است ، و بسببِ ہمیں مادۂ افتراق تبدیلِ عنوان از اِضمار بسوئے اِظہار شدہ۔ پس بعد فہمِ این نکتہ جزیلہ آیت نصّ بر انقطاعِ نُبوّتِ غیر تشریعیّہ است اَزْیَدْ از انقطاعِ نُبوّتِ تشریعیّہ ــ زیراکہ اظہار بجائے اضمار برائے افادۂ ہماں اوّل واقع شدہ ، کہ این ملحد بسببِ قلّتِ علم وکثرتِ جہل بسوئے آں ہدایت نیافتہ والحمدللہ الذی عافانا مما ابتلاہ بہ

۱۹ ــــــ وخاتم الانبیاءؑ باعتبار عَدَدِ انبیاء کہ مبنی بر تغایرِ اشخاص است ، نہ بلحاظ دگر ، خاتم ہستند۔ وچنانکہ ابوتِ ایشاں بحقِ رجالِ بالغین بہر قسم منقطع است ، و تَبنّی ہم البطال شد ، نُبوّت ہم در آنہا بہیچ قسم نماند ، و مقدّر نہ شد۔ وتوارُث و استفادہ آں نماند۔

البتہ نُبوّتِ شخصیِ ایشاں در بدل دائم و قائم است کہ مُورِث خود موجود است چنانکہ اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ یُصَلُّوْنَ آمدہ [1] ولہذا در ہمیں سورہ فرمود وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ [2] پس دگر علائق را باقی داشت ، نہ این سلسلہ را۔

۲۰ ــــــ وحاصلِ آیت مع لحاظِ قصّہ تَبنّی آں کہ شما کہ سلسلۂ ابوت را جاری می فہمید ، کہ مناسبِ اجراء نُبوّت است ، در تقدیرِ ما ختمِ نُبوّت ، نہ اجراء بر وے است۔ و بہمیں وجہ لفظِ ابوت را گرفتہ ، نہ لفظ تبنّی را۔ وکدام فرزند

---

[1] رواہ البیہقی وابویعلیٰ والبزّار من حدیث انسؓ وصحہ البیہقی (فتح الباری ص ۳۵۲ ج ۶) وقال الہیثمی رجال ابی یعلیٰ ثقات (مجمع الزوائد ص ۲۱۱ ج ۸) [2] الاحزاب : ۶

بروقتِ نزول موجود ہم نبوده ـــــ پس ترکِ لفظِ تبنّی برائے ہمیں نکتہ است لاغیر، ور نہ حقِ مقامِ ابطالِ تبنّی بود۔

۲۱ ـــــ وشاید لَا نُوْرِثُ مَا تَرَکْنَاهُ صَدَقَةٌ [1] ازہمیں کریمہ ماخوذ است، یعنی نہ توریثِ مال خواہد بود، و نہ توریثِ نبوّت، کہ از اَب میسر شود۔ چناں کہ در یَرِثُنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ [2] وَ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ [3] ہردو احتمال نوشتہ اند، ایں جا ہردو نیستند، البتّہ یک رسالت و ختمِ نبوّت است کہ تا آخر یکے ماند، در سایۂ عاطفتِ وے ہمیشہ برخورید، و منتظرِ توریث نمانید۔

۲۲ ـــــ وشاید از ہمیں تناسب بحقِ حضرت علیؓ حدیث اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ [4] ـــــ آمده، کہ مشارِ استثناء تشبیہ ذاتِ علیؓ با ذاتِ ہارونؑ نیست، زیرا کہ لفظِ حدیث ایں نیست کہ اَنْتَ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ بل اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی کہ تشبیہ علاقہ با علاقہ است، یعنی چنانکہ موسیٰ علیہ السّلام ہارون علیہ السّلام را اخواست. من ترا خواستہ ام، و لیکن ازیں اخوت، نبوّت موروث نیست، و در خصائص ص ۲۴۹/۲ از طبرانی آورده اِلَّا اَنَّهٗ لَا نُبُوَّةَ وَلَا وِرَاثَةَ۔

۲۳ ـــــ از اثباتِ ابوت توہم توریثِ نبوّت بود، و چوں نفی آں کردند

---

[1] اخرجہ الشیخان من حدیث ابی بکرؓ مشکوٰۃ ص ۵۵۰ [2] مریم: ۶ [3] النمل: ۱۶

[4] اخرجہ الشیخان عن سعد بن ابی وقاصؓ۔ مشکوٰۃ ص ۵۶۳۔

استدراک بختم آں مناسب افتاد۔ وظاہر است کہ اگر نبوتِ حضرتِ علیؓ مقدّر بودے ہر آئینہ باتّباعِ آنحضرتؐ بودے، ولیکن آں ہم مقدّر نیست، پس ابداءِ ایں قسم ہم محض الحاد است، وبرائے تمشیتہ ہوائے خود۔

۲۴ــــــــ وچوں صاحبِ اختیار و مالکِ زمامِ امر حکم کند کہ فلاں سلسلۂ ممتدّہ را بر فلاں حد ختم خواہد کرد کسے اگر اجراءِ آں بتاویل، کہ مساوی تحریف بود، تجویز کرد، با صاحبِ اختیار و مالکِ امر معارضہ می کند و تمسخر با کلامِ وے زیرا کہ وے خود امتداد بیان کردہ حدمی نہد، و ایں متمرّد در مواجہۂ وے کلامِ وے را برخلافِ مرامِ وے فرد می آرد۔

۲۵ــــــــ پس دودِ نبوّت درسابق باقی بود، و بر خاتم الانبیاءؐ ختم شد، و زمانہ تا آخر مشمول بہ نبوّتِ اوشاں گردید۔ در ختم کردن کدام کار با صاحبِ اختیار چہ مناقشہ است؟ آخر بہ کدام وقتِ ختم کردے؟ و من بعد سوال ہمچناں است کہ در حدیث آمدہ خلق اللّٰہ کل شیٔ فمن خلق اللّٰہ[1] لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ۔

۲۶ــــــــ و انتہاءِ امر گاہے بسببِ فقدانِ قابل باشد کہ نقص است، وگاہے بسببِ ارادۂ فاعل کہ برکمال رسانیدہ ختم کند، و ایں کمال است۔

۲۷ــــــــ ویحتمل کہ مرادِ صدّیقہ قُوْلُوْا خَاتَمَ الْاَنْبِیَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا

---

[1] متفق علیہ من حدیث ابی ہریرہؓ۔ مشکوٰۃ ص۱۸۔

لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ[1] بلحاظِ ایں امر باشد کہ معاذ اللہ نبوّتِ آنحضرتؐ ہم تمام شد، و حکم وے باقی نماند، و یا مانند زمانۂ فترت گردید۔ چنانکہ محتمل است کہ بلحاظِ آمدنِ حضرتِ عیسیٰ علیہ السّلام فرمودہ باشد۔

۲۸ ـــــ تعلّمِ تلمیذ علم استاذ را و استفادۂ کمالات حسبِ فطرتِ خود، عادتِ عالم است، و ہمچنیں استفادۂ مُرید از مُرشد موجود و معہود۔ و انعکاسِ نُبوّت و استفادۂ آں بصحبت و ریاضت و اتّباع در تاریخ دینِ سماوی حقیقتے ندارد، و عنوانے است کہ تحت آں معنونے نیست، و نہ کدام حکم مرتب ـــــ مانندِ آنکہ بدعوائے اتحاد با بادشاہ ادعائے لقب وے کند و سزائے بغی را سزد و رسد۔

۲۹ ـــــ و معلوم باد کہ اجراءِ نُبوّت باستفادہ از حضرتِ خاتم الانبیاءؐ من حیث العربیّت ہم در آیۂ کریمہ باطل است، چہ کلمۂ "لٰکن" برائے قصرِ قلب است، و ما بعدِ آں در بدلِ ماقبل می باشد، و درمیانِ ہر دو تبادُل و تدافُع شرط است، تا بدل و مُبدَل منہ جمع نشوند، چنانکہ در کتبِ معانی و نحو بہ تفصیل مذکور است ـــــ و درمیانِ ابوت و ختمِ نُبوّت بلا واسطہ ہیچ تدافع نیست، کہ ثانی در بدلِ اول افتد، و شرطِ استعمالِ "لٰکن" موفّر شود، بلکہ ہر دو جمع می توانند شد۔ پس تفسیر آیت ہماں است کہ از ما گذشت کہ از ابوت اجراءِ نُبوّت متوہم بود، پس ابوت را نفی کردہ در بدلِ وے ختمِ نُبوّت نہادند، چہ در بقاءِ ابوت و ختمِ نُبوّت گونہ حسبِ سُنّتِ سابقہ تدافُع بود، فاعلمہ وافہمہ۔

---

[1] درّ منثور ص ۲۰۴ ج ۵۔

فہرست

۳۰ــــــــــ وفی الحقیقت نبوت برائے تکمیل نفسِ ذواتِ انبیاؑ نیست، کہ آں تکمیل ولایت است، کہ جزء مندرج در نبوّت است، بلکہ برائے تشریع ویا حفظ وابقاءِ آں وسیاستِ اُمت۔ و در ینجا شریعت خود کمال یافت؛ وحفظ را خود حضرتِ حق متکفّل کہ اِنّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ[1] واکنوں نہ تشریع ماند، ونہ حاجتِ حفظ۔ چناں کہ می بینی کہ در خارج محفوظ است، و جزءِ تکمیلِ نفسی ولایت است۔

۳۱ــــــــــ و شاید لفظِ ختم در عُرف لغت باشخاص اَنسَب باشد، و انقطاع بوصف رسالت و نبوّت، نہ اشخاص۔ ختم امتدادِ ماقبل رامی خواہد، وایں امر در مفہومِ انقطاع معتبر نیست، پس قرآن فرمود کہ اشخاص ختم شدند، وحدیث فرمود کہ ایں عُہدہ باقی نماند، ویا منقطع شد۔

۳۲ــــــــــ صورتِ عالم نہ از ابتداء کمال گرفتہ اند، و نہ بر تماثُلِ ادوار و اکوار، بلکہ بر طورِ تربیت از تمہید بسوئے مقصود، چنانکہ در جواہر و اَحجار و نباتات واشجار وحیوانات وانسان مشہود است۔ وچوں مخلوق را از نفسِ واحدہ آغاز کردند، سپس بر وفور و کمال رسانیدند، معلوم شد کہ ذاتِ اکملؐ را ہماں وقت خواہند آورد، نہ بر عکسِ ایں۔ وچنانکہ ابتداء بآدمِ صوری و زمانی است، نہ کدام اعتباری واضافی۔ ہمچنیں انتہا بخاتم الانبیاءؐ صوری ومعنوی ہر دوگونہ باید بود، یعنی من بعد انقطاعِ اصلِ نُبوّت وکمالِ آں ہر دو باید، نہ اضافی ویا معنوی فقط۔ وہمیں است مؤدّیٰ حدیثِ عرباضِ بن ساریہؓ عن

---

[1] الحجر: ۹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم قال اِنّی عند اللہ مکتوبٌ خاتم النّبیّین وَ اِنَّ اٰدمَ لمنجدِلٌ فی طینتہ[1] مراد آنست کہ در بدایتِ امر نہایت بر من مرعی بود، من حیث الزمان و من حیث الکمال ہر دو۔ واگر اضافی گیریم نہ حقیقی، مقابلہ باآدم علیہ السّلام فوت شود، وحدیث بے ربط می گردد۔ وایں مضمون در احادیث متکرّر است۔

۳۳ــــــ ومخفی مباد کہ آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ہمہ دائرہِ نبوّت ومقام ومسافتِ آں را از اوّل تا آخر سطے فرمودہ اند، ولہذا در اوّل وآخر ظہور یافتند، وحاوی ہمۂ ایں دورہ شدند۔ وبریں تقدیر آمدنِ کسے دگر بعدِ ایشاں، اگرچہ باستفادہ ازیشاں باشد، منقصت است کہ بذاتِ خود آں مرحلہ را سطے نفرمودہ اند۔ ایں نکتہ را خوب باید فہمید وسنجید کہ ایں غبی شقی ازاں محروم ماندہ است۔

۳۴ــــــ در فتوحات از باب ثانی وثمانون وثلثمائۃ چیزے ازچنیں خواتم وفواتح آوردہ وزیرِ سیادتِ آں خاتم سابقین را نہادہ، نہ استفادہ ازو شاں من بعد، کہ ختم علی الاطلاق صادق نماند۔

۳۵ــــــ وایں امر ہم قابلِ لحاظ است کہ منتہی کمال اگر باعتبارِ لِم مبدا است، باعتبارِ اِن مستندِ است، کہ مؤخّر باشد۔ وشاید در قوسِ نزولی وعروجی کہ مقررِ صوفیۂ کرام است۔ وشاید در یتنزل الامر بینھن[2] وبازمن اللہ ذی المعارج[3] اشارہ بسوئے آنست۔ ایں گونہ واقع شود۔ وشاید در سُنّت اللّٰہ در ہمچو خواتم صورتِ ختمِ معنوی یعنی ختمِ کمالات

---

[1] رواہ فی شرح السنۃ، ورواہ احمد عن ابی امامۃ رض۔ مشکوٰۃ ص ۵۱۳ [2] الطلاق: ۱۲ [3] المعارج: ۳

فہرست

ہمیں ختمِ زمانی آمدہ، چہ ہر معنی را صورتے است مناسبہ، و ہمچنیں مرتبہ و مکانہ را۔ وچوں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم را فاتح و خاتم گردانیدن بود ہمیں صورت بود۔ فیلسوفِ اشراق شہاب الدین مرجعِ جملہ اقسامِ تقدُّم و تأخُّرِ زمانی می نہد۔

۳۶ــــــ و ایں امر ہم باید فہمید کہ مدلولِ لفظِ ختم را تعلق بما قبل است نہ بما بعد، پس بحسبِ مدلولِ آیت تعلقے کہ آنحضرتؐ را بانبیاء است ہمگی تعلق خاتمیت است، و آں با سابقین باشد، نہ بالاحقین۔ و او شاں زیرِ سیادت مانند، کہ اتّباعِ سابق لاحق را اَوضح است در کمالِ لاحق بہ نسبت عکسِ ایں۔ و رعیّت پیشتر باشد، سلطان بعدِ شاں۔ چنانکہ انبیاءؑ لیلۃ الاسراء بعد اجتماع در بیت المقدس برائے صلوٰۃ بسوئے امام می دیدند۔ غرض اینکہ ہر چیزیکہ از مقتضیاتِ اجتماع باشد بعد وے آید، نہ قبل وے۔ چنانکہ در بابِ آدم علیہ السلام ہم سامان پیشتر آوردند و خلیفہ من بعد۔

۳۷ــــــ و اختتامِ کمال بر کسے و اتمامِ مقصد بر وے فی نفسہٖ فضلِ تامّ است، و معارضِ تمویہِ نبی ساز بودن۔ پس اگر ایں دو امر را جمع کردن است صورتِ وے ہمیں است کہ سابقین را زیرِ سیادت دہند، و ختمِ کمال کنند، چہ باوردنِ لاحقین ثابت خواہد شد کہ مقصد ہنوز تمام نشدہ، بلکہ زیرِ کار است۔

۳۸ــــــ فی الجملہ چوں در زمانِ انبیاءِ سابقین زمانہ ممتدّ بود، یکے را بعدِ دیگرے برائے تکمیلِ کار آوردند، و چوں ارادۂ انقراضِ عالم نمودند نوبت

بخاتم الانبیاءؑ رسید، و این سلسلہ را ختم فرمودند۔ و اکنوں این شبہہ کہ "نبوت نبی ساز" نماند شبہہ شیطانیہ وقیاسِ سوفیانہ و احمقانہ است، و مزاحمت است با صاحبِ امر کہ مالک الملک است۔

۳۹ــــــ و این اولاً ابلیس آغاز کردہ، کہ برائے از نابِ خود اِرث گذاشت، حق تعالےٰ فرمودہ کہ ما خاتم الانبیاءؑ را ختم نبیین گردانیدیم، این شقی می گوید کہ برائے تراشیدنِ انبیاءؑ آمدند۔ و این گو نہ صریح معارضہ و مناقضہ حضرتِ حق ابلیس کردہ کہ اِرثِ وے باین شقی رسید۔

۴۰ــــــ وقیاسِ نبوّت بر قوتِ مولِّدہ، کہ برائے ابقاءِ نوع می باشد، و در انواعِ متناسِلہ نہادہ اند، می کند۔ حق تعالےٰ اعلانِ ختم عہدۂ نبوّت می فرماید، و ہمیں نوع را ختم می کند۔ واللہ یقول الحق و ھو یھدی السبیل۔

۴۱ــــــ پس نحوے در مجموعِ شخصِ اکبر، کہ مجموعِ عالم است، نظام نہادہ اند، و کمالِ عالَم را بر سرورِ کائناتؐ ختم کردند، "اول الفکر آخر العمل"۔ احقر در نعتے گفتہ است:

اے ختمِ رُسل اُمّتِ تو خیر اُمَم بود
چوں ثمرہ کہ آید ہمہ در فصلِ اخیری

۴۲ــــــ و معلوم است کہ ہر کثرتے کہ راجع بسوئے وحدت نباشد، و در وے منسلک نگردد مانندِ شیرازۂ منتشر است کہ در صددِ تلاشی است، و در ہر چیزے کہ وحدت قوی است گرامی تر است، و صورتِ نوعیۂ وے

اشرف ۔ در روحِ انسان، سپس ہیکلِ وے، سپس دگر کائنات و موالید درجہ بدرجہ تامل باید کرد، مانندِ قماش و سامانِ متفرق نیستند، و نہ مانندِ عناصر کہ مادہ است، وازیں جا فیلسوف می گوید کہ از مادہ کثرت است و از صورت وحدت۔

۴۳ ـــــــ تمّت تمام شد، و کار بنظام شد، و بحث اندریں کہ آں دین دینِ لعنتی است کہ "نبی ساز" نباشد، امتانِ سابقہ را ہم با انبیاءِ خویش می رسید کہ وجہِ اختصاصِ شما چیست ۔ و ہمیں معارضہ ابلیس با حضرتِ حق جلّ وعلا شانہ کرد کہ چرا انتہاءِ امر بر اصطفاء و اجتباءِ حضرتِ تو باشد؟ کہ ایں بحث بطورِ ارث از ابلیس بسوئے ایں مدّعی رسیدہ۔ وحقیقۃ الامر آنکہ چنانکہ امم سابقہ در اظلال انبیاءؑ سابقین می گذارند و حسبِ مشیّتِ الٰہیّہ مراتبِ قُرب غیر از نبوّت می یافتند و با انبیاء ہر یک شخص از آں امت مبارات نکرد و نیاویخت۔ پس چنانکہ نسبتِ آں نبی دراں زماں با اُمّتِ خود، کہ مشتمل بر نبی نبود، متحقق بودے، اکنوں مشیّتِ الٰہیہ ایں است کہ ہماں نسبتِ واحدہ تا آخرِ زمان ماند وایں علاقہ با ہمہ اُمّت بلا واسطہ تا ختمِ عالم ماند۔

۴۴ ـــــــ وحدیثِ ترمذی از ہمہ غم وہم شفاءِ صدورِ مومنین کردہ إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ قَالَ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ لٰكِنَّ الْمُبَشِّرَاتِ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ فَقَالَ رُؤْيَا الْمُسْلِمِ وَهِيَ جُزْءٌ مِّنْ أَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ ۔ ہذا حدیث حسن صحیح[1] پس ایں حدیث تنفیسِ ہمیں کُرب کردہ۔ و صاحبِ فتوحات در بابِ ثالث وعشرون

---

[1] ترمذی ابواب الرؤیا ص ۶۲ ج ۲ من حدیث انس رضی اللہ عنہ

و ثلثمائۃ ہم چیزے دریں باب فرمودہ۔

۴۵ـــــ وچوں زیرِ سیادتِ آنحضرتؐ ہمہ انبیاءِ سابقینؑ ہستند، و درمحشر تحتِ لواءِ وے، و نیز نبی الانبیاء ہستند، چنانکہ علماء و عرفاء تصریح فرمودہ اند۔ پس انبیاءِ سابقین در ماتحتی آمدہ دریں باب از انبیاءِ لاحقین مستغنی کردند، و دگر حاجتے نماند، و صادق آمد کہ سب نبیے ہستند کہ ماتحت انبیاء دارند، مگر سابقین نہ بعد او شاں۔ نظامی فرماید ؎

کنت نبیا کہ علم پیش برد ختم نبوت بمحمدؐ سپرد

۴۶ـــــ وہمین است مؤدّی حدیث نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ[1] وحدیث کُنْتُ اَوَّلَ النَّبِیِّیْنَ فِی الْخَلْقِ وَاٰخِرَ ھُمْ فِی الْبَعْثِ کہ ابن ابی شیبہ وابن سعد وغیرہم روایت کردہ۔ وتفسیر وے در حدیث دگر آمدہ قال اِنِّیْ عِنْدَ اللّٰہِ مَکْتُوْبٌ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِہٖ۔ رواہ فی شرح السنۃ واحمد فی مسندہ کما فی المشکوٰۃ[2]۔ ومراد از مکتوب نہ محض مقدّر بودنِ نُبوّت است، زیراکہ درہمہ انبیاء مشترک است، بلکہ تشریف بایں خلعت و اختصاصِ الٰہی است۔ وازیں جامعلوم شُد کہ نبوت از مواہبِ ربّانیہ است، نہ از مکاسب، وہر وقت کہ از نشأت خواہند ایں تشریف ارزانی دارند، وبایں منصب استادہ فرمایند۔ واخرج مسلم من حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ قال اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ کَتَبَ مَقَادِیْرَ الْخَلْقِ قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

---

[1] اخرجہ الشیخان من حدیث ابی ہریرۃؓ۔ مشکوٰۃ ص ۱۱۹ [2] ص ۵۱۳

بِخَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۔ وَکَتَبَ فِی الذِّکْرِ اَنَّ مُحَمَّدًا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ ۔ کذا فی المواھب اللدنّیۃ و لم اجدہ تامّا کذلک فی النسخۃ الحاضرۃ من صحیح مسلم، واللہ اعلم ۔ وعن علیؓ فی شمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم "بَیْنَ کَتِفَیْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ"۔ رواہ الترمذی فی الشمائل ۔ وخاتم بمعنی ما یختم بہ الشئ اگرچہ در ابتداءِ وضع آخرین آید، ولیکن در نظرِ ثانی اول افتد، و بسوئے ایں اشارہ از حضرت عیسیٰؑ در مسند طیالسی ص ۳۵۴ آمدہ است ۔

۴۷ ـــــــــ سپس ایں شُبہہ کہ دینِ کامل آنست کہ 'نبی ساز' باشد، گفتہ آید کہ اگر کار بر علّیت بالطبع و ایجابِ ذاتی است، چنانکہ ابلیس بحث کردہ، و بطورِ ارث اولادِ وے را رسیدہ، پس آں امرے است کہ خدا آن وقت تسلیم نہ کردہ ۔ و اگر حوالہ مشیّت و ارادہ است پس آں تشریف واختصاص است کہ بر بالائے ہر کسے راست نیاید ۔ و ایں جا صورتے دگر است، کہ امرِ نبوت را بر کمال رسانیدہ اختتام کردند، و نخواستند کہ بر انحطاط ختم کنند، و ایں اختتام در اِبّان ختم عالَم است، و بر وقتِ ختم کار و ترکِ وے بعد اتمامِ مقصد ۔ و نخواستند کہ علاقہ اُمّت با حضرتِ رسالت و نُبوّت واسطہ در واسطہ باشد، بلکہ یک علاقہ فرا گیرد ۔ و نخواستند کہ کدام جزء از اجزاءِ ایمانِ اُمّت فرو گذاشت شود، کہ بانکارِ کدام دگر مدّعی کافر شوند، بلکہ تمام سلسلۂ انبیاءؑ سابق باشد کہ ایمان بر خاتم متضمّنِ ایمان بر ہمہ باشد، و کدام جزءِ ایمان

ازیں باب باقی نماند۔

۴۸ـــــ در موضع از سورۂ اعراف ذیل وَالَّذِينَ هُمْ بِاٰيَاتِنَا يُؤْمِنُوْنَ[1] اشارہ بسوئے ایں معنے رفتہ و در سورۂ حج۔ و ہمیں است مؤدّیٰ کریمہ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا[2]

(ھٰذہ اکبر نعم اللّٰہ علی ھٰذہ الامّۃ حیث اکمل تعالٰی لھم دینھم، فلا یحتاجون الی دینٍ غیرہٖ، ولا الی نبیٍّ غیر نبیّھم، صلوات اللّٰہ وسلامہٗ علیہ، ولذا جعلہ خاتم الانبیاء وبعثہ الی الانس والجنّ)

(تفسیر ابن کثیر)

پس اہلِ حق ایں اختتام را رحمت و نعمت شمردہ اند و ھو قولہ تعالٰی وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ.[3]

۴۹ـــــ و حق تعالٰی در آیاتِ کریمہ ہمہ اُمَم را یک طرف و ایں اُمّتِ مرحومہ را دیگر طرف دارد۔ و ہمہ اُمّت را تا آخر یک اُمّت اعتبار و اعتداد کند۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس[4] الخ۔ وکذلک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شھدآءَ علی الناس ویکون الرّسول علیکم شھیدا[5] فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنا بک علی ھؤلاء شھیدا[6] لیکون الرّسول شھیدا علیکم وتکونوا شُھَدَآءَ علی الناس[7] ویوم نبعث فی کل امۃ

[1] الاعراف: ۱۵۶ [2] المائدہ: ۳ [3] الانبیآء: ۱۰۷ [4] آل عمران: ۱۱۰ [5] البقرہ: ۱۴۳ [6] النسآء: ۴۱ [7] الحج: ۷۸

فہرست

شھیدا علیھم من انفسھم وجئنابك شھیداً علی ھٰؤلاء[1]
وبعثتِ خاتم الانبیاءؐ را متّصلِ قیامت نہادہ ، درمیاں امتے دگر نہند۔

۵۰ـــــ وبطور مُعارَضہ بالمثل گفتہ آید کہ آں دین دینِ رحمت نیست کہ برتمامِ وے ایمان آرد ، وبمجرد انکارِ نُبوّتِ کدام شقی کافر شود۔ ونیز سوال کردہ آید کہ در دین ہم ، ہمیں قیاس است کہ آں دین دینِ رحمت نیست کہ دین ساز نباشد و نُبوّتِ ایں شقی کہ ہنوز دگرے نتراشیدہ ، و نہ راضی است۔ براں ہم لعنت است یا چیست ؟

۵۱ـــــ واز کلامِ سابق فہمیدہ باشی کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم را مانندِ واسطۂ عِقد نیاوردند ، کہ علاقۂ اوشاں باسابقین ولاحقین متغائر افتادے ، بلکہ مانندِ صدرِ جلسہ کہ ہمہ تمہید پیشتر باشد ، سپس اختتام وبعد ختمِ مقصد جز رحیل امرے دگر نماند ، والّا مقصد تمام نشد۔

۵۲ـــــ وایں شقیِ غبی در لقلقۂ کمالؔ منقصت التزام کردہ ، در شہنشاہی وشاہانِ ماتحت وجانشینان مقصد ہنوز تمام نشدہ ، کہ سلسلہ جاری است۔ حکیم ہیچ گاہ بعد اتمامِ مقصد مزاولتِ عمل جاری ندارد۔ پس حرفِ اِتمامِ مقصد وقیاس ایں شقی را خوب باید سنجید۔

۵۳ـــــ ونیز ایں سخن کہ شاہنشاہ شاہانِ ماتحت را می آفریند ، سخنے سطحی است ، ورنہ ہماں یک سلطنتِ شخصی است کہ تحتِ آں خلیفہا در اتمام عمل گرفتہ ، وولی عہد بسببِ غیبتِ اصل است۔ وہمہ بسببِ

[1] النحل : ۸۹

فہرست

عدمِ کفایتِ وے است در اعمال ۔ و اینجا اگر تولیدِ انبیاء برائے اعمالِ نُبوّت است، ذاتِ سرورِ کائنات ﷺ کفایت فرمودہ ۔ و اگر برائے مجردِ ذواتِ اوشان است، و باُمّت و اعمالِ نُبوّت سروکار نیست، پس آں بحقیقت نبوت نیست ۔ باقی ماند سیاست! پس در حدیث، نُبوّت را ختم کردہ سیاست بر خلافت گذاشتہ اند ۔ و تربیتِ روحانی بر ولایت کہ جزء مندرجِ نُبوّت بود

۵۴ــــــــــ و اینجا بحثِ ابلیس را کہ شہرستانی در "مِلل و نِحل" تلخیص کردہ، کہ کلام در علم و قدرت نداشت بلکہ در حکمت کلام داشت، مراجعت باید کرد ۔ و نزدِ ایں ہیچمداں کلام در اصولِ عدیدہ داشت، و اصلِ اصولِ کلامِ وے در ایجاب بالذات و بالطبع و یا ارادہ و اختیار و مشیّتِ الٰہیہ است؛ کہ وے در علّتِ ہر امر درآویزد، و آدم و بنی آدم تفویضِ امر بسوئے صاحبِ امر کردہ در اطاعت و تسلیم کوشند، و عبدیّت را نگاہ دارند؛ کہ عبدہٗ و رسولہ ۔ و ابلیس در اختیارِ مالک نزاع کند، و آویزد[۵۵] و ازیں قصہ

[۵۵] و اذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ ۔ فیہ مسئلۃ النبوۃ بعد الایمان باللہ، وانہ یبعث عبدا مفترض الطاعۃ، وان اطاعۃ اللہ یعتبر باطاعۃ غیرہ بامرہ، وھی الفاصل فی حق اطاعۃ اللہ، وھو قولہ "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول"[۱] وقولہ "وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ"[۲] وحدیث قل ومن یعص اللہ ورسولہ"[۳] لاظہارھما علی حدۃ، اقتباسًا من القرآن،

[۱] النساء: ۵۹ [۲] النساء: ۶۴ [۳] اخرجہ مسلم فی الجمعۃ (ص۲۸۶ج۱) من حدیث عدیّ

فہرست

این ہم معلوم شد کہ خلل در ایمان متحمّل نیست، و تقصیر در اعمال قابلِ مغفرت است۔

۵۵ــــــ و چوں خاتم اشخاص نبیّین ہستند اتحادِ محبّانہ در اجراءِ نبوّت وابقاءِ آں نفع ندہد۔ زیرا کہ باعتبارِ شخصیّت ہمہ اشخاصِ متغائر ہستند ولابد۔ و نص بختم ہمیں عدد، کہ بر ہمیں تغائر مبنی است، وارد شدہ، نہ بر وساطت و عدم وساطت، کہ تحریفِ قرآن والغاءِ مقصودِ وے بہ تسویلِ شیطان واتّباعِ ہویٰ است۔ چہ اگر مستفاد بالغیر ہم بودے از تعدّدِ اشخاص منفکّ نبودے، و قرآن ہمیں قصہ را ختم کردہ است، و نبیّین را باعتبارِ عددِ اشخاص فراگرفتہ، نہ باعتبار تقسیمِ اقسامِ نبوت۔

۵۶ــــــ پس اتحادِ محبّانہ و ولولۂ عاشقانہ و فناؤ محویّت و دگر ہمچو مصطلحات

ولعل اطاعة احد بحسب مقتضى العقل اطاعة نفسه، وانما تتحقق الاطاعة بمعرفته اطاعة الغير بامر المطاع۔ وفيه مسألة الحسن والقبح شرعًا اوعقلًا، والتعديل والتجوير، والاسماء والاحكام، والوعد والوعيد۔ على ما ذكره الشهرستاني۔ وفيه التقدير للخير والشر منه تعالى، وان الانتهاء الى علم الله، ولذا علمه الاسماء، وان الشرف في العبدية والتوبة وانه لايسأل عن شئ وهم يسألون، ومسألة المراحم الملكية، وانها اخر الحيل وتأتي على كل عاص فان رحمته سبقت غضبه، وفيه تفضيل الانبياء على الكل، ومسألة الايجاب والاختيار۔ منه

در بابِ عشقے اطلاق کردہ آمدہ ، و چیزے وجہِ تسمیہ ہم تواں پیدا نمود ، لیکن ہمگی از احوال و عقدِ خیال ہستند کہ "الفقر خیال پنجتن" و از بابِ اِفرادِ نقطۂ نگاہ ، و تحدیقِ نظر بآں۔ نہ اینکہ قلبِ حقائق شود و احکام تغائر و تبدیل شوند۔

۵۷ــــــــ و عالمِ خیال در دائرۂ خود مملکتے وسیع دارد ، و ہمہ از بابِ تَشَبُّح است ، نہ از بابِ تَحَقُّق۔ و آثار و احکامِ وے ازیں عالم مشہود نَپِسَنند پس تبدیلِ احکامِ شریعتِ سماویہ و قانونِ الٰہی بر بناءِ آں الفاظِ فدائیانہ واز خود رفتگان الحاد و زندقہ است بلنتہائے امر در ہمچو اطلاقات اصلاح و تاویلِ آنہا و گردنِ کسے رہا کردن است ، نہ گردنِ دگرے گرفتن۔ آنچہ ایں ملحد در حقیقۃ الوحی ص ۶۴ مع تفسیرِ باطل در قل یا عبادی گفتہ این شیوۂ قرآن نیست۔ و فرق ظاہر ، کہ دراں مرتبۂ نفس الامر ہم است ، و الغاءِ آں باطنیہّ و حلولیہّ ہموارہ کردہ آمدہ اند ، و قرآن برائے اصلاحِ ہمیں تحریفات کہ در ادیانِ پیدا شدہ بود آمد ، مانندِ عقیدۂ رجعت در یہود ، و عقیدۂ حلول در نصاریٰ و ہنود۔

۵۸ــــــــ و معلوم باد کہ علماءِ ظاہر از ظاہرِ شریعت بسوئے باطن رفتہ و خود را مُقَیَّد بہ صورتِ فرمانِ الٰہی و نبوی گردانیدہ در سلامت ماندہ اند ، خواہ بر مسمیٰ در حقیقت بدون کم و کاست رسیدہ باشند ، یا در مجردِ اطاعتِ فرمان کوشیدہ۔ مانندِ علماءِ باطن از باطن بسوئے ظاہر آمدہ در اظہارِ مکنون و اَسرارِ خبیئہ گاہ گاہ بر عین نشانۂ راست راست نزدہ اند ، و اختلاف رُو

داد۔ و از ہمیں سبب است کہ بسا اوقات چیز ہا فرمودہ اند کہ بفہمِ دیگراں نرسیدند، باوجود آں کہ کتبِ بسوطہ و مطوّلہ نوشتہ بودند۔ و صاحبِ فن دانشمندے دانستے کہ اکنوں چہ بیرون از سواد و استعداد باشد، مگر واقعہ چنیں نیست۔ صد ہا و صد در صد ہا امور از فہم بیروں ماندہ اند۔ و خود صوفیۂ کرام وصیّت فرمودہ اند کہ کلام ما را اجانب کہ ذوقِ حال ماندارند مطالعہ نکردہ باشند۔ واکنوں بعد وصیّت خود ایشاں دگر چہ می خواہی، ابن خلدون در مقدمہ اندریں باب چیزے نوشتہ[1]

۵۹ ——— و معلوم باد کہ فارق درمیانِ ایمان و کفر ہمیں یک حرفِ ایمان بانبیاء است، و قصر بر ہدایت و تعلیم ایشاں۔ و ہمیں جزء درمیانِ اسلام و کفر ممیّز است۔ ورنہ جملہ اقوام در بارۂ اثباتِ باری تعالیٰ چیزے چیزے باور کردہ اند، لیکن بعد از اں انحصار بر ہدایت و تعلیم آنجانب ندارند، در اداءِ حقوقِ عبدیّت براہوائے خود می روند، بر خلافِ ادیانِ سماویہ۔ و اینکہ خیالِ بعضِ ملاحدہ است کہ اگر تعلیم انبیاء صواب ہم بودہ باشد ایمان بر ذواتِ ایشاں چرا جزءِ ایمان باشد، ایں خیال مسخ فطرت است۔ زیرا کہ ہر گاہ انحصار بر ہدایاتِ آنجانب داشتیم لاجرم پیغمبراں درمیان آمدند، و توقّف بر ایشاں افتاد۔

۶۰ ——— و نیز معلوم باد کہ عباداتِ انبیاء و حُنَفا محضِ عبدیّت است، کہ غیر از راہِ تفویض و تسلیم و توکّل بر ربّ العالمین از جانبِ خود حرفے بمیان نیست، و نہ دخلے از عقلِ خویش کہ عبدِ مطلق بغیر از ناچیزی و ہیچ میرزیِ

[1] باب سادس، فصل حادی عشر فی علم التصوف ص ۴۶۷ و ما بعد

خود و تفویضِ امر و اختیار بسوئے خواجہ مطمحِ نظر ندارد۔ برخلافِ صابئین، کہ وثنییّین ہم از وشاں ہستند، کہ عبادتِ ایشاں از راہِ عقلِ خود و تسخیرِ علویات باعمالِ سفلیہ است، از نصب ہیاکل، و تماثیل، و خواندنِ افسون وغیرہ۔ گویا حاصلِ عبادت ایشاں بنوعِ سحر و عملِ تسخیر است۔ این ست فرق درمیانِ ادیانِ انبیاء و غیرِ اوشاں۔

۶۱ــــــ در ہیچ طائفہ درعالَم از عُقَلاءؔ و عُلَماء و عُرَفاء اختلافِ رائے محو نشدہ، الّا از انبیاء، کہ کدام یکے از یشاں ہجو و ردِّ دگر نکردہ، پس سلامت در اطاعتِ ایشاں بدوں مطالبۂ کُنہِ امور و بدوں مُبارات با اوشاں واقع است۔ در عالَمِ تشریع کہ سطحِ عالَم تکوین است بسا کہ سلسلۂ ارتباط و علاقۂ سَبَبِیّت و مُسَبّبِیّت با ہمی نظر نیاید، مکلّفِ مُطیع را مناسب نیست کہ خرقِ آں سطح کردہ درمطالبۂ ارتباطِ باطنی درآویزد، و امتثالِ قانون را تا وضوحِ باطن و حکمتِ آں معطّل کند، کہ این بحقیقت مکابرۂ ابلیس بودہ، برخلافِ سنّتِ انبیاءؑ۔

۶۲ــــــ وچوں سلسلۂ اطلاقاتِ صوفیہ و مُصْطَلَحاتِ وے سلسلۂ علیٰحدہ و بسرِ خود است، این مُلحِدُ بعض اجزاءِ آنرا از آنجا سرقہ کردہ با بعضِ اجزاءِ علماءِ ظاہر ترکیب دہد، و ازیں قطع و بُرید نتیجۂ الحاد آرد، کہ کارِ ایمان و شیوۂ مومن نیست۔ مردم سادہ لوح و سادہ منش دیا محروم القسمت بہ دعوئ وے کہ من باتّباعِ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم این رتبہ یافتہ ام، ایمان می بازند، و دانند کہ وے از فدائیانِ آنحضرت ﷺ است، و ندانند کہ وے تاویل و تحریفِ آیت

ہمیں نہادہ ، و فتحِ بابِ نُبوّت بھمیں زندقہ کردہ ۔ پس اولؔ چارۂ از اصرار و تکرارِ ایں دعوٰی نیست ۔ و ہمہ دَجّالاں ہمیں کردند، تا آں کہ دجّالِ اکبر در ابتداءِ حال اظہارِ صلاحِ خود کند، چنانکہ در فتح الباری[1] بروایت آوردہ، سپس تدریج کند۔ و اگر در ابتدا پارسائی نہ نمودے دعوتِ وے نفاذ نیافتے، ہمچنیں ایں دجّال در دعوائی اتّباع مُتفرّد نیست

۶۳ــــــ ومعہذا آنچہ موافقِ غرضِ وے است، ہمراہ داشتہ کہ نہ از پیشینیاں کسے بایں رتبہ رسیدہ، و نہ کسے از پسینیاں ۔ کسے راہ نبرد کہ چوں فتحِ باب است باز ایں سدّ از کجا آمد ؟ گویا کہ ہماں اصول برائے حجرِ دگراں ہستند، و برائے فتحِ وے ۔ در حجرِ نبوّت بر دگراں ختمِ نُبوّت پیش کند، برائے خود فتحِ باب ۔ رسالۂ ترک ص۳۶ مع مصباح العلیہ ص ۱۹۔

۶۴ــــــ گوید کہ نُبوّتِ سابقین از انبیاءِ بنی اسرائیل کہ برائے تائیدِ دینِ موسٰی آمدند، ثمرۂ اتّباع نبود بر خلاف ایں اُمّت[2] وظاہر است کہ

[1] باب ذکر الدّجال ج ۱۳ ص ۷۹ ۔

[2] مع تناقض از رسالۂ "مُراقِ مرزا" ص ۱۱ (اور بنی اسرائیل میں اگرچہ بہت نبی آئے، مگر ان کی نُبوّت موسٰی کی پیروی کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ وہ نبوّتیں براہِ راست خدا کی ایک موہبت تھیں، موسٰی کی پیروی کا اس میں ایک ذرہ کچھ دخل نہ تھا) حقیقۃ الوحی ص ۹۷ کا حاشیہ۔ و نقیضِ وے قولِ دگرش (حضرت موسٰی کی اتباع سے ان کی اُمّت میں ہزاروں نبی ہوئے) الحکم مورّخہ ۲۴ر نومبر ۱۹۰۲ء ص ۵ کالم ۲ ۔ و مُقتضٰی آنکہ دروغ گو را حافظ نباشد ، ایں ہم فراموش کردہ کہ در دینِ موسوی باتّباعِ وے ہزاراں نبی شدند"

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

فہرست

نبوتِ اوشاں ہم بدوں اتّباع نبوده. پس اگر چیزے تفوّہ کند ہمیں تواند کہ
ذاتِ موسٰی را درمیان دخل نبود، ایں سخن از کلام وے دریں دین ہم لازم
است، من حیث لا یدری. چہ می گوید کہ آں دین دینِ لعنتی است
کہ دروے نبوت جاری نباشد، پس ایں اجراء را خصیصۂ دین قرار داد،
ذات از میاں برطرف شد. عشرہ ص۵۷ واشدّ العذاب ص۳۲ وضرورۃ الامام
ص۲، ورسالۂ ترک ص۴۰ ازیں ہم واضح تر.

۶۵ــــــ وشرطِ فناء فی الرسول راہم مرعی نداشتہ، چنانکہ در ص۳۴
دعوٰیٔ وے است، ونہ ختم نبوّت را کدام تاویلے وتحریفے سوائے
اینکہ شریعتِ جدیدہ ندارد. وہمچنیں از ص۳۹ صرف اینکہ شریعتِ جدیدہ
نیست.

پس تحریفِ آیتِ ختم نبوّت دریں عبارات، کہ آخریں ہستند، بسوئے
تحریفِ دگر منتقل شد، وشرطِ فناء فی الرسول ہم ضروری نماند. پس تا آنکہ
فناء فی الرسول شرط بود شریعت ہم تجویز تواند بود، اگرچہ جدیدہ نباشد.
وچوں شرطِ شریعتِ نو نبودن مطمحِ نظر شد شرطِ اوّل از میاں رفت، وضرورتِ
وے نماند. وہمچنیں دراں تسویلات وتلفّفات کہ آں را وحی نام نہادہ،
چنانکہ درحقیقت الوحی ص۱۰۱ وغیرہ، لقبِ نبی ورسول برلئے خود بدُوں کدام

و دریں دینِ متین صرف ہمیں یک شقی ۶ واگر کسے ایجاد کند کہ در سابق اتّباع شرط نبود و
اکنوں شرط است، ایں ہم باطل است، ہر نبی پیش از نبوت بر کدام دینِ حق بوده، و
خاتم الانبیاء پیش از نبوّت بالہام عبادت می کردند. منہ.

تقیید می سراید۔ و ناخلفِ وے تصریح کردہ کہ در وحیِ پدر تقیید نیست از بروز و ظلیت و انعکاس، بلکہ ہمہ از تواضعِ پدرِ وے است۔

۲۲ ـــــــ و تحریف سوم کہ خاتمِ نبوّت برائے اجراء است، نہ برائے انہاء در حقیقت الوحی صفحہ ۹۷/۲۸ ایجاد کردہ۔ و حال آنکہ در محاوراتِ لغت خاتِم بکسرِ تاء باشد کہ بمعنی ختم کنندہ است، یا بفتحِ تاء کہ بمعنی مایختم بہ الشئ است، در مثلِ خاتم القوم سوائے معنیٔ آخرین نیامدہ۔ و علماءِ لغت تصریح کردہ اند کہ چوں ایں لفظ بالکسر و بالفتح بسوئے قومے مضاف باشد، آنگاہ بمعنی آخرِ آں قوم می باشد۔ و اصلِ لغت آنکہ خاتِم بالکسر بمعنی بانجام و اختتام رسانندہ است، چہ اسمِ فاعل صیغۂ صفت است، و خاتَم بالفتح آں چیز کہ بوے بانجام رسانند، زیرا کہ اسم است، نہ صفت۔ چنانکہ بر علماءِ تصریف مخفی نیست۔ و حاصلِ ہر دو قرأت آخر النّبیّین است لاغیر۔ و دگر تعبیرہا ہمہ فروع ہستند، پس ترکِ اصل نادرست است، و تعبیرہائے فرعی نہ چنداں مزیتے دارند، و نہ ضررے۔ الّا آنگاہ کہ حق تعالےٰ کسے را مخذول کردہ باشد، و ہمیں است آں کہ بعض مفسرین از ابوعبیدہ آوردہ کہ بالکسر اصل است، یعنی مرجعِ مرادِ ایں مقام و محطّ و مسقطِ نظمِ کلامِ ملکِ علّام۔ و قول وے "لانّ التاویل انہ ختمہم فھو خاتمھم۔" تاویل نزدِ ایں جماعت بمعنی تخریجِ وجہ و بیانِ مآلِ مراد می باشد، نہ بمعنی صرف عن الظاہر۔ فی الجملہ مراد آنست کہ در ہر دو قرأت بحسبِ اشتقاق و مدلول مشترک اند۔ در معالم التنزیل آوردہ ختم اللّٰہ بہ النبوۃ و قرأ عاصم بفتح التاء علی الاسم ای آخرھم و

قرأ الاٰخرون بکسر التاء علی الفاعل لانہ ختم النبیّین فھوخاتمھم قال ابن عباس یرید لولم اختم بہ النبیین لجعلت لہ ابناً یکون بعدہٗ نبیاً" وہمچنیں در عامۂ تفاسیر تا آنکہ مثلِ تفسیرِ جلالین از مختصرات۔

۶۷ـــــــ وچوں در آیت بمعنی ما یختم بہ الشئ ہست پس اگر کسے بمعنیٔ مُہر گرفت چنداں خلافِ تحقیق نرفت، پس در نظم ایں نیست کہ مُہرِ نُبوّت ہستند، ونہ اینکہ صاحبِ مُہر کہ زنندہ باشند، بلکہ خود اوشاں مُہر کہ زدہ شدہ اند بر دگراں، واوشاں انبیاء سابقین ہستند۔ و بہرحال معنئے وے بانجام رسانیدن است، وازیں حقیقت جملہ فروعِ وے منسلخ نہ۔

۶۸ـــــــ کادیانی در کرامات الصادقین ص۱۹ می گوید (پس یہ خیال کہ گویا جو کچھ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قرآن کے بارہ میں فرمایا ہے، اس سے بڑھ کر ممکن نہیں بدیہی البطلان ہے) حالات قادیانی ص۲۳

۶۹ـــــــ وچوں دعوئ شریعت وتجدیدِ احکام ہم کرد، نہ مانندِ تجدیدِ مجددِ اِن اُمّت، ہمگی از دست رفت، و فراغ کُلّی حاصل شد، (اشد العذاب ص۳۸) و انعکاس کہ تحریفِ چہارم است از اشد العذاب ص۴۱، واز اشتہار ازالۂ غلطی از مصباح العلیّہ و اوائلِ حواشیِ نزول المسیح تواں دید۔

۷۰ـــــــ ودراں حال کہ دعوئ شریعت حقیقۃً کردہ اگرچہ جدیدہ نباشد،

ـ۵ـ در توضیح المرام وے ص ۹۰۰۱ گفتہ کہ نبوتِ تامّہ نزدِ وے آنست کہ دروے وحی شریعت موجود باشد۔

پس می گوید کہ تفسیرِ قرآن و قبولِ حدیث ہمگی منوط بوحیِ وے است، نہ بر تواتر از صدرِ اول تا آخر، و اینکہ بر آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلّم حقیقت دجّال دیاجوج ماجوج و دگر بعض امور کماہی منکشف نشدہ بود، چنانکہ بر این شقی منکشف شدہ، تجدید مانندِ دگر مجدّدانِ دین نماند، و از ہمہ قیود سبک دوش شد، و فراغ کلی حاصل کرد ے "خوردن زمن و لقمہ شمردن از تو" و اگرچہ لفظِ شریعتِ جدیدہ نراند، مصداقِ وے وصول یافت ع "پنہاں خورید بادہ کہ تکفیر می کنند"۔

۱۷ــــــ و نیز معلوم باد کہ دعوئ شریعت در مقابلۂ آں علماء رح کردہ کہ اوشاں آئندہ کدام شریعت را ناممکن فرمودہ بودند، و کلامِ شاں ر شریعتِ جدیدہ بود، زیرا کہ شریعتِ مکرّرہ و تلقّفِ وحیِ سابق، چنانکہ این ملحد می کند، محصّلے نداشت۔ پس این دعویٰ بمقابلۂ اوشاں مستلزم دعوئ شریعتِ جدیدہ است و ملحد می گوید کہ جہاد بآمدنم منسوخ شد، و آئندہ حج بسوئے کادیان خواہد بود، و ہر کہ چندۂ کادیان ادا نکند خارج از بیعتِ وے یعنی خارج از اسلام است، پس زکوٰۃ ہمگی در چندۂ وے انحصار یافت۔ کادیہ صـ۷۹

۱۸ــــــ و نیز معلوم باد کہ تجدیدِ مجدّدان مانندِ تجدیدِ ایمان بکلمۂ لا الٰہ الا اللّٰہ یعنی تازہ کردن ثبت بودہ، نہ کدام اضافہ در دینِ متین۔

۱۹ــــــ و نیز معلوم باد کہ شریعتِ جدیدہ بودن و یا نبودن این دو قسم مفہوم بودند، این ملحد قسمے سوم ایجاد کردہ کہ صاحبِ شریعت است، و لیکن بطورِ تجدید، نہ جدید۔ و این را ہم شریعت نام نہادہ اِدّعاءِ شریعت کردہ۔ و در این قسم تا آنکہ وساطتِ اتّباعِ این ملحد درمیان نباشد، موجبِ نجات نیست،

بلکہ کافر است. پس فرقِ تجدید و جدید ہمگی از ہم پاشید، و سخنِ نسخ و عدمِ نسخ ہمہ بے معنی گردید. و چنانکہ عامّۂ مآلِ کلامِ خود در نفہمد، و مانندِ اعمٰی رود، در نیجا ہم ہیچ حرف نفہمید. و قضاءِ مبرم رفتہ است کہ فہم از وے سلب شدہ است، و ہیچ چیزے در تعلیمِ وے یافتہ نشود کہ در وے خبط و خلط و تناقض و تہافت نباشد کہ از کدام کس صحیح الدّماغ بوقوع نیاید، پس دست از الہام و دعاوئ وے، بل از لیاقت و قابلیتِ وے فرو شوئی. واللہ الہادی.

۷۴ ــــــ و در آخرِ حقیقۃ الوحی ص۶۷ ہمہ آں نعمت در شکم ما در یافتہ، اتباع عیسیٰ سخنے بود کہ گفتنی است، نہ کردنی. و نغمۂ دگر در تتمّہ وے ص۶۸ و تریاق القلوب ص۳۷۹ مطبوعہ ۱۹۲۲ء.

۷۵ ــــــ پس آیت مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ براسئے اعلانِ ختمِ انبیاء، و ختمِ نبوت است، و اعلانِ اینکہ من بعد کسے دگر نبی منتظر نیست، چنانکہ پیش ازیں انبیائے سابقین انبیاءِ نبیِّ لاحق کردہ می آمدند. یعنی محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم با کسے از رجالِ شما علاقۂ ابوت ندارد، البتہ بدلِ آں علاقہ، رسالت و ختمِ نبوت دارد، کہ ایں علاقہ دائم است. و ایں کلام بنفس خود مستقل است، اتساقِ وے بر اثباتِ ابوّتِ معنویہ موقوف نیست، چنانکہ در قراْتے شاذہ آمدہ، چہ مدار بر شواذ نباید نہاد. و شاید تقیید بر جال ناظر بسوئے آنست کہ در صبیان و نسوان نبوت نیست، پس حاجت بسوے ذکرِ رجال است، و بس. و تنکیر در اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ یعنی از جانبِ خود ایں حصہ ہا منہید، کہ پدرِ فلاں

کس ہستند، و یا فلاں۔ پدر ہیچ کس از شما نیستند، پس این خیال ہا بگذارید و نام کسے کسے ببندید۔

۷۶ ـــــــــ و خاتم بودنِ آنحضرتؐ از میانِ انبیاء از بعضِ خصائص و کمالاتِ مخصوصہ کمالِ ذاتیِ خود است، با اُمّت علاقہ ندارد، علاقۂ اعتقادِ این کمال ہم کافی نہ۔ چہ غرض این است کہ علاقۂ ابوت گسستہ است و علاقۂ رسالت و ختم نبوّت ہمیشہ پیوستہ، پس چنانکہ وجودِ ابوت بکُلّی منقطع است، وجودِ نبوت من بعد ہم بکُلّی منقطع باید بود۔

و علاقۂ اعتقادِ الکلیّت امرے ذہنی است، کہ با نبوّتِ تشریعیہ مستقبلہ ہم منافی نیست علاقۂ معتدبہا علاقۂ اتباع عملی است بلکہ این اعتقاد و باین امر کہ در عدادِ اُمّتِ دگر نبی باشد نیز منافی نیست، چنانکہ اُمَمِ سابقہ اعتقادِ الکلیّتِ خاتم الانبیاءؐ توانند داشت۔

۷۷ ـــــــــ قولہ تعالیٰ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ الآیۃ[1]۔ یا اخذِ اطاعتِ انبیاء برائے رُسُل است، کہ امرِ مُہم و مہتمّ بالشان است، ویا اخذِ عہد از انبیاءِ بنی اسرائیل برائے خاتم النبیّین بنی اسماعیل و تحوُّلِ نُبوّت بسوئے ایشان است، کہ این ہم مُہمّ است، مانند تقدمۂ امرِ ملائکہ برائے خلافتِ آدمؑ و اطاعتِ وے۔ لیکن جمعِ کلمۂ نبیّین، و افرادِ کلمۂ رسول، نہ رُسُل معرفہ ویا نکرۂ موصوفہ، وکلمۂ تراخی یعنی ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ مؤیدِ تفسیرِ ثانی است ظاہرِ آیت ہمہ نبیّین را یک طرف داشتہ، و آں رسول آئندہ بعدِ ایشان، نہ درمیان وقتاً فوقتاً، و نہ مرسل بسوئے ایشان، بلکہ مُصدِّقِ

[1] آل عمران: ۸۱

برائے تعلیم ایشاں فقط۔

ومراد از اخذِ میثاق النّبیّین و مقصود ازاں تسلیمِ اُمَمِ ایشان است، کہ بوقتِ آمدنِ آں رسولِ عظیم الشّان ضائع نشوند، ودر امورِ قومیّہ ومعاہدات بعض را قائم مقام کُلّ می دارند۔ پس ادراکِ حضرتِ عیسٰی علیہ السّلام کافی است وشاید توارد رسولِ لاحق بر رسول و نبیِّ سابق نبودہ، الّا در خاتم الانبیاءؑ کہ فرا گرفتند۔ وتصدیق از خارج اولیٰ است بنسبتِ تصدیقِ داخلی۔ و این وصف وصفِ مشتہرِ آں حضرتؐ در قرآنِ مجید است۔ و ہمیں تفسیر متبادر است از قرأتِ دگر دریں آیت واذ اخذ اللّٰہ میثاق الذین اوتوا الکتاب کہ ہمہ اہلِ کتاب را ور یک جانب نہادند، وآں رسول را بجانب دگر۔ ودر قرأتے و اذ اخذ اللّٰہ میثاق الذین اوتوا الکتاب آمدہ، ومعلوم است کہ تعدّدِ قرأت بسببِ تزاحمِ نکاتِ بلاغیّہ اعجازیہ می باشد، کہ در یک نظم جمع نمی شوند، و بسببِ تعدّدِ آنہا تعدّدِ قرأت رُو دہد۔ پس چہ وجہ است کہ از ظاہرِ نصّ عدول کردہ بسوئے تاویل رویم، کدام دلیلِ قاطع بر صرف عن الظاہر قائم شدہ؟ بر تسویلاتِ ہوائی نفس ایمان داشتن کارِ مومن نیست۔

۷۸ــــــ ونہ مثلِ "یوسف احسن الاخوۃ" و "فلان اعلم بغداد" کہ مضاف الیہ در معنیٰ مفعول بہٖ نبود، وحُسن و علم ہم مطلق اند، در امثالِ این معروف واصلِ کلام چنیں بود کہ الوہت منقطع است، ونُبوّتِ وے صلی اللّٰہ علیہ وسلّم واتم۔ ودوام را بلفظِ ختم تعبیر فرمودند، پس بحث ہا در نفسِ این لفظ قائم کردن

از فہمِ مقصود بکنار است ، ورنہ چنانکہ اصلِ رسالت ذکر کردند اصل نبوت ذکر فرمودندے ، وگفتندے ولکن رسول اللّٰہ ونبیا من المقربین' ویا نحوآں ، چنانکہ در روح المعانی در قرأتِ ابن مسعود ولکن نبیا ختم النبیین آوردہ۔

۷۹ـــــ واگر اَثر ہم باعتبارِ مجموع ، نہ باعتبارِ فردے ، و باعتبارِ الوّتِ معنویہ گفتہ آید ، متحمل است ، چنانکہ در اُمّ المؤمنین محاورہ رفتہ۔ واین محاورہ ہم بسببِ ایہامِ خلافِ صُوری مسلوک نیست ، در عقیدۃ الاسلام[۱] ازاکلیل منع نقل شدہ۔

۸۰ــــــ مراد آنست کہ چنانکہ پسر نگذار دنبیؐ دگر ہم نیاید ، وچنانکہ خلف نگذار رپیغمبرے دگر ہم نخواہد رسید کہ خلیفہ شدے۔ پس آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ابورجلے بطور کُنیت نیستند ، ولیکن رسول اللّٰہ وخاتم الانبیاءؑ بطورِ لقب ہستند ، ولہٰذا نفرمودند ولٰکن رسول اللّٰہ ونبیا خاتم النبیین چہ مجموع این عنوان لقب نبود ، گویا قرآن مجید مانندِ اصحابِ جمل لقب ارشاد کرد۔ و این لقب باعتبارِ مجردِ تأخُّرِ زمانی اتفاقی نیست ، بل مُؤدِّیِ کدام مزیتے نیز ، اعنی چوں آنحضرتؐ در آخرِ زمان آمدند برائے اداۓ ہمین تأخُّرِ زمانی این لقب نیست ، بلکہ مرادِ الٰہی آنست کہ سلسلۂ نبوّت برخاتم الانبیاءؑ ختم کردیم ، واین سلسلہ را این حد نہادن بسببِ کدام مزیّت است کہ در ذاتِ آنحضرتؐ است ، نہ محض اتفاقی کہ مفضول را ہم تواں بود۔

---

[۱] ص ۲۰۲ طبع اوّل۔

۸۱ ـــــــ و معلوم باد کہ مُحَرَّر در فرقِ رسول و نبی ہمان است کہ اکثرے از علماء گفتہ اند، وگذشت، و ہموں است حقِّ لغت۔ چہ رسول بمعنی فرستادہ و پیغام بر است، و فرستادہ بچہ باشد سوائے کتاب یا شریعت؛ و نبی بمعنی خبر دہندہ است، کہ بوحیِ قطعی خبر می داد، اگرچہ شریعتِ جدیدہ ندارد، و وظیفۂ وے با اُمّت سیاستِ اوشاں، چنانکہ در حدیث سیاستِ انبیاءِ بنی اسرائیل اوشاں را ذکر فرمودہ[1] و ہمچنیں مرورِ نبی و باوے رَجل و یا رَجلان، و مرورِ نبی کہ باوے یک رَجل ہم نباشد آمدہ[2] کہ دلالت بر علاقۂ نبی با اُمّتِ او و وظیفۂ وے دارد۔

۸۲ ـــــــ قولِ قائل کہ حضرتِ شاہ عبد العزیزؒ خاتم المحدثین بودند، وجہِ این اطلاق و محاورہ آنست کہ کسے خاتمِ بعضِ خصائص و کمالاتِ مخصوصہ می باشد، پس باعتبارِ آں، با وجود عدمِ تحقیق حالِ زمانۂ استقبال، و عدمِ علمِ آں، و عدم علم غیب، و عدم ذمہ داری آنچہ در کتم غیب است، و باعتبارِ علمِ خود،

مہ و آنچہ در فتوحات گفتہ کلام منتشر و غیر محرر است، و بیشتر ایں گفتہ کہ نبی ہم شریعتے داشت لیکن مختص بذات وے، و بحقِ ہارونؑ ایں قدر ہم نہادہ، و جائے عدمِ وجوب بحق دیگران گفتہ، و بر اختیارِ اوشان نہادہ، و پیش از نوحؑ انبیاء نہ ماتحتِ رسل داشتہ۔ و سبب این انتشار آنکہ بر تقدیرِ نفیِ شریعت کدام خدمتے از نبی ندیدہ، و بہمیں وجہ نبوت من غیر تشریع کہ بمعنے ولایت است قسمے افزودہ، و حال آں کہ خدمتِ نبی کہ مذکور شد خدمتِ جلیلہ است، و علماء کہ برائے نبی نبوت من غیر تشریع گفتند از ایراد ایں قسم و اخذِ وے بمعنے ولایت مستغنی شدند، و ہمیں است مفہوم از عُرفِ کتبِ سماویہ، و از احوالِ انبیاء بنی اسرائیل کہ بر شریعت موسوی بودہ سیاستِ اُمّت و اِخبار بوحی می کردند۔ فاحفظ ولا تنسا منہ

[1] متفق علیہ من حدیث ابی ہریرۃ مشکوٰۃ ص ۳۲۰ [2] متفق علیہ من حدیث ابن عباس مشکوٰۃ ص ۴۵۲

فہرست

وعلمِ وقتیِ خود، بطورِ مسامحت و سہل انگاری، و اعتماد بر فہمِ مراد اطلاق می کند۔ و بشرِ کلامِ ناتمام ہم می گوید، و استیفائ قیود و شرائط نکند، و چون حاجتِ اظہارِ مزیّت داشتند محاورہ کردند، تا ایں مزیّت را بدون ختمِ زمانی ہم ادا کردہ باشند۔

۸۳ــــــ و نیز معقول است کہ گفتہ آید فلاں عالم بنسبت فلاں در عدا د و اعتداد نیست و معقول نیست و مسلوک نیز نہ کہ فلاں نبی بہ نسبتِ فلاں ہیچ اعتبار ندارد، چنانکہ در لا الہ الا اللّٰہ تاویل نیست ــــــ مدار در ہمچو امور بر جریانِ محاورہ است، نہ بر قیاس۔ واگرچہ ثبوتِ جزئی علاقہ ضروری نیست، لیکن ثبوتِ نوعِ علاقہ ہم کافی نہ۔ مدار بر ذوق و استقراء است، و لکل مقام مقال، ایں است تخریج ایں محاورہ۔

۸۴ــــــ و تواں گفت کہ فلاں کس محدّثی ختم کردہ رفت، مثلِ وے دیگرے نیاید، و نتواں گفت کہ فلاں کس نبوت ختم کردہ رفت، مثل وے دیگر نبی نیاید، زیرا کہ اوّل از فضائلِ کسبیہ است، و اشتراک در وے وافر، و در عصرِ ممدوح ہم بسیارے از مشارکان، پس نظر بر مراتب دارند، و مماثل را منافیٔ خاتمیت انگارند، نہ مادون را۔ و تخمین در وے سخن گفتن روا دارند بخلافِ بابِ نبوّت کہ از کمالاتِ وہبیہ است، تخمین در وے سخن نزنند، و کفِّ لسان کنند۔ ایں باب بابِ اِخبار بالغیب است، کہ اندراں منتظرِ توقیف باید بود، و بر خرص و حدس اقدام نباید کرد، و ایں محاورہ ہم در

عہدِ نزولِ وحی شائع نبودہ، من بعد رائج شدہ، چناں کہ فاتح المحدثین محاورہ نکردند۔ تنزیل را بر محاوراتِ مُحْدَثہ فرود نباید آورد۔

۸۵ــــــ وگویند کہ فلاں کس جود ختم کردہ رفت، وگویند کہ ولایت وکرامت ختم کردہ رفت، چہ رجم بالغیب است، پس ایں گونہ است سبیلِ ایں محاورات، نہ مقاییس و تلبیسات۔ گویا درہیچو حکم رتبۂ حاکم ملحوظ باشد، و مَبلغِ علم وفہمِ وے۔

۸۶ــــــ ومعلوم باد کہ اہل عُرف۔ فاتح وخاتم ہردو رانمی دانند، ونمی شناسند الا مُجَازَفَہ وخرص، یا بعدِ وقوع۔ مانند آنکہ سلطانے را دیدند کہ نصبِ سلطنت کرد، واقتدارِ قوی ونفاذِ بالغ داشت، سپس جانشینانِ او آمدند، وقائم مقامی کردند، اہل عُرف دیدند کہ ایں منصب سلطانِ اول فتح کرد، پس اورا 'فاتح' خواندند، وایں ادراک اوشاں رابعدِ وقوع شد۔ وکسے را خاتمِ کمالات تخمین کردند، وخاتم گفتند، مشاہدۂ ختمیّتِ حقیقی ندارند، الّا نادراً۔ پس اطلاقِ خاتم اکثر بطورِ مُجَازَفَہ کنند۔ برخلافِ اطلاق فاتح کہ بسا مشاہدہ ہم دارند۔ ونیز نظرِ ایشاں برجزئیاتِ منتشرہ باشد، نہ بر نظامِ کُلی کہ در مجموع من حیث المجموع ساری است، زیرا کہ علم آں نظام ندارند، کہ باری تعالٰے درآں مجموع داشتہ۔

ودانستہ باشی کہ اہل معقول کثرت را چہار مرتبہ نہادہ اند، کُلِّ واحد واحد، وکثرتِ محضہ سوائے اعتبارِ ہیأتِ اجتماعی، وکثرت باعتبارِ آں ہیأت عروضاً، یا دخولاً۔ ودر کثیرِ منتظم کہ وحدتِ تالیفی دارد اہل عرف را اکثر نفاذِ

اِدراک نیست، الّا بعد تجربہ، و بیشتر مجازفہ کنند۔ و در ہمچو کثیرِ منتظم خاتم در نہایت باشد، چنانکہ معمار در تعمیر کہ سلسلۂ وے ہمہ می دانند رعایت کند، برخلاف دگر امور، کہ نظام آنہا ندانند، و این گونہ فاتح و خاتم در نظاماتِ الٰہیہ واقع شدہ، کہ خاتم خاتمِ کمال باشد، و علامتِ آں در خارج ختمِ زماں دارند۔ پس این ختمِ زمانی را کہ مبنی بر ختمِ کمالی است در کثیرِ منتظم کہ در امورِ الٰہیہ واقع شدہ، و اہلِ عُرف ازاں غافل اند، خوب باید سنجید، کہ فرقِ محاورۂ اہلِ عُرف و محاورۂ حضرتِ حق مبنی براں است، و مغالطۂ ملاحدہ در بابِ شاہنشاہی و شاہانِ ماتحت و قیاس براں در بابِ نبیِ نبی ساز ہمہ از خود می پاشد، و بر کُنہِ امر و مغزِ سخن عثور حاصل می شود، و اللّٰہ الموفق۔

۸۷ــــــ پس تحقیقِ وحی را کہ از حقیقت الامر سرمو انحراف نکند، بر خرص خرّاصین قیاس نباید کرد۔ و نہ طبقۂ وحی را بر تخییلِ شعری۔ و از ہمیں وجہ است وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ[1] مراد از شعر خیال بندی است کہ نوعِ محاورۂ شان جداگانہ است، و مفترق از طبقۂ متعارف الناس و تفاہمِ عُرف۔ و اعجازِ قرآن چنانکہ در ترکیب ظاہر است در اختیارِ مفردات ہم ظاہر میشود، کہ اوفیٰ بالحقیقۃ، و سیما اگر حقیقت از مشکلات باشد، بمثابۂ وے در طوقِ بشر نیست، پس حوارِ قرآن را بر محاوراتِ عامیانہ و سوقیانہ فرود آوردن غایتِ جہل و حُمق است، و بابِ عقائد را بر تخییلاتِ مدحی حمل کردن نہایتِ ضلال و الحاد است۔

---

[1] سورۃ یٰس: ۶۹

فہرست

۸۸ــــــ و در نظمِ قرآن در مقامِ مدح ہم تجاوز از حقیقت جائز نہ ، روشِ قرآن محاورات و مسامحاتِ عامیانہ نیست ، و نہ در مقامِ مدح مُجازفہ بے اندازہ و بے پیمانہ ، زیراکہ بر کُنہِ امر و حقیقتِ وے و حقِّ تعبیراز وے مُطّلِع است ، بخلافِ بشر کہ از ہمہ قاصر است ، مجازفہ نکند دگر چہ کند ؟ مقدورِ وے نیست کہ کم یا بیش نکند ، و تحقیق کند نہ تقریب و تخمین۔

۸۹ــــــ سپس در تعیینِ مراد اگر بر اہلِ اجماع ، کہ اہلِ حلّ و عقد اند ، اعتماد نکنند بسا کہ در کفر و اسلام تمییز بر خیزد ، وقد قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا[1] سبیل المومنین اجماع و اتفاقِ اوشاں است ۔ و در ضروریاتِ دین تاویل ہم مسموع نیست ، ورنہ امن از اسلام و ایمان می خیزد ، شیخِ اکبر در فتوحات ص ۲۵۷/۲ می فرمایند ۔ " التاویل الفاسد کالکفر " من الباب التاسع والثمانین ومأتین۔

۹۰ــــــ و اوّل اجماعے کہ دریں اُمّت مُنعقِد شدہ اجماع بر قتلِ مسیلمہ کذّاب بودہ کہ بسبب دعوائے نبوّت بود ، شنائعِ دگر وے صحابہؓ را بعد قتلِ وے معلوم شدہ ، چنانکہ ابن خلدون آوردہ[2] سپس اجماعِ بلا فصل قرناً بعد قرنٍ بر کفر و ارتداد و قتلِ مدّعی نبوت ماندہ ، و ہیچ تفصیلے از بحثِ نبوت تشریعیہ و غیر تشریعیہ نبودہ ، و شاید مسیلمہ مطلبِ خود از وَاَشْرِكْهُ فِىْٓ اَمْرِىْ[3] گرفتہ باشد۔ مجرد تصدیقِ مجملِ پیغمبر برحقِ ما در احادیث شریفہ از دجّال ہم آمدہ ، و

---

[1] النسآء : ۱۱۵ [2] تاریخ ابن خلدون ص ۸۸/۲ [3] طٰہٰ : ۳۲

لیکن دافعِ کفرِ وے نیست[1] وبسیارے از کُفّار تصدیقِ مجمل نبیِّ کریمؐ و دینِ ما می کنند، ولیکن می گویند کہ دینِ ما ہم صادق است۔

۹۱ــــــ بالجملہ تعبیر بخاتمیت از ختمِ کمالات عُرفِ قرآن اصلاً نیست۔ عُرفِ قرآن دریں باب یعنی در مُفاضلہ مانند آیۃ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ[2]۔ و مانندِ ایں طریقِ مستقیم است، وہمیں است سخنِ فطرت وسادہ۔ وختمِ کمالات را بدون تقییدِ خاتم نام نہادن مُخرِج بسوئے تاویل و تخریج است، وعرفِ مُستَحدِث است، کہ سوائے شیوعِ مُحاورہ مستحسن نبودے، چہ جائیکہ در قرآنِ مجید مراد بودے، زیرا کہ موہمِ مُغالطہ است، چنانکہ ہمہ اُمّت بسوئے ختمِ زمانی رفت، نہ بسوئے اِنْفادِ کمالات فقط۔

۹۲ــــــ ومعلوم باد کہ طریقۂ قرآنِ حکیم در اصطفاء واجتباء اسناد بسوئے ذاتِ خود است، پس بایستے کہ چنیں بودے وجعلناہ خاتم النّبیّین۔ لیکن مقصود آنست کہ بطورِ لقب بر اَلسِنۂ عباد رود۔

۹۳ــــــ عُرفِ مُستَحدِث ازیں رو پیدا شد کہ دیدند کمالات یوماً فیوماً رُو در اِنحطاط اند، وایں اعتبار و نظر درحقِ باری تعالیٰ مفقود است، مناسبِ بارگاہِ وے نیست کہ گوید فلاں پیغمبر کمالات ختم کرد، دیگرے مانندِ وے نیاید۔ واینکہ بر فلاں پیغمبر کمالات را تمام کردیم، دیگرے مانندِ وے نیاریم، اگرچہ مناسبِ آن بارگاہ ہست، لیکن در نظمِ آیت نیست۔ وقولِ وے تعالیٰ فلاں پیغمبر آخرین است

[1] فتح الباری ج ۱۲ ص ۷۹ [2] البقرہ: ۱۵۳

سخنِ صاف و واضح است۔

۹۴ــــــــ وتحقیق آنکہ اطلاقِ "خاتم المحدّثین" باعتبارِ ختم کردنِ کمالاتِ مخصوصہ نیست، بلکہ ناقصاں را نازل بمنزلۂ معدوم اعتبار کردہ، کہ الناقص کالمعدوم، اطلاق می کنند۔ این است تخریجِ این ترکیب من حیث الدلالۃ، چنانکہ در لَا رَیْبَ فِیْهِ گفتہ اند، مصداق ہرچہ باشد بادا، زیراکہ مُجازفۂ آدمی است، نہ تحقیقِ مَلکِ علّام۔ پس این ترکیب موضوع برائے انتہاء است کہ مستلزمِ انقطاعِ چیزے است ولابد۔ خواہ برطورِ مُسامحت و اِرسالِ کلام از استیعابِ حقِ مقام باشد چنانکہ در مُحاورۂ اوساطِ ناس است" و یا برسبیلِ تحقیق، چنانکہ در کلامِ علّام الغیوب۔ و این تنزیل در بابِ انبیاء مسلوک نیست۔ بلکہ شرعاً ممنوع۔ چنانکہ در بابِ مراتبِ سُوَرِ قرآن و اسماءِ حُسنیٰ و متعلقاتِ حضرتِ ربوبیّت این صنیع ناروا است۔ طریقۂ قرآن حکیم در بیانِ فضیلت ہماں است کہ مثالِ آں گذشت، مختصر آنکہ بابِ علم و فضائلِ کسبیہ در حیطۂ اختیارِ بشر است، و در اِعتدادِ آں و در اِدّعاء و تنزیل اندراں مدخل وے است۔ بخلافِ متعلقاتِ نبوّت، کہ اَحَدے را دراں جز حضرتِ ربّ العزت اختیارِ اعتبارات نیست۔

۹۵ــــــــ وحاجت بسوئے ہر دو نوعِ افادہ متعلق است، گاہ گویند کہ فلاں عُہدہ و ولایت نماند، اکنوں کسے بریں عُہدہ نخواہد آمد، و انقطاعِ محض مراد می دارند وگاہے گویند کہ فلاں کس کمالات را ختم کردہ رفت، و مَنویِ آں باشد کہ مانندِ وے دگرے آمدن مشکل است، ویا در شمار و تعداد نیست، و این تقیید ذکر نمی کنند، و از مَوردِ استعمال معلوم است کہ گاہ کلام در اصلِ شئے است،

وگاہ در مراتب ۔ و در بابِ مُفاضَلہؑ علماء ہمیں اخیر مراد می باشد، نہ اول۔ زیرا که حق حکم اندراں ندارند، و نہ صاحبِ اختیار۔

۹۶ ——— و مخفی مبادا که اہلِ عُرف خود، ہم از تسامُحِ خود دریں مُحاوَرات مُطَّلع ہستند، و تعاملِ اوشاں از اطلاعِ ایشاں خبر می دہد، که اگر در زمانے کسے را بخاتم المحدثین یاد کردند، چوں من بعد دگر کا ملے خاست اورا ہم ہمیں لقب می دہند، پس معلوم شد که باعتبارِ ختمِ کمال ہم آخریّتِ حقیقیّہ مراد نداشتند، بلکہ باعتبارِ زمانۂ خود۔ بلکہ در یک زمانہ ہم متعددے را خاتم می گویند، و نفیٔ کمالِ دگر مراد ندارند، کلام در دائرۂ مخصوصِ ذہنِ خود و سانحِ وقتی دارند، نہ بلحاظِ استیعابِ اَزمِنہ و اشخاص، که ایں امر در ذہنِ اوشاں مخطور ہم نباشد۔ عمومِ کلام باعتبار دائرۂ عرفِ مُتکلّم و عرفِ عام باید گرفت، نہ عمومِ غیر مقصود، مانندِ آنکہ متعنّتاں مؤاخذاتِ لفظیہ و مُناقشاتِ غیر مخطورہ بکار برند۔ مع ہذا اطلاقِ اہلِ عُرف مُنْسلِخ محض از لحاظِ آخریّت نشدہ، ورنہ مُبالغہ که مقصودِ اوشاں است فوت خواہد شد، مبالغہ دراں حال باقی مانَد که آنکہ آخریّتِ وے معلوم نیست۔ بلحاظِ کمال او را آخر گویند۔ ایں است اطلاقِ اہلِ عرف باعتبار اَزْمِنہ و اشخاص۔ و از دگر جانب صنیعِ حضرتِ حق را باید دید، که نہ در یک زمانہ و نہ در ازمنۂ متعددہ ”خاتم النّبیّین“ لقب کسے سوائے محمد رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نہادہ، و نہ بر کسے دگر اطلاق کردہ، و نہ اجازت دادہ۔ ایں اشقیاء کدام معنیٔ مجازی و تسامحی را دیدہ لفظ را برائے ہماں مجاز موضوع گردانند، گویا صالحِ استعمالِ حقیقی اکنوں نماند، و از وے بکلّی منسلخ گردید، و وضعِ جدید پیدا شد، که استعمالِ وے در حقیقت

اکنوں جائز ہم نیست ۔ وایں غایتِ جہل و شقاوت است کہ در عُرفِ قرآن و عرفِ عامیانہ امتیاز نکنند، واحتیاط نورزند، و ہر چہ پیش آید بے خطرہ می تراشند ، و سے گذافند۔ بحقیقت ایں تہوُّر و تجاسُرکارِ آنکس است کہ در اصل ایمان بر قرآن ندارد ، بلکہ بر فہمِ سقیم وطبعِ منحرفِ خود ایمان آوردہ باشد۔

۹۷ــــــ بارے ایں احقر سطور ذیل نوشتہ بود ۔ مخفی نماند کہ قیاسِ قولِ باری تعالیٰ ولٰکن رسول اللہ وخاتم النّبیّین بر قولِ او ساطِ ناس کہ فلاں خاتم محققین است ، از غایتِ جہل وغباوت است ، زیرا کہ اوّل ایں قول مُحاورۂ عامیّہ است ، کہ تحقیقی نیست۔ وبسیارے از مُحاوَرات در مُقاماتِ خطابیّہ استعمال می شوند و مدارِ آنہا تحقیق نباشد۔ بر خلافِ قولِ باری تعالیٰ کہ سراسر تحقیق است ، واز حقیقتِ امر سر مو مُتجاوِز نیست ، بلکہ از وجوہِ اِعجاز ایں ہم است کہ بجائے یک کلمۂ وے دگر کلمہ از خلق ممکن نیست ، زیرا کہ حقِ آں مقام وحقیقتِ غرض اکتناہ نتوانیم نمود۔

۹۸ــــــ دوم آنکہ قائلِ وے ارادۂ تحقیق خود نکردہ ، زیرا کہ او را علمِ غیب وآنچہ در کتمِ مستقبل است ، حاصل نیست ، کہ کلام بر عایتِ دوام گوید بر خلاف باری تعالیٰ۔

۹۹ــــــ سوم آں کہ ایں قول ہر کس بر ظنِّ خود می گوید ، و در یک عصر تحقّقِ متعدد وے می گویند ، و از یک دگر خبر ندارند ، بلکہ یک کس ہم باوجود اطلاع ایں کہ دریں عصر دگراں ہم ہستند ، ایں لفظ اطلاق می کند ، واعتماد بر قرینۂ قاطعہ می کند کہ دگراں مشاہد ہستند ، و سامعینِ من در مُغالَطہ نیفتند دربارۂ آں چیزے

کہ بچشم می نگرند، و روز مرہ می شنوند۔

۱۰۰ــــــــ چہارم آں کہ ہر کس باعتبارِ عصرِ خود مراد می دارد و بس و با مستقبل کارے ندارد۔

۱۰۱ــــــــ پنجم آں کہ بر ہر یکے از انبیاءِ آئندہ بزعم ایں دجّال۔ والعیاذ باللّٰہ۔ خاتم باعتبارے اطلاق تواں کرد، دریں حال مضمونِ آیت محصّلے ندارد۔

۱۰۲ــــــــ ششم آنکہ بریں تقدیر کہ معنیٔ خاتم مہر کنندہ باشد، بر تقدیرِ تقدّمِ خاتم الانبیاء بر جملہ انبیاء ہم چناں باشد، و ایں محض بے معنیٰ است، در ہمچو حال مقدام المحققین می گویند، نہ خاتم المحققین۔

۱۰۳ــــــــ ہفتم آنکہ خاتم النّبیّین را بریں تقدیر اختصاصے زائد با اُمّتِ مرحومہ نماند، و سیاق آنست کہ در بدلِ ابوت علاقۂ ختمِ نبوّت است۔ وشاید اولادِ ذُکور برائے ہمیں نماندہ کہ طمعِ نُبوّت بعد از اں بکلّی نماند۔ یعنی علاقۂ اُبوّت مطلبید، بلکہ علاقۂ نبوت، و آں ہم ختمِ آں۔ و بودنِ عدمِ بقاءِ اولادِ ذکور اشارہ بسوئے عدمِ بقاءِ سلسلۂ نبوت، چناں کہ از الفاظِ بعضِ صحابہ ابن ابی اوفی رضؓ و ابن عباس رضؓ فہمیدہ می شود، راجع شرح المواہب من الثالث من ذکر ابراہیم علیہ السلام و در اِرْثِ نبوّت اوائلِ مریم جامع البیان مع ہامش باید دید، و مواہب از خصائص۔ وشاید مراد نفیِ اُبُوّت بذریعۂ "تبنّی" باشد، و اثباتِ علاقۂ رسالت و نُبوّت؛ و تقیید برجال برائے آں کہ "تا از صورتِ لفظ بدونِ مراد بودن نفیِ اُبوّتِ اولادِ صلبی نشود، یا مراد نفیِ مطلق اُبُوّت است برائے رجال۔ یعنی

؎ در فتوحات ہمچنیں فہمیدہ۔منہ

بالغین — شرح مواہب ص۱۸۶ — و در روح المعانی کلامِ مشبع نموده۔ غرض آنکہ محاورۂ عامیہ کلام تحقیقی نیست، بلکہ مبنی بر تساہل و تسامح است، و نظائرِ آں در بابِ آفاتِ لسان از احیاء باید دید، و نیز کلامیکہ در القابِ فاخرہ، مانندِ ملکِ املاک کرده اند، ملاحظہ باید کرد، و نہی از تزکیہ در وجوہِ ممدوحین معلوم است، پس ایں محاورات نہ تحقیقیہ ہستند، نہ شرعیہ، چہ جائیکہ شارع علیہ السّلام اسم بَرّہَ را پسند نفرموده باشد۔

۱۰۴ —— ہشتم اینکہ مدلولِ کلمۂ ختم این است کہ حکم و تعلقِ خاتم بر ما قبلِ وے جاری شود، و زیرِ سیادت و قیادتِ وے باشند، مانندِ بادشاہ کہ قائد موجودین باشد، نہ معدومین۔ و ظہورِ سیادت و آغازِ عملِ وے بعد اجتماع باشد، نہ قبل آں گویا انتظارِ قومے بعد اجتماع بسوئے کسے اظہارِ توقّف بروے است برخلاف عکس ایں کہ محض معنوی و ذہنی است، و لہٰذا عاقِب و حاشِر و مُقفّی ہمہ در اسمائے گرامی آمده اند، نہ بر لحاظِ مابعد۔ و ارادۂ ما بالذات و ما بالعرض عُرفِ فلسفہ است، نہ عُرفِ قرآنِ حکیم و حوارِ عرب۔ و نہ نظم را ہیچ گونہ ایماء و دلالت بر آں، پس اضافۂ استفادۂ نبوت زیادت است بر قرآن بمحض اتّباعِ ہوٰی۔ البتّہ سنّت اللہ ہمیں واقع شدہ کہ ختامِ زمانی کدام منصبِ عالی ہماں کس نہادند کہ لابد مزیّتے دارد، و سابقین را زیرِ سیادتِ وے دادند۔ و انبیاء را برائے آفریدنِ نبوّت نفرستاده اند، بلکہ برائے سیادت و قیادت و سیاست و ریاست۔ و بعد اجتماعِ قوم برائے صلوٰۃ طلب نصبِ امام رُو دہد۔ و ہمیں است قول او تعالےٰ یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ[1] در پیشینیان انبیاء تحتِ رُسُل برائے تکمیلِ کار می بودند کہ اشدّ دبہا

[1] بنی اسرائیل: ۷۱

اَزْرِیْ وَاَشْرِکْہُ فِیْٓ اَمْرِیْ[1] ونیز قال سَنَشُدُّ عَضُدَکَ بِاَخِیْکَ[2]
ودر مقامِ خاتم الانبیاء کدام جزء از کمال فرونگذاشتہ اند ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری ۔ آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

۱۰۵ ـــــ وازیں طرف اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ یُصَلُّوْنَ[3]
ثابت شدہ، کہ مراد از حیات اعمالِ حیات ہستند، نہ مجردِ بقاءِ روح، کہ در
ہمہ مشترک است۔ وشاید تربیتِ روحانی اُمّت از انبیاء، وتکمیلِ باطنی ایشاں باعتبارِ
جزءِ ولایت، کہ مندرج در نبوت است، بود، وولایت خود جاری است۔ پس
یک جزء اختصاصی است، ودیگر جزء اکتسابی۔ ودرینجا بحثِ ولایت نبی را از کلماتِ
عُرفاء باید دید۔ غرض آں کہ نبوّت از مناصبِ ظاہرہ وباہرہ است کہ باستخلافِ
الٰہی وَاَخذِ میثاق وبیعت از اُمَم بودہ، مانندِ خلافت در شرع کہ بعقدِ بیعت
باشد، نہ بتوریث وسرایت۔ ونیز از فضائلِ لازمہ است، نہ از فواضلِ متعدّیہ
مانند ولایت کہ بتوجہِ باطنی وہمت متعدی می شود۔ ومانندِ فرقِ معجزہ وکرامت
کہ اول بدون عقدِ ہمتِ نبی باشد، ودر ثانی عقدِ ہمت ضروری است، ہمچنیں در
ما نحن فیہ۔

۱۰۶ ـــــ آنچہ از اجزائے نبوّت قابلِ تعدیہ بود، وآں ولایت مندرجہ
در نبوت است، متعدی وساری شد، وآنچہ قابلِ تعدیہ نیست لازم ماند، و
آں نفسِ نبوت است کہ باستخلاف وتولیتِ الٰہی واَخذِ عہد ومیثاق و
نَصب بر مَنَصَّۂ شہود اتمام می باید، وتکمیلِ ظاہرِ امت منوط بوے است۔ ومرادم

---

[1] طٰہٰ: ۳۱-۳۲ [2] القصص: ۳۵ [3] رواہ البیہقی۔ وصححہ۔ وابو یعلیٰ والبزّار (فتح الباری ص۳۵۲/۶)

از تکمیلِ ظاہر تکمیلِ سطحی نیست، بل تکمیلِ غیر مستور و علی سبیل الاشتہار۔ پس حصّۂ نبوّت برائے تکمیلِ کلِّ اُمّت علی سبیل الاعلان است، وحصّۂ ولایت ازاں برائے تکمیلِ خواص۔ و آن باطن است، نہ ظاہر۔ و ساری است۔ پس جزءِ اخیرِ نُبوّت، مانندِ جزءِ اخیر علّتِ تامہ، ہمیں استخلاف و تولیت است، کہ فعلِ الٰہی است، لاغیر۔ اکنوں اگر ایں نکتہ را فہمیدی و سنجیدی از ہمہ وساوس راحتِ ابد خواہی یافت، واللہ الموفق۔

واگر در خارج مثال می خواہی پس در تحصیلِ کمالاتِ امارت نظر کن کہ مکسوب اند، ولیکن کسے والی نشود تا آنکہ سلطان اور انصب نکند، و گمان نبَری کہ کمالات ہمگی پیشتر مانند، سپس ایں استخلاف و تولیتِ الٰہی سخنے بالائی است، و چنداں گرامی نہ۔ زیرا کہ نفسِ ایں استخلافِ الٰہی مزیّتے است کہ از ہمہ مزایا و فضائل دو بالا است۔ وَاللّٰهُ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

۱۰۷ــــــــ و معلوم باد کہ در نُبوّت و رسالت باعتبارِ مفہوم تغایُر است و اجتماع، نہ نسبتِ کُلّ و جزء، و باعتبارِ صدق عموم خصوص، بمشابۂ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا۔ پس دراصل دو وصف ہستند متغائر، کہ دریک محل جمع توانند شد، و یا استلزام است۔ پس نتوان گفت کہ خاتم النبیین ہستند نہ خاتم الرسل، و نہ در آیت خاص مقابلِ عام آمدہ، بلکہ بسبب نکتۂ کہ گذشت از خصوص بسوئے عموم تحویلِ نظم فرمودہ و بس، کہ ایں گو نہ نظم یا برائے

استیفاءِ عمومِ اشخاص آید، و یا برائے استیفاءِ کدام جزءِ حقیقت۔ و نتوان گفت کہ خاتمِ نبیّین ہستند کہ از خدا خبر می یافتند، نہ خاتم اوشاں کہ فرستادہ شدند۔ زیرا کہ فرستادہ نشود بدون خبر دادن۔ درعُرفِ عامِ ایں وقت نبی مقابل رسول شائع شدہ، چنانکہ در وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ وَّلَا مُحَدَّثٍ آمدہ، بزیادت وَلا محدث در قرائتے شاذّہ۔ واز صدرِ کلام وَمَآ اَرْسَلْنَا ایں ہم لازم نیست کہ بر معطوف مُرسَل اطلاق شود زیرا کہ در توابع چیزہا مُغتفَر است۔

محصَّل آنکہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم رسول اللہ دائم و باعتبارِ مستقبل رسول علی الاطلاق ہستند، و باعتبارِ ماضیان خاتم و آخر، و ایں وصف غیر منقطع است۔

۱۰۸ــــــ ایں شقی اِدّعاءِ وحیِ مساویِ قرآن در رُتبہ، اگرچہ اِدّعاءِ نبوّت نکردہ بودے، وادِّعاءِ نبوّت، و اہانتِ انبیاء، و تکفیرِ اُمّتِ حاضرہ کردہ است۔ و ردِّ بسیارے از ضروریاتِ دین، و دعوٰیِ شریعت، و اِدعاءِ خصائصِ انبیاءؑ، و مُحاکاتِ ایشاں، و تحریفِ دینِ متواتر، و تمسخر بہ بعض شریعتِ متواتر نمودہ، کہ ہمگی وجوہِ کفر و الحاد و زندقہ باتفاقِ ملّت اند۔

۱۰۹ــــــ گاہے انعکاس را مغایرِ نبوّتِ غیر تشریعیّہ ہم می گفت چنانکہ در کاویہ صـ۱۰۰ از بدر ۱۹۰۳ء آوردہ۔ سپس ادعاءِ شریعت بہ تصریح و تحدّی نمودہ، و اگرچہ جدیدہ نہ گفتہ، لیکن آں ہم لازمِ افعال و اقوالِ وے است۔ وگذشت کہ در صاحبِ شریعت قسمے سوم افزودہ، و بآں قسم خود را صاحبِ شریعت، چنانکہ در اربعین ۴ صـ۶ از متن و حاشیہ تحدی کردہ، واُمّت

نہادہ، ونجات در اِتباعِ وے باین قسم ہم حصر کردہ، ومنکرِ خود را کافر اعلان کردہ[۵]

۱۰۱ـــــــ بُروز از مصطلحاتِ تناسخیان است، چنانکہ مزوک ولامان ادعا کردہ بودند، در ادیانِ سماویہ و شریعتِ مطہرہ و تحقیقاتِ علماءِ اسلام اصلِ آن نیست۔ و نہ ظلّیّت در محاورۂ دینِ اسلامی آمدہ۔ وتاآنکہ محاورہ جاری نشود تحریف نصوص زندقہ و الحاد است۔ و نہ قیاس در محاورہ مسموع است، چنانکہ کسے بر قیاسِ محاورۂ فارسیان "اکل الحلف" و"یا اَقتلی السّراج" می گوید، و نہ پیغمبرِ اسلام ایں حقیقت را تسلیم کردہ، چنانکہ فرمودند اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی، اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ[۱] وحدیثِ ثلٰثین دَجَّال[۲]۔ و نہ از عمارتِ نُبوّت کدام لَبِنَۃ فروگذاشتہ۔ در حدیثِ دجّالین مدارِ حکم دعوئ نُبوّت است و بس، نہ اِحصاءِ عددِ خاص۔

---

[۵] عقائد مرزا ص۶، مرقع کادیانی ص ۵۲، عجائبات مرزا ص ۷ (پس میں وہی مظہر ہوں پس ایمان لا اور کافروں سے مت ہو) از حقیقۃ الوحی ص۱۲۳ وعشرۂ کاملہ ص۵۵ از خط قادیانی وترک مرزائیت ص۵۲ (جو مجھے نہیں مانتا خواہ وہ زبان سے میرے حق میں کوئی بُرا الفاظ نہ کہتا ہو کافر ہے) تحقیق لاثانی (جبکہ خدا تعالےٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے) کادیانی کا خط بنام ڈاکٹر عبدالحکیم خان (علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا) حقیقۃ الوحی ص۱۶۳ وعبارت وے از عشرۂ کاملہ ص۱۴! باید دید کہ از جانبِ خود بحسبِ تحقیقِ خود نسبتِ زنا بسوئے مریم صدیقہ نمودہ۔ والعیاذ باللہ العلی العظیم۔منہ۔

---

[۱] متفق علیہ من حدیث سعد بن ابی وقاص رض۔ مشکوٰۃ ص ۵۶۳ [۲] ابوداؤد، ترمذی من حدیث ثوبان مشکوٰۃ ص۴۶۵

۱۱۱ـــــــ ودر آیت هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ الآیۃ وَّاٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ[۱] مساسِ تعدُّدِ بعثتِ آنحضرتؐ ہم نیست، کہ این مُلحدِ ممسوخ الفطرت الحاد کردہ۔ تعدُّد در محلِّ فعلِ بَعَثَ و متعلَّقِ وے است نہ در نفسِ فعل۔ وآیت مانند المبعوث الی الاسود والاحمر و المبعوث الی العرب والعجم است، ودرینجا حاجتِ آن ہم نیست کہ نُحاۃ گفتہ اند کہ در ثوانی مُغتفر است آنچہ کہ در اوائل نیست۔ شاید حاجت درمانندِ آیتِ احقاف باشد واذکر اخا عادٍ اِذ انذر قومہ بالاحقافِ وقد خلتِ النُّذُرُ مِنۡ بَیۡنِ یَدَیۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ[۲] وفقہاء در تعدُّدِ یمین و وحدتِ آن موشگافی ہا کردہ اند۔ و ملحد در آیت هُوَ سَمّٰكُمُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَفِیۡ هٰذَا[۳] چہ خواہد گفت؟ درعجائباتِ مرزا دیدم کہ در وَاٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ تقدیرِ عبارت رسولا منهم فہمیدہ، و دو بعثت آفریدہ، واین مسخ فطرت است، کہ ہر کسے را کہ ادنیٰ مساس ہم با عربیت باشد پیش نیاید، کہ در آیت آخرین را از اُمِّیّین فرمودہ کہ فارس صاحبِ کتاب نبودند، نہ رسول را از آخرین۔ پس باوجود این اغلاطِ فاضحہ در فہمِ عبارات از وے چہ توقع داری؟ دست از دین و فہمِ وے یک سر بردار، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

۱۱۲ـــــــ و بسیار زندیقان ہمچنیں کردہ اند کہ بعد کدام مشہور شخصے، کہ حیثیتِ وے نافذ بود، یا دعوائے حلول و بروز کردہ اند، مانندِ باب۔ ویا دعوائے

---

[۱] الجمعہ ۲-۳ [۲] الاحقاف: ۲۱ [۳] الحج: ۷۸

استقلال و نسخ ، چنانکہ بہاء۔ و ایں طریقے انفاذ غرض خود است کہ شیطان ذوقاً فوقتاً مخذولان را تلقین کردہ آمدہ۔

۱۱۳ــــــ البتہ "ظل اللہ" محاورہ است ، باعتبار تشبیہ بظلِ شجر کہ زیرِ آں مردم استراحت کنند و پناہ می گیرند و یا اضافت باعتبار تشریف باشد ، چنانکہ در بیت اللہ و نحوِ آں۔

۱۱۴ــــــ و در ظلیت اگر نبوّت حقیقۃً حاصل شدہ خاتم نبوّت مکسور شد ، چہ مقصود آں عدم حصولِ نبوّت بود ، نہ صورتِ عدم کسر۔ و اگر نبوّت حاصل نیست تکفیر منکراں خود کفر است۔ و خیال است کہ اگر کسے را گفتہ شود کہ ایں صندوقِ مقفّل مکشائی ، و او آں صندوق را بدون کشودن ہمہ بدزدد ، و یا ایں صندوق را مدزد ، او صندوق را گذاشتہ مال از درون دزدید ، مانند قصّۂ قباءِ کدام خان صاحب ، و ایں بحقیقت تمسخر است باقرآن و شریعت و تحمیقِ قائل۔ و العیاذ باللہ العلی العظیم ایں چنیں تاویلات و تسویلات مردمِ بے ایمان ہموارہ کردہ آمدہ اند۔

۱۱۵ــــــ و اگر کسے خواہد در الوہیت بروز و ظلیت اِدّعا کردہ طرحِ نو کفر نہد ، و شاید ایں لعین دعوئی بروزِ الوہیت ہم کردہ ، کہ الہام انت منی بمنزلۃ بروزی[1] می سراید ، واضح ازیں (میرے وقت میں فرشتوں اور شیاطین کا آخری جنگ ہے اور خدا اوس وقت وہ نشان دکھائے گا جو اس نے کبھی نہیں دکھلائے گویا خدا زمین پر خود اُتر آئے گا۔ جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔ یوم یأتی ربك فی ظلل من الغمام یعنی اوس دن بادلوں میں تیرا خدا آئے گا۔ یعنی انسانی مظہر

---

[1] تذکرہ ص ۵۹۶ طبع دوم

کے ذریعہ سے اپنا جلال ظاہر کرے گا اور اپنا چہرہ دکھائے گا۔) حقیقۃ الوحی ص۱۵۴ از علم کلام مرزا ص۱۴۵ مع آنکہ آیت محرّف نقل کردہ، و مع آنکہ برائے قبضہ کردنِ اسمِ احمدؐ خود را برنگِ جمال می نماید، دریں جا شیطانش فراموش کرانْد، و دعوٰئ جلال کرد، وازیں ہم اوضح درکاویہ ص ۳۸

۱۱۶ــــــــ ادارہ بر الفاظ و یا اغراض، و تمیزِ مقامِ ہر دو، کارِ علم و ایمان است نہ کارِ الحاد و زندقہ۔ و ایں اَشود کاذبِ نبوّتِ خود حقیقۃً می گوید، محمدیّت را ظلّی می سراید، و مانندِ زندیقاں جز تلبیس و تمویہ بر عوام وظیفۃً ندارد، و ہموارہ درجہاں چنیں افتادہ۔

۱۱۷ــــــــ و دگرے تواند کہ مجرّدِ ایمان را بجز فناء فی الرسول در حصولِ ایں منصب کافی داند، زیرا کہ فنا واجب نیست، بلکہ از مصطلحات محدثۃ است، و خلافِ ظاہر است بر خلافِ ایمان کہ واجب و مامور بہ از اں طرف است۔

۱۱۸ــــــــ و معلوم باد کہ اَذنابِ ایں مخذول استدراک بر وے کردہ تحریفات نو می تراشند، تحریفِ وے ایں است کہ اکنوں گذشت، و یا حجرِ نبوّتِ تشریعیہ نہ غیر آں، و یا حجرِ شریعتِ جدیدہ نہ مطلق شریعت۔ اذنابِ وے تحریفِ دگر می کنند کہ قیاس بر محاورۂ عامیّہ است، و ہمچنیں اینکہ خاتم النبیین مہرِ اعتبارِ نبوتِ دگراں ہستند ــــــــ وایں ہم تمسخر است، مہرِ اعتبار اگر زند حق تعالےٰ می زند، و نیز خاتم دریں جا بدونِ تقدیر علی نہ بمعنی مہر می سزد، چہ مضاف الیہ در معنی مفعول بہ است، و نیز دریں حال انساق درمیانِ ما قبلِ لکن و ما بعدِ آں، کہ در عربیّت شرط است، فوت شد۔ چہ درمیان ابو اَحدے از رجال بودن و

در میانِ مُہرِ اعتبارِ نُبوّت بودن ہیچ گونہ نسبتِ تبادُل نیست، بلکہ باہم جمع توانند شد، وایں امر مُفوّتِ اتّساق است، کہ شرط بود۔ شرطِ اتساق را در کُتبِ اصول و قصرِ قلب را در کُتُبِ معانی باید دید۔ ودر مُغنی ابن ہشام تصریح کردہ کہ کلمۂ "لٰکن" بعد نفی بمنزلۂ کلمۂ "بل" ہست سواءً بسواءٍ۔

۱۱۹ــــــ در نفی مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ متوہم بود کہ معلوم نہ کہ چہ چیز نفی شود، فرمودند وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ یعنی ایں مُثبت است، پس شرطِ استدراک مُوفّر شد، ودر اُبوّت کہ متضمنِ توریث است، وختمِ نبوّت کہ متضمنِ عدمِ توریث است، "تدافُع" است، پس شرطِ قصرِ قلب مُوفَّر گردید۔

۱۲۰ــــــ البتّہ آں کس کہ تدافُع شرط کردہ در صورتِ عدمِ اعتقادِ مخاطب چیزے را قصرِ تعیین اضافہ کردہ، چنانکہ خطیب۔ وسکّاکی چوں از تدافُع سُکوت کرد از قصرِ تعیین ہم سکوت ورزید۔ ونزدِ احقر در تدافُع ہمیں قدر کافی است کہ در تردید بکلمۂ "اِمّا" بکسر، کہ برائے اَحَدُ الامرین است، می باشد۔ یعنی تدافُع کہ بحسبِ مقام و مُحاورۂ متکلّم ومُخاطَب منعقد شدہ، نہ تدافُعِ کُلّی۔ معہذا قولِ سکّاکی اثباتِ شیئ دون شیئ یا اثباتِ شیئ مکان شیئ باعتبارِ غرضِ متکلّم ومسوق لہٗ عبارت صادق ومطّرد است، در خارج ہرچہ گونہ کہ حال باشد۔

۱۲۱ــــــ ودر مانحن فیہ سخنے دگر ہم است، کہ اُبوّت نفسِ وے متضمّن ومستلزمِ توریث است، پس مقابلہ درمیانِ وے وتوریث نہادن ہیچ گونہ

صحیح نیست، وہمچنیں نفسِ قتل در وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ[1] مستلزمِ رفعِ درجات است، و مقابلہ صحیح نیست، و نہ طباقِ نزول در حدیث باوے مستقیم.[3] برخلافِ "مازید بشاعر ولکنہ کاتب"، کہ مقابلہ بحسب خصوصِ مقام

---

[3] (فائدہ زائدہ) حق تعالےٰ در آلِ عمران دو لفظ جمع کردہ "توفّی" یعنی وصول کردن چیزِ خود، و "رفع"۔ و در نساء و مائدہ تقسیم ایں دو کلمہ فرمود، کہ در مقابلۂ قتل رفع آوردہ، و در مقابلۂ مَا دُمْتُ فِيْهِمْ توفّی آوردہ: بایں تقسیم و مقابلہ مفہومِ ایں دو کلمہ بوضوح پیوست، کہ توفّی در آلِ عمران بمعنی وصول کردنِ چیزِ خود، مقابل دوام درمیانِ ایشاں وماندن در ایشاں است، و رفع امرے و چیزے مقابلِ قتل است، نہ اینکہ توفّی و رفع باتغائر مفہوم واحد بمصداق اند، کہ موت طبعی است۔ زیراکہ در مقابلۂ قتل لفظے باید کہ خصوصیت بر موتِ طبعی دارد، نہ کدام لفظے عام و مبہم و کنایہ۔ و معلوم است کہ برائے رفعِ جسمانی ہمیں یک لفظِ رفع است، نہ برائے مردن کہ دگر الفاظ صریح اند۔ چہ اگر رفع را بمراد برداشتن ازمیان و غائب کردن از ایشاں داریم تاہم دلالت بر خصوصِ موتِ طبعی نکرد، و نزول در حدیث کہ بر طباق آمدہ مطابق نماند۔ و سیاق آنکہ وجہِ اشتباہ برایشاں بیان می کنند، کہ قتل نہ شد، بجائے او رفع بودہ، و موتِ طبعی موجبِ اشتباہ نیست، اگر باشد فقدِ متقدم بر موت باشد، و آں مذکور نیست، و ترکِ مقصودِ اصلی و عدمِ اخذ آں را استتار است، و اخذِ ایں و آں بلاغت نیست، بلکہ عجز و عیّ است، و مقابلۂ قتل بالفظِ موت ہم دائم نیست، یحییٰ قتل شدہ اند و در قرآن تعبیر بہ وَيَوْمَ يَمُوْتُ[2] آمدہ۔ پس وجہِ اشتباہ ذکر کردند، و لہٰذا کلمۂ یقیناً افزودند، کہ آں رفع است۔ نہ کہ بیانِ سوانحِ عمری حضرتِ عیسیٰ مقصود است، موتِ طبعی آں وقت نبود، و موت مابعد را چہ دخل در اشتباہ، در عالم ہمگناں را باشد، چہ وجہِ اشتباہ است،

---

[1] النساء: ۱۵۷، [2] سورۂ مریم: ۱۵

است ، فی الجملہ ترکیب بحسبِ دلالتِ وضع و افادۂ عبارت از جانبِ متکلم لا محالہ برائے مقابلہ است۔

۱۲۲ــــــــــ پس مُہرِ کسے استعمال کردن خیانت است ، خود صاحبِ مُہر استعمال می کند ، وگیرندۂ وے دگرے را جائز نہ ، لہٰذا نہی از نقش وے آمدہ[1] وبریں تقدیر کہ مُہر خود آنحضرت ﷺ باشند صاحبِ مُہر حضرتِ حق است۔ وخاتمِ نُبوت محسوس ہم بود ، کہ برظہرِ نبی کریمؐ ثبت بودؐ[2] ، واز روایتِ ابو داؤد طیالسیؒ[3] مستفاد می شود کہ علامتِ ختمِ نبوت برایشاں بود ، نہ برائے ما بعدِ ایشاں۔ زیرا کہ بر ذاتِ ایشاں زدہ بودند۔

۱۲۳ــــــــــ وخاتم بمعنی مہر برائے حفظِ مختوم و منعِ خلیدنِ شئے دگر است ، کہ از لوازمِ وے تعارف است ، و واحد بالعدد بودن ، اگر نزد دگرے برآمد خائن است و دزد ، زیرا کہ خاتمِ کسے قائم مقامِ شخصیّت و اسمیّتِ وے است ، و در اصل بمعنی طابع است ، مانند گلِ مختوم ، عام از مُہر۔ و در زمانِ قدیم بر پشت و بیرونِ ملفوف می زدند ، نہ در اندرون۔ سپس رواج تبدیل شد۔ و برائے مجموعِ حفظ و سر بمہر کردن و تعارف بود ، و ازیں مجموعۂ اعتبارِ ملفوف لازم می آمد ، نہ آنکہ موضوع برائے اعتبار بود۔ و بمعنی انگشتری ہم اصل نیست ، بلکہ فرع است کہ مناسبِ مقام نیست۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) دخیل در اشتباہ آں رفع است کہ آں وقت بودہ باشد۔ فافہم۔ وچوں در وَکُنْتُ عَلَیْہِمْ شَہِیْداً ، مراد بنی اسرائیلِ شام ہستند نہ ملک دگر ، مراد فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ متعین شد کہ بمعنی موت نیست ، بلکہ بمعنی مذکور ، زیرا کہ موت نزد ایں ملحد بملک دگر بعد مدتِ دیر باز است۔ منہ

[1] متفق علیہ من حدیث ابن عمرؓ مشکوٰۃ ص ۳۷۷ [2] ترمذی عن علیؓ۔ مشکوٰۃ ص ۵۱۷ [3] ص ۳۵۴

فہرست

۱۲۴ــــــ و خاتم در قرآن مجید باعتبارِ ماضی بود، این مخذول باعتبار مستقبل نہاد وبحقیقت جنس شد، نہ جزئی۔ زیرا کہ باتّباعِ انبیاءِ سابقین نزدِ وے نبی ہم شده اند و محدَّث ہم، پس خصوصیتِ خاتم الانبیاؑ نماند۔ در ہذیانِ خود خاتم را گاه برائے اجراء نہد، وگاه برائے انقطاع۔ سوداءِ مرزا ص۳۲ و رسالۂ ترک ص۸۰ و ص۳۸ و حقیقۃ الوحی ص۲۸

۱۲۵ــــــ حاصل آں کہ تحریفِ انعکاس با آنکہ درخارج مصداقے ندارد و لفظے است بے معنیٰ، بناءِ تکفیرِ منکرانِ این ملحد بروے موجبِ کفرِ خود وے بعدوِ منکراں کہ کل اُمّتِ حاضره است خواہد شد۔ و تحریفِ حجر نبوتِ تشریعیہ نہ غیر تشریعیہ خلافِ نصِّ قرآن است، کہ در ذکرِ ختم از کلمۂ رسول بسوئے کلمۂ نبیّین تحویلِ نظم فرموده، و محطِّ فائده ہمیں مزّیت را اراده نموده، چنانکہ تقریر آں بوضوح پیوست، و تحریفِ مُہرِ اعتبارِ نبوت مُفَوِّتِ اتّساقِ نظم باوجود محذوراتِ باطلۂ مذکورۃ الصدر است۔

وظلّیّتعہ و بُروز و مانندِ آں اگر انعکاس است پس حال وے گذشت، کہ سَراب از راه برنده سُفَہا و ملاحِده است، و اگر چیزے دگر است لقلقہ محض لسانی است، کہ ملحد ان مریدانِ خود را بامثالِ این دعاوئ بسیط وجہلِ مرکّب راه می زنند۔ پس ہمہ تحریفاتِ این شقی ہمراهِ وے در گورِ وے کہ ہاویہ است دفن شدند، وقالوا الحمد للّٰہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللّٰہ۔

عہ رسالۂ ترک ص۳۴ (مگر ظلی نبوت جس کے معنی ہیں کہ فیضِ محمّدی سے وحی پانا وه قیامت تک باقی ہے) حقیقۃ الوحی ص۲۷-۲۸

۱۲۶ــــــ سپس باید دانست کہ عالم قدیم بالنوع نیست، چنانکہ این
دنا خلف دسے می سرایند، بلکہ باعتقادِ ادیانِ سماویہ از ہر دو طرفِ ماضی و
مستقبل محدود است، چہ مستقبل ہمگی از قوت بفعل برآمدہ، و مسئلۂ تجدّدِ
امثال، کہ معرفتِ عُرفا است، ہم مسئلۂ درست است، باقی ماند ماضی!
پس اگرچہ بداہتِ وہم حکم می کند کہ غیر متناہی بالفعل است، و تعطیلِ فیض
نامعقول. لیکن حقیقت چنین نیست، و عالَم از ہر دو جانب غیر متناہی بمعنیٰ لایقف
عند حدٍّ ہست لاغیر، چہ وسعتِ قِدَم را بہ بسطِ حوادثِ غیر متناہیہ بروے
پُرکردن، چنانکہ مذہب فلاسفہ است، نامعقول است، چہ وجودِ حادثِ زمانی
درازل و تقویم قدیم بالحوادث ناممکن است و خلافِ مقدمۂ حقہ کہ ما ثبت قدمہ
امتنع عدمہ نیز۔ حقیقت الامر این است کہ چون از باری تعالیٰ زمانہ رفع
کنیم کہ متفق علیہ درمیان عُرفا و عقلاء است، حوادث در عالمِ خود، کہ موطنِ حدوث
است، از جانبے می آیند، و بجانب دگر می روند۔

ع ازین در درآئے و ازین در خرام

ما جانبِ ایاب را مستقبل نام نہادہ ایم، و جانبِ ذہاب را ماضی
و بس۔ پس ہر دو ماضی و مستقبل کدام حقیقتے واقعیہ ندارند، بلکہ محض اعتباری
و اضافی بنسبتِ ما کہ حوادث ہستیم ہستند، و زمانہ ہم حقیقتے واقعیہ ندارد،
بلکہ امرے انتزاعی از تجدّد و تقضّی حوادث است لاغیر۔ سبحان الذی
یُغیّر ولا یتغیّر۔ دریں حال اگر ارادۂ ازلیہ ہم با حداثِ حادث متعلق شود
آں حادث بحسب مقتضیٔ حقیقت خود در مغاکِ عالمِ حدوث خواہد افتاد،

تا انقلابِ حقائق لازم نیاید، مانندِ آں کہ واجب تعالیٰ اگر کدام مخلوق را پیدا کند لامحالہ وے ممکن باشد، نہ واجب۔ و ایں ہم ممکن نیست کہ ہر فرد حادث باشد و مجموع من حیث المجموع قدیم، بلکہ اینجا حکم کلِّ افرادی و کلِّ مجموعی متفاوِت نیست۔

۱۲۷۔۔۔۔۔ وچوں حکیم تصریح کردہ است کہ ہر چیزے را کہ بدایت است نہایت لازم است، و از دوامِ مستقبل جواب دادیم کہ تجدُّدِ امثال ست لاغیر، پس حسبِ حدیثِ نبوی عمارتِ نُبوّت ہم آغاز و انجام داشت کہ از آدمؑ شروع کردہ بر خاتم الانبیاؑ کہ آخرین لِبنۂ ازاں عمارت ہستند، اختتام فرمودند۔ و اکنوں صدد آنست کہ بر عالم طبلِ رحیل زنند، گویا نظامِ عالم مانندِ جلسہ بود کہ مجلسِ استقبالی منعقد شد، و از قدومِ صدرِ جلسہ خبر داد، کہ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ[۱] و صدرِ کبیر قدومِ میمنت لزوم ارزانی داشت، و خُطبہ خواند، و جلسہ را پدرود کردند۔

---

[۵] مستحقِ اِسْمُهٗۤ اَحْمَدُ آں ذاتِ گرامی است کہ عالمِ ایں اسم مبارک و تسمیہ بوے از وے آموخت، و ایں اسمِ مبارک وے بمثابۂ لقب است، و محمدؐ بمثابۂ اسم محض۔ و در آیت براتے ہمیں یعنی اِعلام بایں لقب گرامی اسمہ اضافہ کردند، و ہمچنیں است یٰزَكَرِیَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣ اسْمُهٗ یَحْیٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا[۲] ایں اسمِ گرامی ہم بمنزلۂ لقب است، ورنہ مشہور درمیان ایشاں یوحنا بودہ۔ و ہم بریں منوال است اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ۔ الآیۃ[۳] مسیح لقب

---

[۱] الصفّ: ۶ [۲] مریم: ۷ [۳] آل عمران: ۴۵

فہرست

۱۲۸ —— احقر ہیچ مدان در نعتے گوید۔

اے آنکہ ہمہ رحمت مُہداۃِ قدیری ۱ باراں صفت و بحر سمت ابرِ مطیری
معراجِ تو کرسی شدہ و سبعِ سماوات ۲ فرشِ قدمت عرشِ بریں سدہ سریری
بر فرقِ جہاں پایۂ پائے تو شدہ ثبت ۳ ہم صدرِ کبیری و ہمہ بدرِ منیری
ختمِ رُسُل نجمِ سُبُل مَنبعِ ہدایت ۴ حقا کہ بشیری تو والحق نذیری
آدم بصفِ محشر و ذرّیّتِ آدم ۵ در ظلِّ لوایت کہ امامی و امیری
یکتا کہ بود مرکزِ ہر دائرہ یکت ۶ تا مرکزِ عالم تو اے بے مثل و نظیری
کس نیست ازیں امتِ تُو آنکہ چو احقر ۷ با روئے سیاہ آمدہ و موئے زریری

---

۱۲۹ ——

گفتمت حرفِ راستی و درست ۱ ہاں کہ در رہروی نمانی سست
نگذاری مرا بہ دردم فرد ۲ زانکہ ایں دینِ واحدِ من و تست
اہلِ حق را ہمیشہ فتحِ قریب ۳ ہمتِ مرد کار باید چست
من و تو درمیاں بہانہ شدیم ۴ ہمہ او ہست و اپسین و نخست
نگ کہ اندر خرابۂ دنیا ۵ خار و گل در چمن بیک جا رُست
در شبِ تار مشکِ تاتاری ۶ گم نگرد آنکہ بوئے خوش را جست

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) گرامی است، غرض ازیں آیات اطلاع دادن باین اسماءِ لَقَبی است، تا ایں اسماءِ مبارکہ نیز قوم را معلوم شوند، واگر مسألۂ اسم عینِ مسمّٰی بودن و یا غیر آں فہمیدہ باشی پس دریں آیات غیر ست و در مُحمّد رسول اللہ والذین معہ[1] عین، فافہم۔ منہ

[1] الفتح: ۲۹

فہرست

دوشش در گوشِ من سروشِ نوید ۷ کہ نگہدار این دو حرفِ درست

رایتِ حق بلند می باشد ۸ دریدِ مستمند می باشد

ہر کہ ادراکِ مقصدِ خود خواست ۹ گر رسید آں رسید از رہِ راست

یارب این بندۂ ملامت را ۱۰ نبری راہِ چپ قیامت را

بطفیلِ محمدِ عَرَبی ۱۱ خاتم الانبیاء رسول و نبی

بہرِ عالم اِمام نیز ختام ۱۲ باد از حق برو صلوٰۃ و سلام

رحمتِ عالمیں ہمہ رحمت ۱۳ اوّلِ خلق و آخرِ بعثت

سیّدِ جملہ خَلق در محشر ۱۴ سرورِ کائنات و خیرِ بشر

صاحبِ حمد و خطبہ روزِ جزاء ۱۵ ہم ز حمدش عیاں مقام و لواء

آنکہ زیرِ لواءِ وے ہمہ خَلق ۱۶ آدم و من سوا بُوَد بے فرق

فاتح و خاتمِ نبوّت اوست ۱۷ اول و آخرینِ رفعت اوست

اختفائے کہ بود بہرِ مہام ۱۸ منتظرِ صدرِ جلسہ بود و ختام

اہلِ عُرف این ختام نشناسند ۱۹ زانکہ ز اوّل نظام نشناسند

بود فاتح چو در مراتبِ جود ۲۰ موطنے نیز بود آں ز وجود

از شرف خاتم کمال بود ۲۱ ہست اِلحاد کآں زوال بود

سابقین جملہ در قیادتِ وے ۲۲ ہست کافی پئے سیادتِ وے

منتہا بود در کمالاتش ۲۳ در ظہور این بود علاماتش

آنکہ پیشینیاں بموکبِ وے ۲۴ نبود لاحقے بمنصبِ وے

چوں کسے کار را تمام کند ۲۵ ہست وارد کہ این نقیصہ بود؟

پیشتر ہرچہ بود بُد تمہید ۲۶ آخر آں غایتِ کمال رسید

ہست فی نفسہٖ بدونِ سوال ۲۷ بالبدا ہت کمال ختمِ کمال

ایں کمال ار معارضِ دگر است ۲۸ نزدِ حق جز نہ عیب، بل ہنر است

منصبے ہست از عنایتِ حق ۲۹ نے بتولید کاو فتاد قلق

تولیت از حق است شرطِ مقام ۳۰ ہمچو کز بیعت است نصبِ امام

ایں بود معنی وَلَمْ یَعْرِفْ[1] ۳۱ اے امام زماں و مانندِ خرف

مُردنش جاہلی است بے بیعت ۳۲ چو حمل او فتادہ در ظلمت

بنظر سوئے جاہلیّت راند ۳۳ ہمچو عنواں کہ ہمچو ایشاں ماند

ہم امامت کہ بعد وے موصوف ۳۴ جُستہ آید نہ نزد شاں معروف

بعد تنفیذِ سلطنت از تہم ۳۵ می نماید ترا بعید از فہم

باطنے نیست غیر ایں مقصود ۳۶ ہست امام آں خلیفۂ معہود

از نبی بُد لحاظِ استحقاق ۳۷ پس زاشکال آمدہ اطلاق

متعدد فتند مُدَّعیاں ۳۸ حق شناسی ترا رسد زمیاں

باز ہرکس بذوقِ خود نردد ۳۹ حلّ و عقد زمانۂ ندرد

سیرتِ انبیاء است بر فطرت ۴۰ نے تفلسف تَکَلُّف و شُرت

داند آں کس کہ فرقِ چیز کند ۴۱ عمل و علمِ شاں تمیز کند

پس ز قرآں کہ در خطابِ جواب ۴۲ بر تَوَکُّل طریقِ شاں دریاب

نے بجمعِ حطامِ دُنیا فکر ۴۳ نے تناقض بقول ولائۂ و مکر

ہرچہ باشد برائے دیں باشد ۴۴ صبر و اخلاص و مریقیں باشد

---

[1] من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاہلیۃ۔ کنز العمال ص ۳۳ ج ۶ طبع جدید حیدرآباد دکن۔

فضلِ او مسئلہ سرایت نیست ۴۵ ہم نبوت بجز عنایت نیست

ہست فضلِ جنابِ رحمانی ۴۶ چوں لقب یا خطابِ سلطانی

و آں لقب نفسِ وے چو والابُد ۴۷ از کمالات خود دو بالا شد

ہست ابداع نیز در قدرت ۴۸ نے ہمیشہ بمادۂ وصورت

پس ہمیں تولیت وجود ہموں ۴۹ ہمچو ارشادِ وے کہ کن فیکون

ویں نہ فہمی کہ محض تلقیب است ۵۰ آنچہ گفتیم ہمہ بتقریب است

در کمال و نبوت از تحقیق ۵۱ اختلاف است نوعی از تفریق

فاتح و خاتم آں یکے را کرد ۵۲ ہست ایماں کہ با خدا است نبرد

فتح و ختم ایں دو از مشیّتِ اوست ۵۳ چیست در وے سوال ایماں دوست

نسبتِ وے بجملہ یکساں است ۵۴ پس چہ در وے سوالِ از ماں است

سابقین جملہ اند زیرِ لوا ۵۵ پس چہ بحث است ازیں زیادہ ترا

ہست مکسوب یا کہ موہوب است ۵۶ زیں فضولی ترا چہ مطلوب است

بر بیادت برو تو ایماں دار ۵۷ کارِ حق را بسوئے حق بسپار

در خصائص چہ شرکت و انباز ۵۸ از فواضل کجا فضائل باز

آنکہ گفتہ نبی نبی ساز است ۵۹ در مشیّت شریک و انباز است

گر نبی در زمانۂ اوّل خاست ۶۰ بودے ایں حرف نے در آخر راست

تولیت چونکہ ہست جزءِ اخیر ۶۱ بر ترش اختیار شاہی گیر

گر نہ فہمیدی ایں مقامِ دگر ۶۲ قصّۂ آدم و رجیم نگر

ہاں ولایت کہ در نبوّت ہست ۶۳ مثلِ جز و آں نصیبِ اُمّت ہست

و آں خطاب و لقبِ حضرتِ حق ۶۴ نیست در وے مساہمت مطلق
مستفاد از بود کمال متاب ۶۵ کز خطابات نیست نے ز القاب
قطبِ جیلی بایں اشارت کرد ۶۶ گفت او یتیم اللقب آں فرد
در فتوحات این چنیں آورد ۶۷ در یواقیت[1] لفظ افزوں کرد
و آنچہ بعدش بگفت لَمْ تُؤْتَوْا ۶۸ یعنی آں حصۂ کاں بماند فرو
آنچہ واماند وقتِ قسمِ شما ۶۹ پس عنایت ہماں نمود بما
خواہم از حق کہ برحقم دارد ۷۰ وز نبی کامتی امم بشمارد
شوکتِ دینِ وے فراواں باد ۷۱ بندہ از بندِ غم شود آزاد

۱۳۰ــــ و دریں جا رسیدہ سیرتِ شریفۂ انبیاءؑ از قرآنِ حکیم کہ در خطاب و جوابِ اوشاں می آید و از کتبِ خصائص و سیر مطالعہ باید کرد، کہ چگونہ بناءِ امرِ شاں بر توکّل و یقین، و صبر و استقامت، و اوالوالعزمی و شہامت و وقار و کرامت، و انابت و اخلاص، و فضل و اختصاص، و بردِ یقین و ثلجِ صدر، و اعتماد و انشراح مانندِ تباشیرِ فجر، و امانت و صدق، و رأفت و رحمتِ خلق، و طہارتِ ذیل و نظافتِ جیب، و اخبات الی اللہ و سائلِ غیب، و زہادت در حظوظِ دنیا بہمہ حال، و انقطاع و تبتّل بسوئے ایزد متعال، و بے التفاتی در زخارفِ دنیا، و بے میلی در اموال، و توریثِ علم و عمل و عدمِ توریثِ مال و منال، کہ لَا نُوْرِثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ[2] و ترکِ فضول و صونِ لسان ازاں، و متابعت و مطاوعتِ حق در ہمہ شاں، و موافقتِ ظاہر و باطن بدون ہیچ انخرام و انثلام، و بدوں تراشیدن اعذارِ

[1] الیواقیت والجواہر للشعرانی صـ ۳۹ [2] متفق علیہ من حدیث ابی بکرؓ۔ مشکوٰۃ ص ۵۵۰

باطلہ و تاویلاتِ فاسدہ و تعلّل و تمحُّل در اتمام مرام، کہ مَا اَضْمَرَ اَحَدٌ فِیْ نَفْسِہٖ شَیْئاً اِلَّا اَظْهَرَہُ اللّٰہُ عَلٰی صَفْحَاتِ خَدِّہٖ وَ فَلَتَاتِ لِسَانِہٖ و بدون تطرقِ تہافُت و تساقُط و تعارُض و تناقُض در کدام امرے از امور، بل و ضوحِ حق از پردۂ غیب و مکمن قضاء و قدر بر وفقِ انشراحِ صدور، و بدون کدام رجوع و بداءِ خیال در تحقیقِ اطلاعاتِ الٰہیّہ و مواعیدِ قادرِ ذوالجلال و صفاءِ سِرّ و سریرہ، و اطّراد و اتحادِ طریق بدون کدام تمحُّل و تعلُّل در تعارض و توفیق، و ایثارِ جانبِ خدا بر جانبِ اغراض، و از وُصلات و علائق تسلُّل و اِعراض، و استدامتِ حمد و شکر و یادِ حق و ذکر در ہمہ حوادث و اعراض، و تربیتِ ایشاں بحسبِ فطرتِ سلیمہ، و علمِ لدنّی زیرِ عنایتِ ربّ العالمین، بدون کدام تفلسف مزاجی و اختراعِ مخترعین و تکلّفِ مُتکلّفین، و تسلیم و تفویض و عبدیّتِ کاملہ، و طمانیتِ زائدہ، و استقامتِ شاملہ، و ظہورِ دینِ ایشاں بر اَدیان و نشرِ ایمان و خصائلِ ایمان در اکوان بودہ۔ و ہیچ گاہ راہِ لابہ و چاپلوسی نہ پیمودہ، و نہ ہیچ گونہ در مقابلۂ کُفّار و جبابرہ از کلمۂ خود تنزّل فرمودہ، و یا بتخویف و تہدید و ہجومِ ایشاں از جادۂ خود انحراف نمودہ، و یا لوثے از طمع و جمع از حطامِ دنیا بدامنِ ایشاں رسیدہ، و یا حرص و ہوا و حُبِّ ماسوا بسوئے خود کشیدہ، و نہ باہم اختلافے در علم و یا در عمل و ردّ و قدحے بر یک دگر آوردہ، و یا ہجو و تہوینِ نشان کردہ۔ و نہ گاہے اِدلال و عُجب بر کمالاتِ خود و یا ہزّۂ نفس و نفخ و کبر در حالات۔ بالجملہ ہرچہ بودہ از مواہبِ ربّانیہ بودہ، نہ از دائرۂ ریاضت و مکاسبِ انسانیہ، اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ

یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ[1] و فرمودہ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ[2]
در آیتِ اُولیٰ حوالہ بر امرے ایجابی فرمودہ، کہ علم الٰہی است، و در آیتِ ثانیہ بر امرے غیر ایجابی، کہ مشیئت است۔ و بیشتر دیدہ شدہ کہ درباب تخصیص و اِصْطِفاء و اِجْتِبَاء از جانبِ خود حوالہ بر اُمورِ الٰہیّہ کردہ آید، کہ از مکاسب نیستند۔

۱۳۱ ——— مخفی مباد کہ آں چہ از مجمل سیرتِ انبیاء نگاشتہ شد، دیا کسے دگر دگر چیزہا نگارد، نہ اینکہ حقیقتِ نُبوّت ہمیں قدر است، و نہ آنکہ علماء نوشتہ اند کفایت کردہ، و نہ آنکہ ایں مخذول تکرار و اصرار کند، و فی الحقیقت از علماء آموختہ آسیا گرداند، کہ نبوت عبارت از کثرتِ مکالمۂ الٰہیہ است، بلکہ ایں ہمہ از رسومِ ناقصہ است کہ نشانے از راہ دہد و سراغے وانماید، و حقیقت الامر را جز انبیاء کہ موصوف بہ نبوت اند، کسے دگر نمی داند، و نہ در مجالِ وے کہ ایں گونہ امورِ الٰہیہ را اِکْتِنَاہ کند و بایں معاملاتِ الٰہیّہ و مقاماتِ رَبَّانیہ در رسد۔ و ایں معنیٰ را در فتوحات در بابِ ثالث و ثلثمائتہ بہ تفصیل آوردہ، و فرمودہ "فالنبی ذو عین مفتوحۃ لمشاھدۃ النبوۃ والولی ذو عین مفتوحۃ لمشاھدۃ الولایۃ ذو عین عمیاء عن مشاھدۃ النبوۃ" اھ ـ

کس نہ دانست کہ منزل گہِ آں دوست کجاست
ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

مانند صلصلۃ الجرس۔

---

[1] الانعام: ۱۲۴ [2] آل عمران: ۱۷۹

۱۳۲ـــــ از احادیثِ نبوّیہ معلوم می شود کہ حقیقتے ذی اجزاءِ کثیرہ است کہ تفصیلِ آں اجزاء نفرمودہ اند، و بر بعضے ازاں اجزاء حکم انقطاع فرمودہ، و چیزے از مبشرات باقی است، و ایں حکم باعتبار جزءِ اخیرِ علّتِ تامّہ است، والّا کمالاتِ ممہّدہ کہ نبوّت بر کرسیِّ آنہا نشیند، و یا مانند صورت بر مادہ، یا نقش بر لوحِ سادہ، و یا مانندِ مشروط و موقوف بر شرط و موقوف علیہ، آں کمالات جاری و ساری ہستند، و صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ[1] مع کریمہ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ[2] مانند وَإِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ[3] باید فہمید، و معیت مانند حدیث أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ[4] و إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ[5] و خود در آیت فرمودند وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيْقًا[2] و ایں آیت نساء را در موضع خوب فہمانیدہ، کہ کہتراں را با مہتراں نہند، مانندِ آں کہ خدم را با امراء۔ زیرا کہ در صدرِ اطاعت مذکور است کہ اوّل مرحلہ است۔ و سرایتِ ہمیں کمالات است کہ ایں جہول مخذول از راہ بُردہ، و تعدیۂ نبوّت شمردہ۔

۱۳۳ـــــ و اگر کسے تفلسف سر نہادہ می گوید کہ "ہماں حقیقت است کہ در غیرِ انبیاء متحوّل بسوئے ولایت گردید، و ہمچنیں وحی و الہام، و عصمت و محفوظیت، و معجزہ و کرامت۔ مانندِ ضیاءِ شمس کہ در کاسہ قمر نور شود، و یا مانندِ اشیاء کہ در خارج اعیان ہستند، و در ذہن صور، و در مرایا اشباح۔ و یا مانندِ تفاوتِ وجوداتِ اشخاص کہ تمنّیٔ رفعِ آں جہل است" ایں تفلسف، ہم قابلِ وثوق و اعتماد

---

[1] الفاتحہ ۶، ۷ [2] النساء: ۶۹ [3] الاحزاب: ۳۷ [4] مشکوٰۃ ص ۴۲۶ [5] الانفال: ۴۶

چنداں نیست ، چہ ہمہ اشیاءِ مذکورہ از مرتبۂ قطعیّت منحط شدہ
در مرتبۂ ظنّیّت آمدند ، کہ تواں گفت کہ از وجوب بسوئے امکان رسیدند؛
پس ایں اختلاف ، اختلافِ عوارض است و یا اختلافِ حقیقتؔ ، مانندِ
تفاوتِ اشخاصِ نوع است باوجود اتحادِ حقیقت و یا چہ ؟ ایں امرے است
کہ جز علّام الغیوب کُنہِ آں را کسے نداند ، نہ آنکہ در زیادت و نقصانِ ایمان
کہ آیا در عوارض است و یا در نفسِ حقیقت ؟ تا حال انفصال نشدہ۔

۱۳۴ــــــــ و چوں متأخرینِ اہلِ معقول در حصولِ اشیاء باشباحہا مقرر
کردند ، ماناکہ در حصولِ صفات نفسیّہ غیر جزیں راہ نیست ، الّا آنکہ حصول
باستحقاقِ خود باشد ، نہ بطور استفادہ ، پس استفادہ کہ ایں مخذول
سرائیدہ راجع بسوئے ذاتِ خود گردید ، و در واسطہ فی الثبوت کہ واسطہ
و ذوالواسطہ ہر دو موصوف باشند عقلاء را دراں ہم معرکہ است ، بعضے
ازیشاں فہمیدہ اند کہ فعل از فاعل صدور یافتہ دگر سرِ وے بر مفعول بہ می
رسد ، کہ آنرا بمفعول مطلق نام کردند ، حقیقتے جداگانہ نیست ، البتہ اثرِ فعل
چیزے جداگانہ است ، پس دریں اُغلوطات افتادن و ضروریاتِ دینؔ
متواترات را برہم شکستن کارِ الحاد و زندقہ است۔

۱۳۵ــــــــ و معلوم باد کہ در اجرائے نبوت دریں اُمت ہیچ مزیّتِ ایں
اُمّت و یا مزیّتِ آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ظاہر نمی شود کہ در پیشینیاں نظیرِ
وے موجود است ، و فرقِ استفادہ و عدمِ استفادہ ، چنانکہ گذشت ، لغو
است ، تمیزے و اثرے در خارج ندارد ، صرف اختراعے ذہنی است کہ

زائد از طفل تسلّی نیست؀ پس بچہ معنیٰ خاتم النبیین آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم را فرمودہ اند ؟ اگر گفتہ آید کہ خاتمِ کمالاتِ نبوّت ہستند کہ مسافت کمالات واجزاءِ نبوّت را باختتام رسانیدند و سپری کردند، اگرچہ دورۂ وزمانۂ نبوت ہنوز باقی است، پس در نظم قرآن کجا است کہ خاتمِ کمالات نطق فرمودہ باشند ؟ وکدام کس را حق است کہ از حقِ کلمۂ وے بدر رود ؟ کہ خاتمۂ اشخاصِ انبیاء فرمودہ اند، و این امر فرعِ ختمِ کمالات ہم است ۔ و علامتِ آں کہ بختمِ زمانی ختمِ کمال نمودند، و این گونہ ختمیّت در عالمِ تقدیر مقرر و مرعی است و مسلوک و ماثور، کہ ختمِ صوری را علامتِ ختمِ معنوی می گردانند، و این امر در شاہد یا بفتح است و یا بختم، در آنحضرتؐ ہردو جمع فرمودند، خسرو فرمایدؒ

شاہِ رُسُل و شفیعِ مُرسَل

خورشیدِ پسین و نورِ اوّل

ونظیر آں در سابق نیست، پس مزیّت این است یا بر منوالِ سابق بودن ؟

۱۳۶ــــــ و اگر صاحبِ اختیار و مالکِ امر گوید کہ من فلانی منصب را از آنجا آغاز کردہ بر فلاں اکمل اختتام کنم، آیا این امر نزد اہل عرف بداہتہً کمال نیست؟ کہ این ملاحدہ در بدیہی تشکیک انداختہ اند، و گذشت کہ قولِ کسے خاتم المحدثین، بمعنی خاتمِ کمالات من بین المحدثین نیست، بلکہ خاتمِ اشخاص۔ و مبنی بر مسامحت

؀ مفتی محمد عبد اللہ صاحب لدھیانوی در ص۱۱ فتح بعض عبارات این ملحد درین معنیٰ نقل کردہ۔

فہرست

و مجازفہ، کہ کلامِ ملکِ علّام ازاں پاک است۔ واللّٰہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

۱۳۷ــــــ بالآخر مُحصّلِ آیتِ کریمہ بازاعادہ کردن مناسب است، کہ فہمِ مزایا و اعتباراتِ مناسبہ و لطائف و نکاتِ کلامِ معجز نظامِ ملکِ علّام براہلِ زماں خیلے دشوار افتادہ، بلکہ از طوقِ طاقت بشر دور۔ الا من اتی اللّٰہ بقلب سلیم۔

۱۳۸ــــــ پس بداں کہ آیت کریمۂ ہٰذہٖ خطاب باہلِ جاہلیّت نیست، زیراکہ مدینہ است، و نہ بر مؤدّٰی اِنّ شَانِئَکَ ھُوَالْاَبْتَرُ[۱] کہ مکیّہ است و در ردِّ اہلِ جاہلیّت آمدہ، البتّہ در اصلاح رسمے ــــــ از رسومِ عُرفیہ آمدہ کہ تَبَنّی را مفیدِ توریث می فہمیدند، و ایں عُرف دریں زمانہ ہم چیزے ہست، و نہ بوقتِ نزول کدام فرزند موجود بود، حضرتِ ابراہیمؑ ہنوز مولود نشدہ بودند، و دیگراں پیشتر گذشتہ بودند، پس از ابطالِ تبنّی کہ بایں لفظ بودے، کہ تَبَنّی ہیچ نیست و حکمے براں مرتب نہ، بسوئے اعم رفتند، کہ مُحمّدؐ پدرِ کسے از مردانِ شما نیستند، و نہ برائے اجراءِ سلسلۂ ذرّیّت پسری، و ابقاءِ ایں خاندان و اولادِ ابنی، البتہ رسولِ خدا ہستند، و خاتمِ انبیاءؑ۔

۱۳۹ــــــ و در سلسلۂ کلام بسا افتد کہ از چیزے بسوئے چیزے دگر مناسبِ مُقام و یا از اخصّ بسوئے اعم روند، پس ایں آیت در خصوص

---

[۱] الکوثر : ۳

فہرست

تبنّی نماندہ ، و در سلسلۂ توریثِ خاندانی رسیدہ ، خصوص مسألۂ قصّۂ نزولِ شانِ آں در وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَ كُمْ اَبْنَاءَ كُمْ [1] و در لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۤئِهِمْ [2] تمام شد ، سپس کلام بسوئے توریث کشید ، چنانکہ از ابن عباسؓ از معالم التنزیل گذشت - البتہ دو جزء مراد داشت یکے علاقۂ پدری و پسری ، بدل آں رسالت نہادند - دوم توریث ، بدلِ آں ختم نہادند ، پس ایں است وجہ دو کلمہ

۱۴۰ ــــــــ و معلوم است کہ در بقاءِ خاندانِ پسری و ابقاءِ سلسلۂ نبوت در ایشاں کدام تلازمِ شرعی و یا عقلی نیست ، لیکن اہلِ عُرف و مُحبّانِ صادق می خواہند کہ در خاندان سلسلۂ توریث باقی ماند و دریں حال مخطور بود کہ شاید کدام سلسلہ از نبوت و یا خلافت و ولایتِ عہد و یا توریثِ مال و مانندِ آں در خاندان ماند اگرچہ لزوم ہیچ گو نہ نبود ، لیکن تناسب داشت ، و بسا کہ متمنّیٔ مُحبّان مخطورِ اذہان می باشد - چنانکہ در علم ہم توریثِ خاندانی لازم نیست ، ولیکن اگر در خاندان باقی ماند آنرا علم خاندانی می گویند و مناسب دارند و برہمیں منوال است : يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ [3] و عنوانِ آلِ ابراہیم و آلِ یعقوب و آلِ عمران و آلِ یاسین و آلِ داؤد برہمیں مُلاحظہ آمدہ - در موضع از سورۂ اعراف چیزے از منصبِ خلافت و امامت و بودنِ امامت در خاندانِ ہارونؑ ذکر کردہ - و ہمچنیں وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ [4] و در معالم آوردہ و روی عن عطاء ان اللّٰہ لما حکم ان لا نبی

---

[1] الاحزاب : ۴ [2] الاحزاب : ۳۷ [3] مریم : ۶ [4] النمل : ۱۶

بعدہ لم یعط ولدا ذکرا یصیر رجلا۔

۱۴۱ــــــ پس فرمودند کہ محمدؐ کہ در اذہان خطور تواند بود کہ برائے اجرا خاندانِ پسری ہستند و ابقاء توریث کدام گونہ، این گونہ نخواہد بود۔ در تقدیرِ ما برائے ختمِ سلسلۂ نبوّت اند۔ پس سلسلۂ ولایتِ عہد در خاندانِ پسری نخواہد ماند، و بالاولیٰ سلسلۂ نبوّت ہم نخواہد ماند۔ وگذشت کہ سلسلۂ توریثِ نبوّت بالاستفادہ ازین نظم بالاَولیٰ منفی خواہد شد۔ بہ نسبت نبوتِ بلاواسطہ، زیرا کہ الوث درصورتِ اُولیٰ اَدخل است۔

۱۴۲ــــــ حاصل آں کہ محمدؐ برائے اجرا نیست، بلکہ برائے ختم، ومبنیٰ نظمِ آیت بر لزوم نیست، بلکہ بر تناسب و وقوعِ آں ہم بقدر مخطور بودنِ اذہان اگرچہ از مسلمین باشد، ونہ در محطِ کلام ضروری است کہ در مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ از اوّلِ امر اجراءِ سلسلۂ نبوّت را محطّ گردانیم، بلکہ بطریقِ اَولیٰ بنفیِ دیگر سلسلہائے مُناسبہ منفی شد، وختمِ کلام کہ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ است متضمّنِ اشارۂ خصوصی بسوئے ارادۂ آں در صدرِ کلام شد۔

کما قال التفتازانی فان قلت اذا تحقق تنافی الوصفین فی قصر القلب فاثبات احدھما یکون مشعراً بانتفاء الغیر فما فائدۃ نفی الغیر واثبات المذکور بطریق الحصر؟ قلت الفائدۃ فیہ التنبیہ علی ردّ الخطاء، اذ المخاطب اعتقد العکس، فانّ قولنا زید قائم وان دل علی نفی القعود، لکنہ خالٍ عن الدلالۃ

علیٰ ان المخاطب اعتقد انه قاعد اه[1]

وبہمیں سبب در اجتماعِ نفی باسائرِ طرق قصر تفصیل پیدا شدہ۔

۱۴۳ــــــ و اگر گفتہ آید کہ 'لاکن' برائے تلافیٔ مافات بصورتے دگرمی باشد، آں ہم دریں‌جا مُؤَفر است، کہ در بدلِ علاقۂ ادنیٰ علاقۂ اعلیٰ نہادند وانتقال از نوع بسوئے جنس ویا جنس الاجناس مفوض بسوئے مقام است، چنانکہ در استثناءِ مفرَّغ تقریر کردہ اند، بالجملہ جمع ایں دوجملہ۔ مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ برائے اداءِ ہمیں مرام است کہ گذشت، ورنہ اداءِ ایں مسائل جداگانہ ہم می تواں شد۔

ایں است خلاصۂ مرادِ آیتِ کریمہ کہ عمر ہا می گذرد وتجلّی ندہد ؎

زحُسنت ہرکسے ہر دم حدیثے دیگر آغازد
زُحت گر جلوہ سازد نماند ایں حکایتہا

خاتمہ

۱۴۴ــــــ باید دانست کہ طریقۂ حق طلبی و حق پسندی و حق نیوشی ایں است کہ قیودِ کلامِ مُعجز نظام را ہم از کلامِ ملکِ عَلّام باید گرفت، بلکہ در کلامِ ہر یک متکلِّم حاضر حواس ہمیں طریقہ است، و از جانبِ خود تقیید ہا و تقییہا باتّباعِ ہویٰ و اغراضِ نفس پیدا کردن، سپس تمزیق و تفریقِ کلامِ مُعجز بران بناء الحاد و زندقہ است، پس چوں حق تعالےٰ یکبار نصّ

[1] مختصر المعانی: ص ۱۹۰ بحث قصر بالعطف

فرمود کہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ، پس شیوۂ ایمان این است کہ ہمگی تعلّل و تمحل راگذاشتہ آں حضرتؐ را خاتمِ ہمہ نبیّین یقین کنیم، و با ایں ایمان آوریم کہ در ہمیں عقیدہ ایں آیت آمدہ، و چوں حضرتِ حق در ہیچ جا تقسیم و تقیید نفرمودہ مارا حق نیست کہ بہ شُبہاتِ زیغ و الحاد از عموم و اطلاقِ آیت بدر رویم، کہ مقابلۂ نصّ با قیاس اولاً ابلیس کردہ، سپس اجماعِ بلا فصل بریں عقیدہ منعقد شد، و از عصرِ نبوّت تا ایں وقت ہمیں استمرار و استقرار ماند، پس ایں عقیدہ قطعی الثبوت، و ایں آیت ورا اثباتِ آں قطعی الدلالت ماند۔

۱۴۵ــــــ و آنچہ ایں ملحد و اذنابِ وے در خلاف می کوشند ہمگی مغالطہ ہائے فضیحت ہستند، و بار ہا در مناظرہ ہا مفحم و ذلیل و رسوا شدہ ہدایت نگرفتند، و مشاہرہ ہا از انجمنِ خود گرفتہ در بدلِ ایمان کفر خریدہ ماندند۔ طریقۂ ایشاں این است کہ محکمات را بہ شبہات و متشابہات مکدّر می کنند و رفتہ رفتہ از ایمان بدر آرند۔ ہیچ دلیلے سمعی یا عقلی مسکۂ ایشاں نیست، الّا شبہاتِ الحاد۔ چنانکہ بعضے از آنہا دیدی و شنیدی کہ زیادہ از زندقہ نیستند، و بر ہمۂ آں شبہات ایں نصّ حاکم و حاوی شدہ۔

۱۴۶ــــــ مانندِ آنکہ تعلّل در آیۂ اعراف يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ الآیۃ[1] می کنند کہ استقبال باعتبارِ نزول است و نبوت جاری است۔ حال آں کہ دریں آیت کدام قیدِ اتباعِ خاتم الانبیاء نیست، کہ

---

[1] الاعراف: ۳۵

در نصِ ختم ایجاد کرده بودند۔ معہٰذا ایں شبہہ از غایتِ غباوت و الحاد ناشی است۔ حق تعالیٰ قصہ آدم بیان فرمودہ و درمیان کدام جملہ بکلمۂ "قُل" دربارۂ آں امور، کہ درما بعد ہم بوقوع آیند، خاتم الانبیاء را خطاب فرمودہ، و بر کدام فائدہ ضمنی ارشاد و تنبیہ کردہ، کہ باز حاجتِ استینافِ کلام و از سر گرفتن پیش نیاید، و دست بدست انجاز شود، و چہار بار بعنوان یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ ارشاد کردہ، کہ ہمگی ازاں عہد است۔ و استیناف باعادۂ خطاب اوّل۔ و استقبال ہم باعتبارِ آں عہد است۔ سپس قصۂ نوحؑ و ہودؑ و صالحؑ سرد فرمودہ، و بما بعد خاتم الانبیاءؐ آیتِ رُسل را نہادن مُعارَضہ باحضرت حق است، کہ یک بار مرادِ خود بنصِ ختم آموختہ بود۔ و در ابتداءِ بقرہ ہم قریب بایں نظم ارشاد شدہ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى الآیہ[1] ونیز در طٰہٰ[2] بحق آدمؑ و ابتداءِ آفرینش استقبال مناسب بود، ہمچنیں آوردند۔ بحقِ خاتم الانبیاءؐ اتصال بقیامت ذکر فرمودہ و درمیان کدام دگر استثنے نہادہ، ہمیں واقع بود، و ہمیں گونہ نظم آیات۔

باز حق تعالےٰ را ایں ہم می رسد کہ در لاحق خطاب از سابق گیرد، چوں حکم مناسب ایں صنیع باشد، ذہن ہیچ کس از امّت دریں آیات بسوئے کدام توہم نہ رفتہ، و نہ دریں ہا کدام رائحہ ازاں۔ ایں ملحد را دعوٰی نبوّت بتعلیم شیطان جداگانہ کردن بود، بعد ازاں ایں الحاد ہا سگالیدہ، و

---

[1] البقرہ: ۳۸ [2] طٰہٰ: ۱۲۳

اَذنابِ وے از علم و فہم و عمل و نیّت ہمگی عاری اند، الّا از کفر و عناد، و عداوتِ حق و اہلِ حق، و شر و فساد۔ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ۔

۱۴۷ــــــ و مانندِ آنکہ در وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ[1] الحاد کنند، حال آں کہ مراد واضح است، کہ کدام جزءِ نعمت نگذاشتم کہ شمارا عنایت نکردم، و ایں منافیِ ماندنِ کدام جزءِ جدید است کہ ہنوز ندادہ باشند، نہ بقاءِ آں نعمت راکہ دادند۔ برخلافِ خاتم النبیین کہ خاتمِ اشخاص فرمودہ اند، و ایں منافیِ آمدنِ کدام شخصِ دگر است، ہماں خاتم الانبیاء ہستند، کہ دورہ شاں باقی است، و چنانکہ در حیاتِ او شاں نبیّے دگر نبود در مابعد ہم نیست، و چنانکہ گفتہ آید کہ برفلاں کس اجزاءِ سلطنت اتمام کردیم، ایں مضمونے است مکشوف المراد۔ و اگر گوئیم کہ فلاں کس را خاتمِ سلاطین گردانیدیم ایں مضمونے دگر است کہ بجائے خود مکشوف المعنی است۔

اجزائے شئے چیزے است، و عمرِ شئے چیزے دگر۔ با تمامِ اجزاء عمرِ وے تمام نگردید، بلکہ ناقص نماند، و بختمِ اشخاص عمر ختم شد و سلسلہ باقی نماند، و آں کار گذاشت۔ و چوں کسے کار گذارد باوے چہ معارضہ بود و تحریفِ مرادِ وے چگونہ نہ بود؟

۱۴۸ــــــ غرض آنکہ ختمِ نبوت یک بار آموختہ عقیدۂ مستمرّہ باید فہمید، و مفروغ عنہ۔ سپس ہر چیزے کہ از ذخیرۂ سمع و نقل پیش آید موافقِ وے شرح و تفسیر باید کرد، زیرا کہ از ضروریاتِ دین است۔ یعنی از اں امور کہ بہ

[1] المائدہ: ۳

تبلیغِ پیغمبرِ اسلام خاص و عام را رسیده ، و این گونه امور در دینِ حقیقتِ مُتقرّرہ دارند ، کہ باظنِّ کسے و تاویل دائر نیستند ، برخلافِ ظنّیات ۔
و اگر ہر چیز در دین دائر دارند پس دین را کدام حقیقتِ محصّلہ نیست ،
و این ضرورت بتواترِ نقل و اشتہار و استفاضہ می باشد ۔ حکم ہر چہ باشد ، خواہ افتراض ، و خواہ استحباب و اباحت ۔ و گاہ قطعیّت بقیامِ دلیلِ عقلی ، کہ مساعدِ نقل باشد ہم می خیزد ، لیکن لازمی نیست ، بلکہ چون عقیدہ در اُمّت طبقۃً بعد طبقۃٍ متواتر ماند ، و خلافے در اہلِ حلّ و عقد ظاہر نشد و متفق علیہ ماند ، پس آن قطعی است ۔ و تواتر گاہ باسناد ، گاہ بطبقہ و توارث ، و گاہ بقدرِ مشترک می باشد ۔ و این ہمہ تواتر است ؛ و ہمین است سبیل المؤمنین ، کہ قرآن فرمودہ وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا[1]

۱۴۹ ـــــ و من بعد مخفی مباد کہ اگر کسے گوید فلاں عمارت را ختم کردم ، این سخن از مشاہدۂ حال و ارادۂ خود ، کہ مالک وے است ، گفتہ است ۔
پس این مکشوف المراد است ، تحریفِ مرادِ وے کارِ صادقان و راستان نیست ۔ برخلافِ آنکہ گفت کہ فلاں کس خاتم المحدثین است ، چہ چیز مشاہدہ کردہ گفت ؟ زیرا کہ علمِ غیب ندارد ، و نہ بر احوال احاطہ ۔ لا بد این سخن تخمین است و مجازفہ و مسامحہ ، برخلافِ علّام الغیوب و مالک الملک ، پس ہمچو

---

[1] النسآء : ۱۱۵

تفاوتہا و تغایرِ احوال سخن از کجا تا کجا رود۔ و بسا کہ تعینِ مرادِ لفظ از انحصارِ آں لفظ در آں معنیٰ نباشد، بلکہ از احوال و اغراض و اِکثار و تکرار بدونِ خلاف و مانند ایں در محاورات۔ و در محاوراتِ روز مرہ چرا ایں تباہی نیفتاد کہ فقط در نصوص رُو داد؟ در حال شمولِ توفیقِ ایزدی درکار است، و اگر در ہمچو امورِ واضحہ کسے فہم رساندارد و بادّعاءِ ہمہ دانی در کفر و ایمان فرق نکند دست از وے بردار، کہ زمانہ زمانۂ تحریفِ غالین و انتحال مبطلین است چنانکہ در حدیث آمدہ[1]۔

۱۵۰ــــــ از حالِ ایں مخذولاں چناں معلوم می شود کہ اگر حق تعالیٰ سوگند ہم می خورد کہ مرادِ من ایں است کہ من بعد ہیچ گونہ کدام نبی نخواہم فرستاد، گفتندے کہ ہاں ہاں لفظِ تو ہمیں است کہ گفتی، لیکن مرادِ تو ایں است کہ ایں سلسلہ را جاری داری بفلاں طریق۔ و اگر فرمودے کہ آں ہم نہ، گفتندے کہ ظاہر چنیں است و در باطن تو چناں۔ و ھلم جرّا۔ و بمانند ایں تلقی المخاطب بالا ینترقب حق تعالےٰ از اداءِ کدام حقیقت مجبور خواہد ماند، و راہِ اداءِ کدام مطلب مسدود۔ و اگر کسے قرآنِ مجید را گوید کہ ایں آخریں کتابِ الٰہی است، و مرادِ وے ہمیں باشد کہ آخریّت حقیقی است، لیکن در دستِ وے ذریعۂ اداءِ ایں مرادہیچ گونہ نیست۔ وَاللّٰہُ وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ

۱۵۱ــــــ و اکنوں حکمتِ ختمِ نبوّت و سربمہر کردنِ آں می باید فہمید معلوم باد کہ ایں حقیقتے را مالکِ الملک و صاحبِ اختیار از عہدِ آدمؑ شروع کردہ،

---

[1] مشکوٰۃ ص ۳۶ اخرجہ البیہقی فی کتاب المدخل مرسلاً عن ابراہیم بن عبدالرحمٰن العذری

کہ آغازِ بنی آدم است ، بر خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کہ بر خاتمۂ دنیا ہستند تمام فرمودہ ، و اعلانِ اکمالِ دین و ختمِ نبوت نمودہ ، و مقصودِ ایں ختم ، چنانکہ ابن کثیرؒ بایں معنی رسیدہ ، ہمیں است کہ من بعد کسے ملحد و زندیق و دجال و کذاب درمیان نخلد ، و یا از مختوم چیزے نہ بر آرد ، و تا آں کہ امت بریں عقیدہ ماند مشمول رحمت ماند ، و چوں انحراف کند موجبِ تفریق و تمزیق گردد ، و ہیچ فرق در تشریع و غیر تشریع نیست ، زیرا کہ چوں اضافہ در ایمانیات ممکن بودے در اعمال چہ دشوار است ؟ پس اگر دیگر پیغمبران آیند و تکفیرِ منکران کنند ایں اختلافِ اختلافِ رحمت نیست ، بلکہ اندراں استیصالِ بیضۂ امتِ مرحومہ و ابطالِ خیر و برکتِ اوشان ، و اعدامِ اصلاح و فلاح و نجاحِ ایشاں ، و فتحِ بابِ تکفیرِ یک دگر ، و سدِ بابِ اتفاق و ایتلاف است ؛ و معارضہ و مناقضۂ مقصدِ الٰہی است ، کہ بعد ازیں کدام دجالے درمیاں نخلد ؎

اروح وقد ختمت علی فؤادی
بحبك ان یحل بہ سواك

و بہمیں سبب اعلانِ ختم فرمودہ کہ عرقِ دجل و زندقہ قطع کند ، و امت تمزیق و تقطیعِ ایمان نکند ، و در ہرج و مرج و حرب و ضرب و سفک و فتک و شقاق و نفاق نیفتند ، و موجبِ فساد فی الارض و فتنۂ طول و عرض نگردد۔

۱۵۱ —— پس ایں حکمتِ باہرہ را با وسوسۂ ایں شقی کہ نبوت نبی ساز باید بود بسنج ، و انصاف دہ کہ بحقیقت رحمت بحقِ امتِ مرحومہ ایں اعلان

بود، کہ از الحاد و عبادت آں را نفہید، کہ تکفیرِ منکراں باوجود ایمانِ کامل بر خاتم الانبیا اِعدامِ رحمت بحق اوشاں می کند، پس عددِ آں اشقیا، کہ اوشاں را انبیا آفرید، و عددِ جماہیر را بسنج کہ چہ موازنہ است؟ رحمتے کہ بحق اُمّت تواں گفت این است کہ بر یک دین و ایمان، و یک کتاب و نبی، و ہدایتِ متّحدہ و ملّتِ واحدہ، و یک سبیل المؤمنین، و یک راہ روند کہ در سابقین مقدّر نبودہ۔ ابن کثیرؒ ہمیں معنیٰ را فہمیدہ می گوید و ھٰذا من شرفہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم انہ خاتم النبیین وانہ مبعوث الی الخلق کافۃ۔ وختمِ نبوت را بر ذاتِ گرامی شرف قرار دادہ وگذشت کہ ایں بدیہی است، و تشکیکِ ایں مخذولاں تشکیک در بدیہیات است، وطبرانی از ابومالک اشعری روایت کردہ اِنَّ اللّٰہَ بَدَأَ ھٰذَا الْاَمْرَ نُبُوَّۃً وَّ رَحْمَۃً وَّکَائِنًا خِلَافَۃً وَّ رَحْمَۃً وفی الحقیقت در رحمت خیرِ عام مقصود می باشد کہ در جنبِ وے تکمیلِ چند کس معدود وزنے ندارد، و چوں سخن بر موازنہ رحمت رسید ایں نکتہ را باید سنجید۔

۱۵۳ــــ باقی ماند معاملہ نزولِ عیسیٰؑ، پس از ایمانیاتِ سابقہ است، نہ امرے مزید۔ و مقصود بالذّات ہدایتِ عامّہ و تربیتِ کافّہ است، و بعثتِ ارسالِ رُسل مقصود بالعرض۔ و معلوم است کہ بوقتِ تجاذُبِ جوانب و تعارُضِ مصالح رعایتِ الارفق فالارفق و خیرِ نسبی از میانِ امور می کنند،

(واللّٰہ الموفق)

۱۵۴ـــــــ و بناءِ آیاتِ قرآنِ حکیم و مطمحِ نظرِ کلماتِ تنزیل و محطِّ فائدۂ آنہا و مسقطِ اشارۂ ہمگی ہمیں است کہ بعد قرآن کتابے و وحیے و خطابے کہ باو ایمان باقی و واجب باشد موجود نیست، آں وحی را کہ مخصوص بانبیاءؑ است در ما بعد ننہادہ، و بطور مفہوم، کہ از انواع دلالت است، نفی فرمودہ، چنانکہ فرمودہ، وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ.[۱] لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ[۲]. يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ[۳] وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ[۴] اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ[۵] كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ[۶]

و ایں نوعِ استدلال در فتوحات آوردہ، کہ ایں ملحداں بقاءِ نبوّت برایشاں افتراء کردہ اند. و شیخ در وصل من الباب الثالث والسبعین السؤال التاسع عشر تصریح فرمودہ کہ مرادِ شاں از نبوّت معنی لغوی است، نہ اصطلاح شرعی۔

---

[۱] البقرہ: ۴ [۲] النساء: ۱۶۲ [۳] النساء: ۱۳۶ [۴] الزمر: ۶۵ [۵] النساء: ۶۰ [۶] الشوریٰ: ۳

فہرست

۱۵۵ـــــ سپس معلوم باد کہ ایں نُبوّت مِنْ غیر تشریع، کہ عبارت از فیوض و کمالات و ولایت و بشرات است، نزدِ شیخ از اجزاء نبوت است، نہ از اقسام نبوت ـــ و ہمچنیں نبوتِ تشریع از اجزاء است، کہ کُلّ "تا آنکہ ہمہ اجزاء متحقق نباشد صادق نیست" نہ مانندِ مُقسم کلّی کہ بر اقسام صادق باشد کہ ایں ملحداں فہمیدہ اند، و شیخ تصریحات بایں معنی فرمودہ، فی الجملہ نزدِ اوشاں جزءِ باقی است، کہ مصداق کُلّ نباشد، نہ کدام جزئی، و یا کدام قسمِ نُبوّت۔

۱۵۶ـــــ و نوعے دگر از آیات کہ دراں وحدتِ ایں امّت تا آخر فرمودہ، مانند کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ الآیۃ[۱] وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا[۲] فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَھِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَھِیْدًا[۳]

۱۵۷ـــــ و نوعے دگر در نحو آیات وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ الآیۃ[۴] وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ الآیۃ[۵] وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ الآیۃ[۶] آمدہ۔ و بطورِ طرد و عکس اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖ اَوْلِیَآءَ[۷]

۱۵۸ـــــ و معلوم است کہ اگر من بعد کدام قسمِ نُبوّت مقدّر بودے

---

[۱] آل عمران: ۱۱۰ [۲] البقرہ: ۱۴۳ [۳] النساء: ۴۱

[۴] الانبیاء: ۲۵ [۵] الحج: ۵۲ [۶] الفرقان: ۲۰ [۷] الاعراف: ۳

و بانکارِ اوشاں تکفیر رفتے ہر آیتِ وصیّت بودے کہ من بعد انبیا خواہند آمد مبادا کہ آں وقت ہلاک شوید از ذکرِ سابقین ذکرِ لاحقین اہم بود، کہ بر سابقین ایمانِ اجمالی کافی است، ہرچہ کہ تعداد باشد، بر خلافِ لاحقین کہ باوشاں معاملۂ ایمان در پیش است، وازیں ہم چہ کم کہ قیدِ من قبلُ را فرو گذاشتندے، کہ بے موقع و موجب مغالطہ است، و عددِ ایں نوع آیات بسیار از بسیار است، اجمالاً از مفتاح کنوز القرآن باید دید کہ یکے ازیں آیت ہا در مقابلۂ ایہام فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم[1] الآیۃ، کہ تراشیدہ اند، کافی است، و عددِ زائد برائے اہلِ حق و اہلِ ایمان فاضل ماند، و اللہ المستعان۔

۱۵۹ـــــــ پس ایں قدر آیاتِ بیّنات کہ مبنی بر ختام و منبئ ازیں مرام ہستند، کہ ناظرین عددِ آنہا تا یک صدر سانیدہ اند، نازل کردن، و ایمائے والتفاتے بسوئے ما بعد نکردن از مطمحِ نظرِ الٰہی خبر می دہد، کہ من بعد نبوّت بہیچ قسم باقی نیست، و نبوّت و وحیِ مختصّ آں من بعد در قرآن گم و ناپید است، ورنہ ایں طریقِ ہدایت وارشادِ عباد نیست ؎

ولم ار فی عیوب الناس طرّاً
کنقص القادرین علی التمام

۱۶۰ـــــــ وہمچنیں در ذخیرۂ احادیث، کہ زائد از دو صد در ختم نبوت آمدہ اند، وعلیٰ رؤس المنائر و المنابر و علی اعین الناس و رؤس

[1] النساء: ۶۹

الاشهاد شنوانیده شده، ایماءے واشارتے نه۔ وبعض آنها در انقطاعِ نُبوّت علی الاطلاق، وبعض در انقطاعِ خصوصِ غیر تشرعی، مانندِ حدیث بخاری ومسلم واحمد وغیرهم، از ابی هریرهؓ عن النبی صلی اللہ علیه وسلّم قال کانت بنوا اسرائیل تسوسهم الانبیاء، کلما هَلَكَ نبیٌّ خَلَفَه، نبیٌّ، وانه لا نبیَّ بعدی، وسیکون خلفاء فیکثرون، قالوا فما تأمرنا؟ قال فوابیعة الاول فالاول، اعطوهم حقهم، فان اللہ سائلهم عما استرعاهم[له]

واین انبیاء که سیاستِ بنی اسرائیل می کردند برشریعتِ توراۃ بودند، شریعتے دگر نداشتند، ودرین حدیث بعد تصریحِ انقطاع نُبوّت آں امر راهم ذکر فرمود که بدلِ نبوت باقی ماند، وآں خلافت است، نه کدام قسمے از نبوت۔

۱۶۱ــــــ وگذشت که نُبوّت استخلاف است، ولهٰذا در نساءؑ نبوده، نه برائے تکمیلِ ذواتِ انبیاء، که آں جزؤ ایست مندرج تحت نبوت و ساری ومتعدی۔ پس کمالات که بطورِ تسبیب متعدی نهاده اند، اکنوں هم متعدی اند، وسابقه نیز۔ بر خلافِ استخلاف واختصاصات وتشریف که مقتصر بر موهبت هستند، ونفی این حقیقت اعتقادِ ایجاب بالذات و بالطبع است، که از سر مخالفِ دینِ سماوی است۔

۱۶۲ــــــ پس اثارۂ شبهات، مانند اینکه درمیانِ مسیح ابن مریم واین دین بیگانگی واجنبیّت نهادن، وتفریقِ مسیح ناصری ومسیح محمدی پیدا کردن،

[له] مشکوٰۃ ص ۳۲۰

وایںکہ طولِ حیاتِ وے و رفعِ وے موجبِ فضیلتِ وے بر خاتم الانبیاء ؐ است، و غیرتِ ما ایں را قبول نکند، ہمہ از تعلیم شیطان است، کہ در سینۂ مخذولان مربّع نشستہ القاء می کند، وایشاں بہ ہمچو شبہات ابلہاں را ایمان بدر آرند، ورنہ ایں امور نہ موجبِ فضیلت اند، و نہ باخدا منازعت در اختیار ؎

تبارك من اجری الامور بحکمة کما شاء لا ظلماً اراد و لا ھضما
فما لك شئ غیر ما الله شاءه فان شئت طب نفسا و ان شئت مت کظما

۱۶۳ ــــــ پس باید فہمید کہ آخریّت و خاتمیّتِ کسے اگرچہ بوجوہ تواند بود، مانند آنکہ مردم در قصرے پس و پیش جمع شوند، پس آنکہ در آخر ہمہ رسید باعتبارِ آمدن از ہمہ آئندگان آخر است اگرچہ باعتبار بر آمدن اول ماند چناں کہ در نحن الاٰخرون السابقون[1] اشارت رفتہ، و آں مہر کہ بر ملفوف زنند، ہم چنیں است کہ در وضع مؤخّر است، و در فتح مقدم۔ و بسوئے ہمیں حضرت عیسیٰ ؑ در حدیثِ مسندِ طیالسی[2] بحق خاتم الانبیاء ؐ اشارت فرمودہ اند، کہ بابِ شفاعت را از ایشاں فتح کنید۔

۱۶۴ ــــــ و از حدیثِ شفاعت و احالۂ انبیاء ؑ بر خاتم الانبیاء ؐ معلوم شد کہ منتہیٰ کمال باعتبارِ زماں ہم مؤخّر بودن علامتے است در سنّتِ الٰہیہ بر منتہیٰ بودن وے، و ہمیں امر مرعی است در خاتم الانبیاء ؐ کہ در ضمنِ واقعاتِ شدہ شدہ توقف بر ذات گرامی او شاں پدید آمد، و ختمِ زمانی صورت و پیرایۂ ادا کنندۂ حقیقت

---

[1] متفق علیہ من حدیث ابی ہریرۃ رض۔ مشکوٰۃ ص ۱۱۹ [2] ص ۳۵۴

فہرست

دگر شد، کہ آن منتہیٰ بودن در کمال است، و ہمچنیں در صلوٰۃِ لیلۃ الاسراء و امامتِ حضرتِ ایشانؐ۔

۱۶۵۔۔۔۔۔۔۔پس نبوت نہ صیغۂ تولید است، چناں کہ ایں ملحدمی سراید بلکہ استخلاف و ولایتِ عہد از ربّ العزّت است، و در عقدِ خلافت و اخذِ بیعت اتمامِ مقصد است بر خاتم الخلفاء، و در تولید استخلاف معطّل می ماند کہ منصبِ اعظم بود و اختصاصِ افخم۔ و در استخلاف اِحضارِ اہل حلّ و عقدِ سابق باشد، کہ تولید باعتبارِ متاخر باشد، و حق استخلاف آنکہ می گویند استخلفت فلا نا علیھم، و ہمیں امر در کریمۂ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ[1] الآیۃ ظاہر شدہ، کہ بوقتِ تحویلِ سلسلۂ بنی اسرائیل بسوئے بنی اسمٰعیل بکار آمد۔

۱۶۶۔۔۔۔۔۔۔و آن مُصدِّق از بیرون آمد نہ از میانِ ایشان، و ہمین است حرفِ توارۃ نابی مقرنخ میئخنخ کاموخ یاُقیم لخ الوہخ الاو تشماعون۔ اے نبی من قریبك من اخیك کمثلك یقیم لك الھك الیہ تسمعون۔

و اسکندرانی، کہ از اَحبارِ یہود بود سپس مشرف باسلام شد، در بشارات بہ لفظِ ممی یشماعل آوردہ کہ تصریحِ اسمٰعیل علیہ السّلام است۔ و اگرچہ عیسیٰؑ ہم سے فرمایند مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰاۃِ[2] لیکن در ما نحن فیہ ہمہ نبیین را یک طرف نہادہ آں رسول آئندہ را می زند و مصدق ہمہ ما معھم می دارند، نہ کدام کتابِ مخصوص۔ و ایں بر خاتم الانبیاءؐ

[1] آلِ عمران: ۸۱
[2] الصفّ: ۶

فہرست

صادق است۔ چنانکہ در بقرہ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ [1] وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ [2] واین عنوان اَدعیٰ است بسوئے ایمان بنسبت فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ [3] کہ حال کتاب است، و امسّ باو شاں نیست۔ و ہم چنیں از انعام [4] ومعہذا بلفظِ عموم است، واز بقرہ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ [5] ـــــ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ [6] ـــــــــــــ واز نساء اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ [7] بعنوان ما مع۔ و از مائدہ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ [8] بارادۂ عموم۔ و در حقِ عیسیٰؑ از مائدہ وصفؑ وآلِ عمران تقیید من التوراۃ، نہ من الکتاب ۔ پس در عنوان ُما مع ُوما بین یدیہ من الکتاب ہم فرق است کہ مدعیٰ بودہ۔

۱۶۷ـــــ وہرگاہ در مثالِ مذکور، کہ اجتماع در قصر است، کسے از نشینندگان بیرون آمد و بازگشت، پس اگر باعتبارِ حرکاتِ ایاب می شمریم، گوئیم کہ آخرین ایاب این کس است، وچوں این ایاب در مقاصد معتدبہ نیست در احتفالِ مجالس ہموں ایابِ اوّل را می شمارند، گویند کہ آخر آیندگان فلاں است نہ این، وچوں گویند فلاں ُخاتم النبیین ُاست پس این باعتبارِ پیدائش و بعدیتِ اشخاص است، کہ چنانکہ مجلے در سابق ذکر کردہ شد، و تشکیک دریں امر

---

[1] البقرہ : ۸۹ [2] البقرہ : ۱۰۱ [3] البقرہ : ۹۷ [4] آیت ۹۲

[5] البقرہ : ۴۱ [6] البقرہ : ۹۱ [7] النساء : ۴۷ [8] المائدہ : ۴۸
۹۰

تشکیک در بدیہیات است، کہ قابلِ التفات نیست، وچوں سخن بر اشخاص رسید و تعدّدِ اوشاں بتمایزِ وُجوہ واشکال است، نہ باعتبارے ذہنی و منوی از استقلال و اِتّباع کہ در تمایزِ وجوہ لغو است، لاجُرم آمدنِ شخصے نومنافیِ آیتِ خاتم النّبیّین است، کہ شخصے دگر است، وکالبد و چہرۂ دگر دارد، و بہمیں اعتبار آیتِ ختم آمدہ، و تحریفِ ایں مراد زندقہ والحاد است، البتہ اعادہ کسے از سابقاں کہ حضرت مسیح بن مریم اند، اعادہ است، کہ ہموں شخص است کہ بود، و اعادۂ وے علامتِ ایں است کہ کسے دگر بعد خاتم در سلسلہ نماندہ، حاجتِ تکرار افتاد، و نہ خاتمیّتِ خاتم مقتضیٔ فناءِ سابقین است، چنانکہ لفظ آخر المہاجرین وآخر الاولاد مستلزم فناءِ سابقین نیست۔

۱۶۸ــــــ پس تشکیک دریں امور تشکیک در امور بدیہیہ است، کہ بامثالِ اینہا دیورِ جیم بر ریشِ ابلہاں و بے ایماناں ریشخند می زند، قال فی الاصابۃ[1]

"فوجب حمل النفی علی انشاء النبوۃ لکل احد من الناس لا علی وجود نبی قد نبیٔ قبل ذلک"۔ واللہ یختص برحمتہٖ من یشاء۔

۱۶۹ــــــ بعدازیں معلوم باد کہ علماءِ کلام را در تفسیرِ فضیلت بحث است، اکثرے بمعنی کثرتِ ثواب گرفتہ اند، وشاید ابن حزمؒ چیزے دگر فہمیدہ، کہ بودنِ ازواجِ مطہراتؓ را با آنحضرتؐ در یک منزل از جنّت نقل کردہ تفریعے بروکردہ کہ جمہور علماء تسلیم نکنند۔ اشتراک در منزل چیزے است، واشتراک در منزلہ و مکانت چیزے دگر۔ وچوں ایں حقیقت فی نفسہا موجودہ و مقصودہ است اِلغاءِ وے واخلاءِ لفظِ وے از نوعیتِ خود ہر آئینہ تحریف است، وہمچنیں

[1] الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ: ج ۱ ص ۴۲۵ ترجمہ خضر علیہ السلام

فہرست

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ[1] حقیقتے براء سہا است، کہ حصولِ نبوت را نخواہد، و اخراجِ وے از موضوعِ خود اعدام حقیقتے موجودہ و ثابتہ است، کہ بلا دلیل نوعے الحاد است، و ہمچنیں رفع و نزول کہ بطباق مکشوف المراد اند، اخلاءِ آنہا از موضوع و نوعیّتِ خود الحاد است۔

۷۰ا ــــــ اگر سلطان را مدعو کنند خدم و حشم در منزل و مکان ہمراہ خواہند ماند، نہ در عزت و وجاہت و منزلہ و مکانت۔ پس اشتراک در منزل و ضیافت ہم حقیقت است کہ ساری و متعدی است، نہ وجاہت و منزلہ۔ و معیّت را مراتبِ متنوعہ پیدا شدند، در کریمہ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ الآیۃ[2]۔ ہمیں معیّتِ معتدّبہ ارادہ کردہ اند، و آں ہم مراتبِ کثیرہ داشتہ باشد، نہ وجاہتِ مختصہ۔ و کسے را باکسے داشتن و در علاقۂ وے شمردن عرضِ عریض دارد، و ایں معیّت با اختصاصاتِ خاصہ ہم جمع تواں شد، پس چنانکہ اعلیا زِ سلطان در مثالِ مذکور با وجود معیّتِ خدم و حشم محفوظ است، ہمچنیں حالِ فیوضِ نبوّت کہ متعدی ہستند، و اصل نبوت کہ متعدی نیست، باید فہمید۔ تولیدِ نبوّت در سابقین ہم نبودہ، بلکہ از جانبِ حضرتِ حق بعثت متعددین یا منقسم بر ازمان، و یا منقسم بر اقوام، و یا بحسبِ تقسیمِ وظائف و اعمال بودہ۔ و بعد خاتم الانبیاءؐ ایں امر مقدر نبود، و ہمہ کمالات و مکارمِ اخلاق و محاسنِ افعال در یک ذاتِ گرامی جمع کردہ اتمام کار کردند، پس آں چیزے کہ در پیشینیاں متعدی بود، اکنوں ہم متعدی است۔ و نبوت نہ آں وقت متعدی بود، و نہ ایں وقت۔

---

[1] الفاتحۃ: ۶ [2] النساء: ۶۹

فہرست

۱۷۱ــــــ وَ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الآیۃ[1]، واتمامِ نعمت بوجودِ مسعود حضرتِ رسالت پناہی بسوئے اُمّت مجموع من حیث المجموع منسوب تواں بود، نہ بلحاظ کلِّ واحد واحد۔ این نکتہ را ہم یادداشتہ باش، واز ہمیں کریمہ فاروق اعظمؓ اقتباس فرمودہ، رضیت باللہ ربّاً وبالاسلام دیناً وبالقرآن اماما وبمحمد رسولاً ؎

پیش از تو آمدند بسے انبیاء و تو
گر آخر آمدی ہمہ را پیشوا توئی

---

[1] المائدہ: ۳

سوالات در تفتیشِ مذہب و دینِ ایشاں و تضمینِ مکائد دعوت و عقائدِ ملتِ ایں بدکیشاں

۱۷۲ـــــ

(۱) دینِ شما چیست؟ (۲) و طریقۂ وصول آں بسوئے شما چہ؟ تواتر و یا کدام دگر طریق؟ (۳) تعریفِ ایمان و کفر چیست؟ (۴) و دفعاتِ آں بطور معیار؟ (۵) زیادتی وحی کادیانی بقدر بست جز چہ حکم دارد؟ (۶) باوجود تصدیق وے وید را چہ احسان بر قرآن و چہ اختصاص بآں؟[۱] (۷) و باوجود محمدی بودن بروزِ کرشن وغیرہ بودن چگونہ؟ (۸) و بروز را در حاشیۂ تریاق القلوب "جنم" تعبیر کردہ، فرق در وے و در تناسخ ہنود چیست؟ بروز یعنی اوتار در عشرۂ کاملہ ص ۴۶ و کاویہ ص ۳۹ نیز گفتہ وانت منی بمنزلۃ بروزی در عشرہ ص ۴۸

۱۷۳ـــــ (۹) حکمِ تواتر و منکرِ آں نزدِ شما چیست؟ (۱۰) و تواترِ قرآن چگونہ؟ (۱۱) و قطعیتِ مرادرا نزدِ شما چہ ضابطہ؟ (۱۲) وکدام شے از دینِ محمدی دیا

---

[۱] سوداء مرزا صـ۳۱ "کان فی الھند نبیا اسود اللون اسمہٗ کاھنا" تتمہ چشمہ معرفت صـ۱۰، فتح کادیاں صـ۲۷، و حقیقۃ الوحی صـ۲۹ و اقرب ازاں در ضرورۃ الامام صـ۲۱ "ہم وید کو بھی خدا کی طرف سے مانتے ہیں. خدا کی تعلیم کے موافق ہمارا پختہ اعتقاد ہے کہ وید انسانوں کا افترا نہیں۔ ہم خدا سے ڈر کر وید کو خدا کا کلام جانتے ہیں"۔ پیغام صلح تصنیف خود کادیانی صـ۲۳ قریب ہلاک وے از علم کلام مرزا صـ۹۸ و تاریخ مرزا صـ۴۴۔ منہ

از نصوص قطعی من حیث الثبوت والدلالت ہست یا نے ؟

۱۷۴ـــــ (۱۳) مرزا دروغ ہم می گفت یا نہ ؟ واقرار مراقی بودن ہم کردہ است یا نے ؟ (۱۴) وکلام فحش ہم می کرد یا نہ ؟ (۱۵) وقرآن حفظ داشت یا نہ ؟ (۱۶) وحج ہم کرد یا نہ ؟ (۱۷) والہام واللہ یعصمک من الناس ہم شائع کردہ یا نے ؟

۱۷۵ـــــ (۱۸) والہام انی مع الرسول اجیب اخطئ واصیب، تاویل آں از اشد العذاب[1] کہ حمقِ وے است ، واصل ماخذ آں از قبیلِ باب سادس اظہار الحق۔ (۱۹) والہام نبوتِ خدا شائع کردہ است یا نہ ؟ مع ادعاءِ آنکہ دعاوئ وے ہمہ حقیقت است شاعری نیست۔

۱۷۶ـــــ (۲۰) دعوائے نبوّت کردہ است یا نہ ؟ (۲۱) وہمچنیں دعوئ شریعت ؟ (۲۲) وتکفیر امت حاضرہ کردہ است یا نہ ؟ (۲۳) وہم چنیں توہینِ انبیاء[2] ؟ (۲۴) وشفاءِ غیظِ خود وتشفیِ صدر بر عیسیٰؑ بطورِ توہینِ تحقیقی و تعریضی کہ بر زبانِ دگراں نفثِ صدر خود کند۔

اخبار بدر مؤرخہ ۹ مئی ۱۹۰۷ء از کادیانی نقل کند (فرمایا ایک دفعہ حضرت مسیح زمین پر آئے تھے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ کئی کروڑ دنیا میں مشرک ہوگئے دوبارہ آکر وہ کیا بنائیں گے کہ لوگ ان کے آنے کے خواہش مند ہیں)

---

[1] صفحہ ۶۸۔

[2] (کوئی انسان نرا بے حیا نہ ہو تو اس کے لیے اس سے چارہ نہیں کہ میرے دعوی کو اسی طرح مان لے جیسا کہ اس نے آنحضرت ﷺ کی نبوّت کو مانا) عجائبات مرزا صفحہ ۱۶ - منہ

مرقع کادیانی ص۱۲۔ و ایں کلام بعد آں کہ اعتراض بر خدا است ، دلالت دارد براں کہ نبوّت نزدِ وے ، ہمیں مصلحِ قوم و مدبّر بودن است لاغیر، و ایں بحقِ دگران است ، در حقِ خود تعلّی ہا لافد کہ ابلیس ہم شرمسار ماندہ باشد۔

اخبار بدر مورّخہ ۷ر نومبر ۱۹۰۲ء ص۱ (یحییٰ جو نشہ نہیں پیتے تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت بھی منع تھی۔ مسیح نے مرشد کی تقلید کیوں نہ کی۔) واز انجیل ہم قرار دادہ ، مع ہذا حضرتِ مسیح را مرتکب آں می گوید، مرزائیت کی تردید ص ۹۵ و در ص ۱۰۳ "یسوع درحقیقت بوجہ بیماری مرگی کے دیوانہ ہوگیا تھا۔" ست بچن ص۱۷۱ کا حاشیہ۔

۱۷۷ــــــ (۲۵) وزیاتیِ وحی بقدر بست جزو ، ورد احادیث ، الّا موافقِ وحی وے ، و احالۂ تفسیر بروحِ خود اسلام را کدام حقیقتِ محصّلہ دار دیا استیصال کند ؟

۱۷۸ــــــ (۲۶) وچہ فرق است درمیانِ آنکہ انکارِ الفاظ کند و یا انکارِ مدلولاتِ قطعیہ ؟ در نتیجہ چہ تفاوت است ؟ و درمیانِ شما و اہلِ قرآن چہ فرق است ؟ و درمیانِ اسماعیلیہ و دگر ملاحدہ دراصل اصول کدام تفاوت ہے ؟ کہ ہمگی باطنی و حلولی بودہ اند (۲۷) و باوجود زیاتیِ وحیِ وے و ردِ احادیث و تکفیرِ اُمّت کدام چیز با اہلِ اسلام مشترک است ؟

۱۷۹ــــــ (۲۸) مرزا بے ایمانی عرفی ہم می کرد یا نے ؟ مانند آنکہ پیشین گوئی محمدی بیگم تقدیرِ مبرم گفت ، و چوں ہمگی دروغ شد چہ بے ایمانی ہا تراشید ؟ وہمچنیں در پیشین گوئی آتھم ، و توقیتِ جوابِ قصیدۂ اعجازیۂ خود بمقابلہ

مولوی ثناء اللہ صاحب، وجواب تفسیر بمقابلۂ پیر صاحب گولڑہ، وحوادث معمولی را بر مخالفانِ خود معجزاتِ خویش گفت، و مانندِ خبرِ زلزلہ و طاعون بحق میسح اخبار لغو گفت وبحق خود معجزہ، وردِّ احادیث آں وقت کہ کلام تحریف حاضر نشد، وچوں تحریف مہیّا گردید استدلال بہماں احادیث، و قاعدہا برائے ردِّ دگراں تراشیدن وتخصیصِ خود از آنہا، و نقیض وضد آنہا، و استثناءِ شخصِ خود برائے نفس خود، چنانکہ درآخر حقیقۃ الوحی ص۳۹۱ گویا ہمہ قوانین عقل ونقل وآدمیّت واخلاق برائے دگراں ہستند، ووے اختیارات سلطانی دارد، وسائبہ وحام است۔ و برائے دگراں فلسفہ وتعلیل، وبرائے خود اختصاص واصطفاء، وچوں فتحِ باب تسلیم مے کراند ہزار مثیل میسح جائز بود، وچوں کار بروئے کار رسید یک شخص مخصوص وے برآمد وہمگی یک گربہ از انبان سر برآورد۔

۱۸۰ــــــــ در مغالطۂ شہنشاہی و شاہی با آنکہ مغالطۂ فاضحہ است، زیرا کہ اگر بعد شہنشاہ است پس ازاں سبب است کہ خود موجود نماند، وکار جاری داشتن است، نہ ختم کردن، واگر درعہدِ شہنشاہ است پس اگر استمداد در اعمال است بسبب دستِ نارسا است۔ واگر کسے تقسیم سلطنت گوید تاہم از دستِ نارسا۔ و مع الفارق قیاسے رکیک با مانحن فیہ گاہے ملحد ہم می گفت (اگر آپؐ کے بعد بھی اُمت کے خلیفوں اور صلحاء پر نبی کا لفظ بولا جانے لگتا۔ جیسا کہ موسیٰ کے بعد کے لوگوں پر بولا جاتا رہا تو اس میں آپ کی ختم نبوت کی ہتک تھی) اخبار الحکم قادیان ۱۷/ اپریل ۱۹۰۳ء صہ۹ کالم

از فتح مبین مفتی عبداللہ صاحب لدھیانوی صا مع نقول دگر ہم دریں معنی۔ پس نقیضِ این ایجاد کرد ، معہذا در مدت دورۂ اُمّت محمدی تاحال جز نفس کافر خود را در منصب نبوت جا ندہد۔

۱۸۱ ـــــ و واضح و بیّن است کہ در سلسلۂ شہنشاہی و شاہی ہم شہنشاہ امتیازات وخصائص و اختصاصات بارگاہِ خود بدگرے تجویز نکند، بلکہ در محاکات وے سزا دہد۔ و درینجا نفس نبوّت از اختصاصات است، پس کلام دریں است ، و در عدمِ تعدّیِ آں اختصاصات و لزوم آنہا چہ وجہ حل است؟ زیرکہ لابد بعض اختصاصات و امتیازات موجود ہستند، و اگر آنہا متعین شدند ویا متعین نشدند ولیکن اعتقاد کردہ باشد، باز کلام در تعدیۂ آنہا آید، وھلم جرا۔ پس آں اختصاصات چوں عقلاً و شرعاً موجود ہستند، چنانکہ در مقدمۂ زادالمعاد سطرے از انہا نگاشتہ ، و اضافتِ رسول اللہ و نبی اللہ مانندِ اضافت بیت اللہ است ، پس آنہا را از نصوص و سمع جستن باشد یا از اہواء و آراء و از جانب خود رجم بالغیب و رمی باللیل قابلِ اعتماد است ویا افادۂ مالک الملک و صاحب اختیار۔ ؟

۱۸۲ ـــــ عبارتِ مُلّا علی قاریؒ در آخر موضوعات در ذیل لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمُ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا۔[1] کہ مراد انقطاعِ نبوّت تشریع است۔ معلوم باد کہ صوفیہ ہر نبوت را تشریعہ نہادہ اند، گویا مراد از نبوّتِ تشریعیہ نبوتِ شرعیہ، و نبوتِ غیر تشریعیہ نبوّتِ غیر شرعی است، و این اقرب بسوئے فہم عوام است۔

وحافظ ابن تیمیہؒ نسخ وصف نہ نسخِ اصل مانندِ تقییدِ مطلق، و تخصیص

[1] اخرجہ ابن ماجۃ ص ۱۰۸ من حدیث ابن عباس رضؓ

عام، و بیانِ مجمل، و تشریعِ جزئی وظیفۂ انبیاء سابقین قرار دادہ، اگر علی قاریؒ ازیں اصطلاح تقریرِ خود گرفتہ باشد امرے است کہ خلافِ اصطلاح مشہور است کہ نبوت غیر تشریعیہ اعنی اِنباء و بناء احکام نیست. بل تعریفِ معارف و اسرار و اطلاع برآں دادن۔

۱۸۳ــــــ وہمین است محطِّ قولِ شیخ جیلیؒ معاشر الانبیاء اوتیتم الاسم و اوتینا اللقب۔ یعنی اسم بدونِ لحاظِ وصفِ خاص باشد، و منسلخ از تقیید برخلافِ لقب کہ عَلَم عارض و طاری بلحاظ کدام وصف بود، گویا علاوہ ازلحاظِ اطلاق وتقییدآں القاب زائل ہم می شدند، چنانکہ القابِ خلفاءِ عباسیہ بعد از عزل کہ کسے امیرالمومنین نگفت، پس انبیاء اسم لازم و وہبی دادہ شدند، و مطلق۔ و اولیاء عارضی و مقیّد و مکسوب، کہ زائل ہم تواں شد۔ و اوتینا مالم تؤتوا۔ ای بقیۃ کہ از منصبِ انبیاء فرو بودہ نہ ارفع، و یا محض مغائر۔ وہمچنیں قولِ ایشاں خضنا بحرا لم یقف علی ساحلہ الانبیاء۔

۱۸۴ــــــ صوفیہ نبوت بمعنی اِنباء[۴] را مقسم نہادہ شعبۂ اِنباءِ ولایت نیز تحت وے درج کردہ اند، و سببِ وے شاید مانندِ حدیثِ لم یبق من النبوۃ الا المبشرات[۱] بر تقدیرِ استثناء غیر منقطع، و مانند جزء من ستۃ و اربعین جزءًا من النبوۃ[۲] و یا چنانکہ در یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا[۳] تقریر کردہ اند کہ مراد بارگاہ رحمانیت است[۵]

---

[۱] مشکوٰۃ ص ۳۹۴ [۲] مشکوٰۃ ص ۳۹۴ [۳] مریم : ۸۵

[۴] تصریحِ نبوّتِ لغویہ بمعنی خبر دادن در فتوحات از وصل من الباب الثالث والسبعین السؤال التاسع عشر فرمودہ، و نیز فصِّ عزیری را از فصوص باید دید۔ منہ

۱۸۵ــــــــ ومتبادر آں کہ ملّا علی قاریؒ ارادۂ آں کردہ باشند کہ لازم ختم زمانی را دو جز ہستند، یکے آنکہ اِحداثِ نبوّتے نشود، و دیگر آں کہ اگر از انبیاءِ سابقین کدام کس بالفرض باز آمدے مانندِ سفرِ کدام نبی در بلادِ غیر بودے، و متّبع ایں شریعت بودے، چنانکہ در لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا لَّمَّا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ[1] ارشاد شدہ، کہ موجبِ اتّباعِ وے امرے دیگر نیست بل ہمیں کہ ایں دورہ دورۂ محمّدی است، و ایں ہم مفروض و مقدّر است، نہ محقق و واقع۔ چنانکہ در مرقاۃ از فضائلِ علیؓ تقریر تمام کردہ، پس یک جزء مراد در موضوعات ذکر کردہ، و جزءِ دیگر در مرقاۃ و شرح شفاء و شرح فقہ اکبر۔

۱۸۶ــــــــ کلامِ وے در موضوعات در تصویرِ فرض است، کہ اگر حضرتِ ابراہیمؓ بالفرض زندہ ماندندے چگونہ نبی بودندے، و مانعِ زندگیِ اوشاں ذکر نکرد، و آں در حقِّ ایشاں نفسِ انقطاعِ نبوّت است، کہ آیۂ کریمہ اشارہ فرمودہ کہ بجائے ابوّت نبوّت است، گویا مشیّتِ الٰہیّہ دربارۂ خاتم الانبیاءؐ بجائے ابوّت نبوّت دائم نہاد، و چوں نبوّت من بعد مقدر نیست ابوّت ہم نماند، و ہمیں فہمیدہ اند ابن ابی اوفیؓ در کتاب الادب صحیح بخاری[2]

۱۸۷ــــــــ گویا ملّا علیؒ در صددِ ایں تقریر ہستند کہ اگر بالفرض حضرت ابراہیمؓ زندہ ماندہ نبی بودندے چگونہ بودندے، نہ اینکہ احداثِ نبوّتِ غیر تشریعیہ

---

[1] مشکوٰۃ ص۳۰ [2] ص ۹۱۴ ج ۲

تجویز کردند، با این دلیل انقطاعِ نُبوّت تشریعیہ ذکر کردند، و بدلائلِ دگر انقطاعِ نُبوّتِ غیر تشریعیہ و اِحداثِ آں۔

۱۸۸ــــــ و مخفی نیست کہ حدیث دریں فرض ماضی را ذکر کردہ، نہ مستقبل را۔ و حال آنکہ نفی مستقبل پُر ضرور بود، وجہش ہماں کہ در نظرِ شریعت بقاءِ وے در مستقبل نیست۔ پس لازم ختمِ نُبوّت آں کہ اگر کسے ماضی آید تشریع ندارد، و در مستقبل محض آمدن ہم نہ، بقاءِ نُبوّت من غیر تشریع بحقِّ ماضی است، و بحقِّ مستقبل محض مفروض۔

۱۸۹ــــــ و صاحب مجمع البحار[1] گفتہ کہ دریں عنوان مطمحِ نظر و نقطۂ نگاہ صرف عیسیٰ علیہ السّلام ہستند، و در روح المعانی[2] در اسناد ابو شیبۃ واسطی ذکر کردہ کہ متفق علیہ ضعیف است، چنانکہ در فتح القدیر از نزادیح آوردہ، بالجملہ حدیث نیست، و بخیال می آید کہ شاید کدام صحابیؓ از آیۃ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا[3] اقتباس کردہ و بس۔ پس آں کس کہ تصحیح این کردہ غلط کردہ۔

۱۹۰ــــــ حاصل کلام قاریؒ آنکہ انقطاعِ نُبوّتِ تشریع مراد است، و نُبوّتِ غیر تشریعیہ بحقِّ عیسیٰ علیہ السّلام بعد نزول حالتِ بقاء است نہ احداث، و بحقِّ موسیٰؑ مقدّر و مفروض، و بحقِّ حضرت ابراہیمؓ ہم مفروض، لیکن در مانع بحق ہر دو فرق است، نہ اینکہ نبوتِ غیر تشریعی علی الاطلاق باقی است۔ بلکہ این عُہدہ و ولایت منقطع شدہ، نہ اینکہ عُہدہ باقی است، سرفراز کسے نشود،

[1] لعلہ اشارۃ الی مافی تذکرۃ الموضاعات ص ۸۸ [2] ص ۳۱ ج ۲۲ [3] مریم : ۴۱

مانند انقطاعِ اجتهاد۔ فی الجملہ او بجائے استثناءِ اشخاص باعبا نہم عنوان نہادہ، تا محض استثنا۔ غیرِ مُوَجَّہ نباشد، وآں عنوان در نیّتِ وے درسہ شخص منحصر است۔ یکے محقق، و دو مفروض۔ وباز با ہم در وجہِ امتناع متغائر، پس نُبوّتِ تشریع را زیرِ عنوانِ انقطاع نہادہ، و نبوتِ غیرِ تشریعیہ را زیرِ عنوانِ فرض کشیدہ، تا تصویرِ استلزام کردہ باشد۔ گویا در انقطاع دو مرتبہ پیدا کردہ۔ و نباید گفت کہ در امکانِ عقلی مراتب نہادہ، زیرا کہ لفظ منضبط نیست، وموہم است، بلکہ بر قسمے انقطاع اطلاق کردہ، و بر قسمے فرض۔ زیرا کہ ایں فرض نزدِ وے روایت کردہ شدہ است، پس وے خواستہ کہ دو مرتبۂ انقطاع را زیرِ یک عنوان فرا گیرد، و چنانکہ ضبطِ وہبی بودن نُبوّت و مصاحبِ ریاضت و کسب بودن عسیر است۔ و فی الواقع وہبی است، و لیکن بے استحقاق نیست، و نہ ارادۂ جزافی ہم چنیں ضبطِ مراتبِ امکانِ عقلی عسیر است۔ و اگر بر اصطلاحِ صوفیہ رفتہ باشد ممکن است، چنانکہ در مرقاۃ از التحیّات تحقیقِ ایشاں سر دادہ، و اکثرے ایں عنوان از ایشاں سرزدہ تا علماءِ ظاہر رسیدہ، و چوں ایں روایت فی الواقع ثابت نیست صواب آنکہ تفسیر بانقطاعِ نُبوّت علی الاطلاق کردہ شود، کہ من بعد احداث نشود۔

۱۵۱ــــــــ و معلوم باد کہ درینجا دو مضمون ہستند، یکے آں کہ ایں عُہدہ منقطع شد، دوم آنکہ نبیِّ امّیؐ خاتمِ اشخاصِ انبیاء ہستند، ایں ہر دو مضمون در نصوص وارد شدہ، انقطاعِ عُہدہ در نحو حدیث عائشہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا

ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ وَبَقِيَتِ الْمُبَشِّرَاتُ در جامع ترمذیؒ وغیرہ، و این منافیِ آمدنِ کسے بر عُہدۂ نبوت است، خواہ از سابقین باشد و یا لاحقین و حضرتِ عیسیٰؑ بروقتِ نزول اختیارات نُبوّت ندارد۔ و امّا ختمِ اشخاص پس منافیِ آمدنِ کدام سابق نیست و این مُتَبَادِر از خاتم النبیین است، و برین است قول عائشہ صدیقہؓ قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبیَّ بعدہٗ[۴] یعنے تا کدام مُلحد بر نفیِ نزولِ عیسیٰ علیہ السّلام استدلال نکند۔

۱۹۲ ـــــ آمدنِ حضرتِ عیسیٰؑ نہ تجدید نُبوّت است، ہماں ذات است کہ بود، و ہماں صفت کہ داشت، البتّہ حرکتِ ہُبوط و نزول نو است، مانند تردُّد نبی در اشغال و آمد و رفت در عرضِ عمرِ خود۔ آمدنِ وے علامتِ این است کہ سلسلۂ انبیاءؑ ختم شدہ است، بوقتِ قتلِ دجّال کہ منصبِ مسیح گرفتہ بود مسیح ہُدیٰ را آورند کہ تکرار و اعادۂ شئے بعینہ است، نہ ابتداء۔

این ملحد از نزولِ عیسیٰ از قسم افعال و خروج یاجوج و ماجوج از منتخب کنز العمال ص ۵۸ لفظ اریت ابن مریم اہ در کدام کتاب از حاشیہ نقل کردہ، و بررؤیا فرو آوردہ، و حدیث از نواس بن سمعانؓ است کہ مسلم برآوردہ[۳] در وے ہیچ مغالطہ نیست، و سردِ قصہ تمام بصیغۂ استقبال منافی رؤیا است، بلکہ اخبار بالغیب است۔

۱۹۳ ـــــ و نیز قول ملّا علی قاری فلا ینا قض قولہ خاتم النبیّین اذ المعنی انہ لا یأتی بعدہ نبی ینسخ ملّتہ ولم یکن من امّتہ اغلب

---

[۱] ص ۵۱ ج ۲۔ [۲] در منثور ص ۲۰۴ ج ۵ [۳] ص ۴۰۰ ج ۲۔

آنکہ قول وے اذ المعنی اہ معنیٔ حدیث می گوید، نہ معنیٔ آیت۔ زیرا کہ کلام درما قبل در حدیث کردہ، و این معنی از وے بر آوردہ، آیت بر ہماں معنیٰ است کہ اُمّت فہمیدہ، البتہ معنیٔ حدیث خفی بود کہ ذکر کرد۔ آیت کریمہ بسوئے فرض وغیرہ ایما، نکردہ، البتہ حدیث ازیں فرض آگاہانید، پس محتاجِ بیانِ معنیٰ اوّلاً ہمون است، یا مرادِ مقام۔ و این عنوان ہم ناظر بسوئے عیسیٰ علیہ السلام است نہ عام۔ واللہ اعلم و علمہٗ احکم

۱۹۴ــــــــ (۲۹) وچوں بروزِ کرشن او تار بود، و وید کلام حق دانست ہندو گفتنش سزا ہست یا نہ؟ وچرا محمدی باید گفتن نہ ہندو؟ و بحسبِ الہام وے چرا او را راجے سنگہ رُدّر گوپال نگوئیم، و برہمن اوتار؟ کاویہ صـ۳۳۹ حقیقۃ الوحی ص ۸۵

۱۹۵ــــــــ (۳۰) و اگر پنجاہ کرور قومے تکفیرِ طائفہ کنند، و اوشاں باوجود اقلِّ قلیل بودن تکفیرِ ایں ہمہ جماہیر، آیا اوشاں ہر دو یک قوم ہستند؟ (بقول مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری تعداد ایشاں از اخبار ایشاں بہر دو طائفہ ۵۵ ہزار است)

۱۹۶ــــــــ (۳۱) آیا نبی در زمانۂ امتدادِ نبوّت و وحی مُشرک ہم تواند بود؟ و اگر در فہم معنیٔ وحیِ خود تا وقتِ موت در مغالطہ ماند در ادّعاءِ وحی چگونہ یقینِ اصابت است؟

۱۹۷ــــــــ (۳۲) مدتِ ادّعاءِ نبوّت مرزا خود وے چہ گفتہ، و آنکہ بحقِّ وے الہام فخر رسل آوردہ یعنی ناخلف وے چہ گوید؟

۱۹۸ــــــ (۳۳) معیارِ نُبوّتِ مرزا او چہ نہادہ، واذنابِ وے چہ؟ ویا ہمیں کہ مشارکتِ انبیاء در ایرادات کافی است، یعنی دلیلِ نبوّتِ وے ہمیں است کہ ایراداتے کہ بروے وارد اند بردگراں نیز وارد اند۔

۱۹۹ــــــ (۳۴) بابی و بہائی کہ در دعوائے مہدویّت و نُبوّت با مرزا شریک و در اکثر تعلیم شریک اند، بلکہ تعلیمِ مرزا مسروق از وشاں است، چہ وجہ است کہ شما تصدیقِ اوشاں نمی کنید؟ باآنکہ تعلیماتِ اوشاں و تحریفات مماثل تعلیم و تحریف شما است۔

۲۰۰ــــــ (۳۵) مرزا کہ در بعضِ کتبِ خود مانند براہین وغیرہ بعض عقائد موافقِ مسلمین گفتہ، و دراں کتب دعوٰی الہام وافر کردہ، سپس نقیضِ وے آوردہ، و کفر و شرک قرار دادہ، معیار فصل در حق و باطل از کدام وقت است؟ و مریدینِ وے را تمیز از کجا؟

۲۰۱ــــــ (۳۶) مرزا می گوید فقیر در رنگِ جمالی آمدہ است، نہ در رنگ جلالی، ممکن است کہ باز مسیح در رنگ جلالی آید، و تمنائے مولویاں تمام گردد۔ و اینکہ بہ تسلیمِ من مسیح کدام تفاوتِ عظیم افتادہ، ہماں دین است کہ بود، پس آں علوم و معارف چیستند کہ آوردہ است، کہ محققان ندانستہ اند، فہرستِ آں علوم باید داد، کہ نمودہ آید کہ اگر سخنے صحیح گفتہ محققان پیشتر گفتہ اند، و این دون ہمت سرقہ کردہ، والّا باطل ولغو است وکالای بدبریشِ خاوند۔

۲۰۲ــــــ (۳۷) خیالاتِ وے در بروز اگر گاہے نافہمیدہ وبمآل نرسیدہ

چیزے گفتہ باشد، بالآخر راجع بسوئے تناسخ اند، کہ اصول بنیادی ہنوداست، کما فی کتاب الہند للبیرونی پس وے را ہندو چرانگوئیم؟ تفسیر بروز کاویہ ص ۱۰۹ از براہین۔

۲۰۳ ——— (۳۸) شمارا با جمہورِ اہلِ اسلام در کدام عقیدۂ اصولی اختلاف است؟ وحکم زکوٰۃ وحج چیست؟

۲۰۴ ——— (۳۹) الہاماتِ وے کہ الہامِ وعید ہستند، و مقول لہ مذکور نیست، بحقِ نفسِ وے چرانگوئیم؟ چوں الہاماتِ وعدرا بدوں صیغۂ خطاب ہم بحقِ خود دارد، بالخصوص چوں آں وعید بلفظِ خطاب باشد، ومی گوید کہ فاسقان ہم موردِ اخبارِ غیب ہستند، والہام مانند "پیٹ پھٹ گیا" از رسالہ تزک ص ۸۸ (وخود مُرد ور ہیضہ) وعشرۂ کاملہ ص ۴۳، وسوداً مرزا ص ۲۰ "کمترین کا بیڑہ غرق ہوگیا"۔ "دشمن کا خواب وار نکلا"۔

۲۰۵ ——— (۴۰) خیالاتِ وے کہ آنہارا علوم ومعارف نام نہادہ اکثر از جذباتِ یورپ واستبعاداتِ عقلی وفلسفۂ مزاجی ذاتی وطبعی است، نہ مشابہ علومِ انبیاء، کہ اخبار بغیب بدوں تخمینِ عقل وقیاس می کنند۔ وہرچہ در کشوفِ کونیات گفتہ اکثر غلط ودروغ برآمدہ، واکثر الہاماتِ وے در تعلّی ومفاخرِ خود، پس اورا فلسفی منش وکاہن وحزّاء چرانگوئیم؟ چہ کہانت خلقی وجِبِلّی ہم باشد، چنانکہ ابن خلدون نوشتہ [۱] ویا مراقی کہ خود معترف است، ویا ملحد وزندیق کہ تدریج در مکنوناتِ ضمیرِ خود کرد۔ عشرہ ص ۳۵

[۱] لان علوم الکہان کما تکون من الشیاطین تکون من نفوسہم ایضاً۔ مقدمہ ابن خلدون ص ۸۸

ومنتظرِ وقت ماند، چنانکہ اوّلاً تفضیلِ خود بر بعض انبیاء ، رسالہ ترک ص۱۵ " مسیح ابن مریم کے نام سے خاص طور پر مجھے مخصوص کر کے وہ میرے پر رحمت اور عنایت کی گئی جو اس پر نہیں کی گئی"۔ حقیقۃ الوحی ص ۱۵۴، پس بر خاتم الانبیاءؐ تریاق القلوب ص ۳، ۱مطبوع ۱۹۲۲ء و مشکلاتِ دعوت وے از رسالۂ ترک ص ۳۶۔

۲۰۶ــــــــ وگاہے خیالاتِ خود را براغراض مدسوسہ نمی نہد، بلکہ بطورِ سوانحِ وقت و بداء ، چنانکہ درکادیہ ص ۱۰۷ از بدر ۱۹۰۳ء بعد زمان دعوائے خود کہ بقول ناخلف وے ۱۹۰۱ء است ، بعد ترکِ قولِ شیخ اکبر انعکاسِ نبوت جاری داشتہ ، نہ نُبوّت غیر تشریعیہ۔

۲۰۷ــــــــ معلوم باد کہ مدتے شریعت را ہماں فہمیدہ کہ جدیدہ باشد، چنانکہ علماء رح می فہمند، و ایں معقول المعنیٰ است ، و دراں مدت تلقُّفِ آیات و کلماتِ قرآن را شریعت ندانستہ ، نفی شریعت از خود بدوں قیدِ جدیدہ می کند۔ پس شیطانش تعلیم کرد کہ نفسِ ایں تلقُّف را شریعت گوید ، و خود را صاحب شریعت نہد ، چنانکہ چنیں کردہ ماند ۔ و بعد القاءِ ایں وسوسہ محتاج بسوئے تقیید شد ۔ واکنوں ایں ہم کافی نیست کہ نُبوّت غیر تشریعیہ باقی است ، بلکہ تشریعیہ ہم باقی است لیکن نہ جدیدہ۔

۲۰۸ــــــــ پس امثالِ ایں اند علوم و معارفِ وے کہ محض بداءِ وقتی است ۔ بدوں فہمیدنِ آغاز و انجام ، مانندِ ہوا جس و خواطر ، کہ بناءِ تحدی و دعاوی براں داشتہ ، وخلفِ ناخلف وے در" حقیقت النبوۃ" بعض عبارات

این ملحد نقل کردہ کہ در ہر نبوت بعض احکامِ نو بودن ضروری است (اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنی ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں یا نبی سابق کی اُمت نہیں کہلاتے) از اخبار الحکم قادیان جلد ۳ نمبر ۲۹۔ ۱۸۹۹ء۔ و دراں وقت متی نُبوّت برائے خود دیگر ایجاد می کرد، و ازیں ہم شگفت تر کہ خود انجامِ کلامِ خود نمی فہمد، بارے در عذرِ اطلاقِ نبی بر خود می گفت (اگر خدا تعالیٰ سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو بتلاؤ کہ کس نام سے اسے پکارا جاتے۔ اگر کھو کہ اس کا نام محدّث رکھنا چاہیے تو میں کہتا ہوں کہ تحدیث کے معنی لغت کی کسی کتاب میں اظہارِ غیب نہیں) اشتہار ایک غلطی کا ازالہ۔

گویا عذر این است کہ جز نبی لفظے مناسب این معنیٰ و دعوٰیٔ وے نیست، ولفظ محدث ہم مطابق نیست۔ و سابق بریں دعوٰیٔ محدّثیت بحکم خدا شائع کردہ (نبوّت کا نہیں بلکہ محدّثیت کا دعوٰی ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے) از عشرہ کاملہ بحوالہ ازالۃ الاوہام وغیرہ ص ۱۳۱، پس نفہمید کہ چوں دعوائے محدَّثیت بحکم خدا گفتہ آمدم غیر مطابق چگونہ باشد ؟ و تا حال در اطلاقِ نبی عذر و معاذیر وانمود، سپس ادعاءِ نبوت کاملہ حقیقیہ و تکفیر منکراں کرد۔

پس مقالاتِ عمرو وے چناں نیست کہ کلامِ کدام مصنّف ضابط است کہ توفیق جستہ آید، نہ ہمہ آں بر تدریج، چنانکہ ناخلفِ وے سراید، بلکہ بسبب کمیِّ علم و سوانح وقت و بداءِ امر خیال متہافت۔

۲۰۹ــــــ و علیٰ کلِّ حال ادعاءِ نُبوّتِ تامّہ کردہ و توبہ نکردہ، پس ﷺ تدو

کا فراست ، و ہم چنیں ہر دو جماعتِ وے کہ یکے تقسیم بر تبدیلِ وارداتِ غیبیہ و تدریج می کند ، و دگر وجہِ توفیق در متناقض و متعارض می جوید۔ و وے بحقیقت مثلِ اعمیٰ سینہ زور است ، کہ بوقتِ دویدن وقتی ہیچ نہ بلند ، خواہ در مغاک افتد ، و یا شکوخ خورد ، و یا صدمہ خوردہ سر شکند۔ و بر سنوحِ تحریف نواز نو بناء نہد و ہیچ حقیقتے محصّلہ در ذہنِ وے نیست ، ہر چہ پیش آید تا زمانے آں را می سراید و آسیا می گرداند ، و چوں چیزے دگر تراشید و اژ گونہ آسیا گردانید ، و بسوئے تفاوُت و تہافتِ سابق و لاحق بسا اینکہ ذہنش نرود و نرسد ، و فروقِ عباراتِ خود و دگراں بسا اینکہ نفہمد و نسنجد ، و گاہ در زمانِ لاحق ہم سخنِ سابق درمیان آرد ، گویا کہ تناقض و تہافت نیست۔

۲۱۰ ــــــ اَذنابِ وے تا حال در اصلاحِ خَبط و خَلط و تہافت و تساقُط و تعارُض و تناقُض و جہلِ بسیط و مرکّبِ وے جانہا و ایمانہا باختند ، و فرقہا شدند ، بل تکفیر یکدگر کردہ ماندند ، تا ہم چیزے نتافتند ، و تعلیم و ذخیرۂ وے مصداق ؎

سگ بدریائے ہفتگانہ بشوے
چوں کہ ترشد پلید تر باشد

اُفتادہ (واللہ غالب علی امرہ)

۲۱۱ ــــــ و فی الحقیقت وے خود مرادِ سابقین نمی فہمد ، و نہ مؤدّائے واقعِ خود۔ و اذناب در ہوّۂ ہاویہ افتادہ اند ، و وے در نقول و حوالہ جات مغالطہ

خوردہ و دادہ، چنانکہ درحیاتِ عیسیٰؑ بسوئے امام مالکؒ، وامام بخاریؒ، وحافظ ابن حزم وحافظ ابن تیمیہ نسبتِ اعتقادِ موت کردہ، وہمگی خلاف واقع است۔ وچوں بصراحِ نقول از کتبِ ایشاں اعتقادِ حیات نمودہ شد اَذْنابِ وے در مجالس مفتضح می شوند، ومیدان خالی دیدہ باز از اِلحاد و مغالطہ باز نیایند۔

۲۱۲۔۔۔۔۔ وے از مناسبتِ قرآن چنداں محروم بودہ کہ بغایتِ کثرت آیات را محرّف وغلط نقل می کند، ومضمونہا بسوئے قرآن نسبت کند کہ رائحۂ آنہا در قرآن موجود نیست، وبرمثلِ کتاب صحیح بخاری افتراء ہٰذا خلیفۃ اللّٰہ المھدی نمودہ کہ موجبِ فضیحت است، وبرمعاصرینِ خود دانستہ افتراء ہا بستہ، وہمہ ایں اُمور را ناظرین ثابت کردہ شائع کردند، لیکن اذنابِ وے را ہیچگونہ ہدایت دست نداد۔ ومن لم یجعل اللّٰہ لہ نورا فمالہ من نور۔

۲۱۳۔۔۔۔۔ آیاتِ کثیرہ را از قرآن درموتِ عیسیٰؑ می نہد، کہ مساس ہم بموتِ حضرتِ ایشاں ندارند، واز جہلِ تامّ وطامّ ندانستہ کہ احادیثِ نزول کہ در متنِ خود بحال داشتہ از ہموں قرآن مستفاد اند نہ از کدام اجتہاد ویا اسرائیلیات پس ضرور است کہ درقرآن چیزے ازیں فرمودہ باشد، وآں ملائم تعبیرِ نزول باشد، نہ مُنافرِ۔ پس موت ذکر نکردہ است، زیرا کہ منافرتِ اسلوبِ لفظی ہم درمیانِ قرآن وحدیث نقیصۂ است عظیم، ومغالطۂ فخیم حدیث وقرآن را نسبتِ شرح ومتن باید بود، نہ ایں از عالمے۔ ونہ اینکہ قرآن موت اعلان کند، وحدیث رجوع، کہ بدونِ بیانِ مراد مناقضِ صنیعِ قرآن شدے ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ[1] وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَھُمْ

[1] القیامۃ: ۱۹

فہرست

الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ [1]

۲۱۴ـــــ حدیث را لازم است کہ اتّباعِ اُسلوبِ قرآن کند، واگر مغائرت کند اطلاع دہد۔ وبناءِ کلام بر اغراضِ مکنونہ کہ مخاطب شمۂ ازاں نشمیدہ و عہد نداشتہ ہدایت نیست، بل دانستہ اضلال است، و نہ درعالم از کدام سلیم الفطرت بوقوع آمدہ، و یا در احادیث نظیرِ آں واقع شدہ، آیا ہمیں یک موضع است فقط کہ اُمت تباہ شدہ؟ و ہمیں جاکہ جائے الحاد ایں ملحد و اتّباعِ ہوٰی و خواہشِ نفسِ وے است کوتاہی رفت؟ و برائے ایں ملحد گذاشتند؟

پیغمبرِ اسلام در احادیثِ متظافرہ، کہ بتواتر رسیدہ اند، و علی رؤس الاشہاد و علیٰ اعین الناس رسانیدہ اند، یک بار ہم بسوئے مراد اشارہ نہ فرمود؟ واُمّت را ہمگی بر باطل گذاشت؟ و ایں امر فظیع روا داشت؟ کارے کہ بیک لفظ کسے براید و نہ براردماند وے کدا کس باطل پسند نیست۔ وحال آنکہ در رفع و نزول در قرآن و حدیث طِباق است، ونزول مقابلِ مصداقِ رفع۔ بالفرض اگر ذکرِ نزول بعد ذکرِ موت بودے آنگاہ محل وے دریافت کردہ شدے، نہ آنکہ کہ ذکرش بعد از ذکرِ رفع است وشریطے از یک سلسلہ است۔

۲۱۵ـــــ غرض اینکہ ایں اسودِ کاذب مجمع و معجونِ عیوب و نقائص است، وشاید کم کسے چنیں ساقط از حواس و دماغ باشد، و معہذا دعوٰیٔ افضل الرسل

[1] النحل : ۶۴

بودن وارد ، واللہ عزیز ذو انتقام ـــــ و قطع وتینِ وے بقہرِ مرض ہیضہ و قے و اسہال و پُر خواری کرد، کہ بقولِ ناخلفِ وے بعد از دعوئ نبوّت در حدود ہفت سال بودہ

۲۱۶ ـــــ مخفی مباد کہ ملحدانِ ایں زمانہ الحادے و وسوسہ شیطانی از خود آفریدہ آنرا حقیقتِ متقررۂ علمیّہ مے سازند، بعد ازاں از اہلِ حق مطالبہ کنند کہ ردِّ صریحِ وے از قرآن برآرید ، وچوں ایں امر ہر جا میسّر نیست کہ قرآن با ہر وسوسہ کہ آفرینند دور کند ، در جماعتِ خود ریشخندہ ہا می زنند، گویا نفسِ ایجادِ کدام الحاد کافی است ، اثرے و اثارۂ از علم دارد ، و یا ندارد و گاہ دیدیم کہ مطالبہ کنند ردِّ ایں از علماءِ سابقین پیش کنید ، وچوں پیش کردہ شد گویند کہ در حدیث نیامدہ ، وچوں از حدیث پیش کردہ شد گویند کہ در قرآن نیامدہ ، وچوں از قرآن پیش کردہ شود گویند کہ یک بار آمدہ است ، مزید تاکید نفرمودہ ۔ و ہمچنیں از مرحلۂ بمرحلۂ فرار کنند ۔ چنانکہ با احقر در لفظِ "نزول من السّماء" باضافۂ ایں قید واقع شدہ ، کہ از کتاب الاسماء والصفات للبیہقی پیش کردہ بودم۔ پس یاد باید داشت کہ عدم تیسّر ردِّ امرے از قرآن برلئے صواب بودنِ وے کافی نیست ، و نہ اہلِ حق را اضطراب باید، بلکہ گاہے نفسِ ایجادِ وے الحاد است۔ و گاہے عنوانے از جانبِ خود اختراع کردہ مطالبہ می کنند کہ بایں لفظ وعنوانِ خاص از قرآن وغیرہ پیش کنید ، ورنہ خیال ما ثابت است۔ و فی الحقیقت برلئے بطلانِ کدام الحاد عدمِ وجودِ آں در ذخیرۂ دین کافی است نہ اینکہ ردِّ آں ہر جا در قرآن باشد ، وہماں لفظ باشد کہ خواہند، و نہ اینکہ

ع "ان السفیہ اذا لم ینہ ماموں"

۲۱۷ــــــــ و بسببِ قلّتِ علم و کثرتِ جہل و کبر و تعلّیِ جبلّی و تنگ ظرفی و تنگ ظرفی و دون فطرتی و کم حوصلگی امورِ معمولی را، کہ پیش پا افتادہ باشند، مواہبِ غیبیہ و مننِ سماویہ می دارد، و پندارد کہ ہیچ حقیقت از حقائقِ غیبیہ از مَبلَغِ علم و ادراکِ وے بیرون نیست و ازیں پندار در الہیات و نبوات در آویزد، و کلامِ سوقیانہ و دریدہ دہناں می کند ؎

خواجہ پندارد کہ او را حاصلے است ــــ حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست

خیالاتِ نادانِ خلوت نشیں بہم بر کُند بیخِ دنیا و دیں

۲۱۸ــــــــ بروز شاید در کلام کدام یکے بمعنی فیض روحانی و تربیت باطنی بودہ، و اتحاد در کلامِ عُشّاق بمعنی تشابُہ و فناءِ مُحبّانہ. ایں جاہل لسا اطلاق می کند، و خیال، و وے اینکہ بر مرادِ صوفیہ نشان زدم، و فی الحقیقت در ذہنِ وے ہیچ مصداق نباشد، الا لقلقہ لسانی، و تلقُّفِ کلمات دیگراں، و محاکاتِ ایشاں. رفتہ رفتہ در مغاکِ صریح تناسخ افتادہ، و بہ ’جنم‘ و ’اوتار‘ تفسیر کردہ کہ اصولِ بنیادی ہنود است.

۲۱۹ــــــــ آیا اثباتِ نبوّت کسے بہ تخفیفِ امرِ اصلِ نبوّت و تہوینِ شانِ وے و ایرادات بر انبیاء می باشد؟ و یا بتقریرِ کدام اصلِ ثابت علی حدہ و آیاتِ بیّنات؟

۲۲۰ــــــــ می گوید کہ اگر در انباءِ غیب کدام نقصان ماند، آں جزء کہ بر روئے کار آمد منتفع باید شد، پیشنیان ہم بہمیں شُبہہ محروم ماندند کہ انباءِ سابقہ بر مُدعیانِ

نبوت بحسبِ تصویرِ خود راست ندیدند، و محروم ماندند۔ کسے را می رسد کہ گوید در حالِ التباس یقین نفع نیست، و چناں اگر ہست چنیں ہم است، پس ایں مشورہ مشورۂ نصح و اخلاص نیست، بلکہ برائے غرض خود تلبیس و دغا است

اے بسا ابلیس کآدم روئے ہست　　پس بہر دستے نباید داد دست

۲۲۱ــــــ آیا الہام ہمچو ملکۂ انشا پردازی است و سلیقہ و آمد طبیعت است؟ اکثر دیدہ شدہ کہ در کتبِ سابقہ کدام چیز دیدہ و آموختہ مانندِ وے الہام می تراشد مانندِ اخطئ و اصیب و مانندِ الہامِ عمانوئیل کہ دروغ ہم برآمد، و گاہے چیزے می تراشد کہ کدام حقیقتِ محصّلہ ندارد، سپس موافقِ وے الہام نیز می زاید، مانندِ انت منی بمنزلۃ بروزی و حقیقتِ وے در کتبِ سماویہ ہیچ نیست۔

۲۲۲ــــــ آیا با مورِ موہومہ و مشکوکہ، کہ یا ثبوت آنہا معلوم نبود، و یا گمان باشد کہ کدام پیوند و شریطہ از سلسلہ فرو ماندہ، و راوی فرو گذاشتہ، بر قطعیّات اعتراض کردن و ہدمِ آنہا کار ایمانداری است کہ ایں فرقہ در بابِ عصمتِ انبیاء ہمچنیں کردہ، و با مورِ مجہول الحال قطعیّات و متواترات بر ہم زدہ، و حال آنکہ در استراق و تلقفِ خود، کہ آنرا وحی نام نہادہ، تعلق بتواتر وے می کند، و چوں غرضِ ایں ملحد بر ہم زدنِ دین بود، و می دانست کہ در پیشین گوئیہا ذلیل و رسواء خواہم شد، اوّلاً تدبیر کرد کہ انباءِ انبیاء را مکدّر باید کرد، تا بوقتِ حاجت بکار آید، و مقدمۂ ممہدّہ ماند۔

۲۲۳ــــــ توہینِ انبیاء اوّلاً ابلیس کردہ، و وے با حضرتِ حق مناظرہ کردہ کہ وہبِ تو تشریف کسے بدون کمالاتِ کسبیہ حق نیست۔ حق فرمود کہ مرا

اختیارِ فضل وتشریف و داد از خواست، ابلیس این اختیار جائز نداشت و فاضلِ از بنیۂ کدام واجزائے وے انعام کردن معقول نگفت، گویا مزاجِ اختیارات سلطانی بود۔ سپس این شقی بر قدمِ ابلیس بلکہ بدرجہا زائد از وے آمدہ، و مزید اظہارِ کفرِ مکنونِ خود در توہینِ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام بکار بردہ، و غرضِ وے آنست کہ عظمتِ اوشان از قلوبِ مسلمین آرد، وجائے اوشان گیرد۔ ع کجا عیسیٰ کجا دجّالِ ناپاک

ولہٰذا با پیشوایان ہنود این معاملہ نکردہ وتوقیر و استمالۂ اوشان نمودہ؛

۲۲۴ ــــــ واستدلال بہ متشابہات کہ ذہن بسوئے آنہا نرود، وترکِ محکمات درباب آیا الحاد نیست؟ کہ این ملحد امورے را کہ در کتب از دساوس وشبہاتِ بے ایمانان آوردہ اند، التقاط کردہ دینِ خود ساخت، وچون دحضِ کسے خواہد اثارۂ شبہات شیطانیہ کند، وچون جلب خواہد ایجادِ مناسباتِ مزوّرہ نماید، وتحمل بر استعارۃ و مجاز تاویل کہ موضوع ذخیرۂ خود ساختہ از اکثر عقائدِ اسلامیہ وبعض احکامِ شرعیہ، مانندِ زکوٰۃ و حج وجہاد فراغ یافتہ است، واذنابِ وے عن قریب از دگر احکام ہم بیباق خواہند شد، وصرف گردانِ الفاظ کفایت خواہد کرد، وذخیرۂ آخرت و ہدیۂ آں بارگاہ تاویلے چند خواہند ماند۔ زیرا کہ دیدیم اوخود افعال را ہم استعارہ می گوید چنانکہ در کشتی نوح ص ۴۷ می سراید (مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا، اور آخر کئی مہینے کے بعد، جو دس مہینے سے زیادہ نہیں، بذریعہ اس الہام کے مجھے مریم سے

عیسٰی بنایا گیا) این استعارۂ فعلی را شنیدہ باش کہ از علوم مختصہ وے است کہ بوے در خارج حامل تواں شد۔

۲۲۵ــــــ در تحصیلِ حُطامِ دُنیا ہیچ دقیقہ از حِیَل فروگذاشتہ، مانندِ فروختنِ تصویر خود، و جلب زکوٰۃ درا ہواءِ خویش، و الغاءِ مصارفِ شرعیۂ وے، وایجابِ وے مبلَغ بر مریدان، و اخراجِ او شاں از بیعت اگر بر وقت نرسد۔ و در تذلیلِ مخالفان تصویر ہائے او شاں بوقتِ موت اشاعت کردہ خبراز تخمیرِ ضمیرِ خود دادہ، کہ مانندِ قبرِ ظالم تنگ و تاریک است، و در القاءِ تاثیر بر مخاطبان محاکاتِ انبیاء و تعبیر و خطابِ ایشان وکتب سماویہ نمودہ، از تکثیرِ حلفہا، و اظہارِ ہمدردیٔ بنی نوع انسان، و در ردِّ مخالفان جانبِ دعوتِ اوشاں، و اظہارِ نصحِ او شاں، و دلسوزی بر ایشاں، و ابرازِ مظلومیِ خود از مخالفان، و تکرار و اصرارِ وے ہمراہ داشتہ۔ وچیز ہائے مخالفِ خویش را بہ تشبیہات و تشویہاتِ قبیحہ، و ہر گونہ کہ امکان تنفیر بود تقبیح کردہ، ابلہ فریبی نمودہ، اقتصار بر دائرۂ علم و دلیل ندارد، چنانکہ در متعلقاتِ عیسٰی علیہ السّلام دراحادیثِ قتلِ خنزیر و مثلِ آں تمسخر ہا وریشخند ہا کردہ، کہ از اربابِ اخلاقِ فاضلہ متوقّع نیست، دوں طبیعتانِ کمیں ہمتان، کہ مسقطِ نظرِ او شاں مجردِ مطلب بر آریٔ خود باشد، کارِ اد شان است کہ در حدِّ اخلاقِ فاضلہ مقیّد نمانند۔ و اصحابِ وے کہ ما دیدیم ہمگی از اوصافِ دیانت و ایمانداری و حیاء و اخلاص خالی و عاری دیدیم، وخود وے مطالعۂ احوالِ متنبّیینِ سابقہ کردہ، وطریقۂ نفاذِ دعوتِ او شاں نگاہ

داشتہ، و در تعبیر کوشش ہر چہ تواند در القاء اثر صرف کردہ، از محاکاتِ کتبِ سماویہ و تشبُّہ بانبیاء، و تلقُّف از متنبّئین۔ و لیکن این ہمہ صورتِ تعبیر است، و ترقیق کلام۔ تحتِ آں صورت ہیچ مادہ از دلیل و سخنِ حق موجود نیست، بل اثارۂ شبہات و تدریج در استزلال و استنزال۔ چنانکہ در تحفۂ اثنا عشریہ از مراتبِ دعوتِ باطنیّہ آوردہ۔ و گمانِ غالب آنکہ علاوہ کتبِ باب و بہاء، کتبِ شیعۂ متصوفہ، کہ فلسفہ را تصوف ساختہ اند، دیدہ و دزدیدہ کہ وافر اند و کثیرے در زبانِ فارسی۔ زیرا کہ تا علومِ فتوحات رسائی وے نیافتم، و از فنِّ حقائقِ صوفیہ ہیچ چیز را صحیح نفہمیدہ، و در الٰہیّات چناں تشبیہاتِ سوقیانہ و تعبیراتِ جاہلانہ دادہ و کردہ کہ فرزشت بہ بدن افتد، اختراعِ حقائقِ باطلہ از جانبِ خود، مانندِ بعثتِ ثانیہ خاتم الانبیاء، سپس تحریفِ نصوصِ دین بر وفقِ آں اہواء، کہ اذنابِ وے ایمان براں باختہ اند و علوم و معارف باور کردہ۔

۲۲۶ ـــــ و چوں از کسے مایوس شود کہ در دام نیفتاد و صیدش نشد بفحشِ کلامی تمام و مغلّظات با وے در آویزد، و دقیقۂ از اذلال فرونگذارد، و در ہر امرے کہ کند آسیا می گرداند۔

۲۲۷ ـــــ دعویٔ شوکت و نصرت در الہاماتِ خود، و امتلاءِ قلب و انشراحِ صدر، و لذّت و بردِ یقین، در مثل ضرورۃ الامام و حقیقۃ الوحی و ازالۃ الاوہام وغیرہ۔ و بعد ایں شورا شوری در حمامۃ البشری ص ۰۹ ہم کمال بے نمکی در الہامِ موتِ عیسیٰؑ و در نبوّتِ خود۔ از عشرۂ کاملہ۔ و شنیدہ شد کہ گوید بخوفِ مسلمانان نہان داشتم، ورنہ حیاتِ عیسیٰؑ از اوّل عقیدۂ من نبود، اگرچہ در براہین، کہ آں ہم

بالہام است ،، بخوف نوشتہ ماندم ، چیزے از عشرہ ص ۳۵ بحوالہ حمامتہ البشری ص ۶ ، باید دید۔

۲۲۸ــــــ استبعادات سوقیانہ در متعلقاتِ عیسیٰؑ ، وادعاء اشدّ از آں وازیَد در متعلقاتِ خود۔ مانندِ حجاب برداشتنِ حضرتِ حق از چہرۂ خود ، وتمسخر باوے۔ از ضرورۃ الامام۔ وگاہے آں الہامات کہ از دائرۂ حیاء وآدمیّت خارج اند ، مانند اظہارِ خدا فعلِ رجولیّت بروے ، عشرہ کاملہ ص ۳۳

۲۲۹ــــــ تکذیبِ اَنباءِ انبیاء علیہم السّلام ، وایرادات بر بعض اجزاء آنہا ، واینکہ بتمام اجزاء تمام نشدہ اند ، وباُمور موہومہ وشبہات ہدم وتکذیب قطعیات ، واثارۂ شبہات اندراں ، تابوقتِ ناراست شدن پیشین گوئیہائے وے سامان جواب باشد۔ پس تاوقتیکہ مساہمتِ بانبیاء جوید در اعتراضات اوشاں را شریکِ غالب گوید۔ یعنی بنسبتِ وے بر ایشاں اعتراضات زیادہ اند ، وچوں نوبتِ اختصاصِ وے رسید آں راغیبِ مُصفّٰی می گوید۔

۲۳۰ــــــ تخفیفِ شانِ معجزات ، وانکار کبار آنہا ، مانندِ حمل معجزۂ شق القمر بر کسوف ، وحملِ معراج بر کشف ، وانکارِ احیاءِ موتیٰ ، وحمل بر مسمریزم۔ والقاءِ صغار تا امورِ محقّرۂ خودرا در معجزات تواں آورد ، مانند حصولِ چندۂ ، وشیوعِ بیعت ، کہ ہر یکے را معجزۂ مستقلہ شمردہ ، عددِ معجزات خود تا دہ لک نوشتہ ، وعددِ معجزات خاتم الانبیاء صلّی اللہ علیہ وسلّم سہ ہزار قرار دادہ۔

حق تعالےٰ بر اُمّتِ مرحومہ رحم کناد۔ واز الحاد وارتداد ایں لعین نجات دہاد۔

اشاریہ

آیاتؒ

احادیث

اسماء

کِتابیاتؒ

مرتّب ...... محمد یوسف لدھیانوی عفا اللہ عنہ

ا......آیات

ءَامِنُواْ بِمَا نَزَّلۡنَا مُصَدِّقٗا لِّمَا مَعَكُم : ١٦٦

ٱتَّبِعُواْ مَآ أُنزِلَ إِلَيۡكُم مِّن رَّبِّكُمۡ :١٥٧

وَإِذۡ قَالَتِ ٱلۡمَلَٰٓئِكَةُ يَٰمَرۡيَمُ :١٢٧

ٱشۡدُدۡ بِهِۦٓ أَزۡرِي ﴿٣١﴾ :١٠٤

ٱللَّهُ أَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهُۥۗ :١٣٠

أَلَمۡ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يَزۡعُمُونَ أَنَّهُمۡ ءَامَنُواْ :١٥٤

ٱلۡيَوۡمَ أَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِينَكُمۡ :١٧١،٤٨،٣٠

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ ٱلۡأَبۡتَرُ ﴿٣﴾ :١٣٨

إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ ﴿١٥٣﴾ :١٣٢

تِلۡكَ ٱلرُّسُلُ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلَىٰ بَعۡضٖ :٩١

ثُمَّ إِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهُۥ ﴿١٩﴾ :٢١٣

رَبَّنَا وَٱبۡعَثۡ فِيهِمۡ رَسُولٗا مِّنۡهُمۡ :٦

سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ :١٠٤

صِرَٰطَ ٱلَّذِينَ أَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ :١٦٩،١٣٢

فَأُوْلَٰٓئِكَ مَعَ ٱلَّذِينَ أَنۡعَمَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِم :١٧٠،١٥٨،١٣٢

فَإِنَّهُۥ نَزَّلَهُۥ عَلَىٰ قَلۡبِكَ :١٦٦

فَكَيۡفَ إِذَا جِئۡنَا مِن كُلِّ أُمَّةِۭ بِشَهِيدٖ وَجِئۡنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ شَهِيدٗا ﴿٤١﴾

قُلۡنَا ٱهۡبِطُواْ مِنۡهَا جَمِيعٗاۖ :١٢٦

كَذَٰلِكَ يُوحِىٓ إِلَيۡكَ وَإِلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكَ :١٥٤

كُنتُمۡ خَيۡرَ أُمَّةٍ أُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ :٤٩،١٥٦

لَّـٰكِنِ ٱلرَّـٰسِخُونَ فِى ٱلۡعِلۡمِ مِنۡهُمۡ :١٥٤

لِكَىۡ لَا يَكُونَ عَلَى ٱلۡمُؤۡمِنِينَ حَرَجٌ :١٣٩

لِيَكُونَ ٱلرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيۡكُمۡ :٤٩

مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمۡ :٦،١٨،٧٥،٩٧،١١٩،١٤٢،١٤٣،١٤٤

مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ ٱللَّهِ ۚ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ :١٢٧

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ ٱلۡكِتَـٰبِ :١٦٦

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ ٱلتَّوۡرَىٰةِ ۖ :١٦٦

مِّنَ ٱللَّهِ ذِى ٱلۡمَعَارِجِ ﴿٣﴾ :٣٥

وَءَامِنُواْ بِمَآ أَنزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ :١٦٦

وَإِذۡ أَخَذَ ٱللَّهُ مِيثَـٰقَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ :٧٧،١٦٥،١٦٦

وَإِذۡ تَقُولُ لِلَّذِىٓ أَنۡعَمَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِ :١٣٢

وَإِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلَـٰٓئِكَةِ إِنِّى جَاعِلٌ فِى ٱلۡأَرۡضِ خَلِيفَةً ۖ :٥٤

وَٱذۡكُرۡ أَخَا عَادٍ :١١١

وَٱذۡكُرۡ فِى ٱلۡكِتَـٰبِ إِبۡرَٰهِيمَ ۚ :١٨٩

وَأَزۡوَٰجُهُۥٓ أُمَّهَـٰتُهُمۡ ۗ :١٩

وَأَشۡرِكۡهُ فِىٓ أَمۡرِى ﴿٣٢﴾ :٩٠

وَإِنَّا لَهُۥ لَحَـٰفِظُونَ ﴿٩﴾ :٣٠

وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ﴿٥١﴾ :١٨

فہرست

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا :۱۵۶،۴۹

وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ :۱۲۱

وَٱلَّذِينَ هُم بِـَٔايَٰتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٦﴾ :۴۸

وَٱلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ :۱۵۴

وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَجْتَبِى مِن رُّسُلِهِۦ مَن يَشَآءُ ۖ :۱۳۰

وَلَقَدْ أُوحِىَ إِلَيْكَ وَإِلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكَ :۱۵۴

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتَٰبٌ مِّنْ عِندِ ٱللَّهِ :۱۲۶

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ ٱللَّهِ :۱۲۶

وَمَآ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ ٱلْمُرْسَلِينَ :۱۵۷

وَمَآ أَرْسَلْنَٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَٰلَمِينَ ﴿١٠٧﴾ :۴۸

وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِىٍّ :۱۵۷،۱۸

وَمَآ أَنزَلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ :۲۱۳

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَآءَكُمْ أَبْنَآءَكُمْ ۚ :۱۳۹

وَمَا عَلَّمْنَٰهُ ٱلشِّعْرَ :۸۷

وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًۢا ﴿١٥٧﴾ بَل رَّفَعَهُ ٱللَّهُ إِلَيْهِ ۚ :۱۲۱

وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُولٍ يَأْتِى مِنۢ بَعْدِى ٱسْمُهُۥٓ أَحْمَدُ ۖ :۱۲۷

وَمَن يُشَاقِقِ ٱلرَّسُولَ مِنۢ بَعْدِ مَا :۱۴۸،۸۹

وَوَرِثَ سُلَيْمَٰنُ دَاوُۥدَ ۖ :۱۴۰،۲۱

وَهُوَ ٱلْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ :۱۲۶

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِى كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم :۴۹

وَيَوۡمَ يَمُوتُ :١٢١

هُوَ ٱلَّذِى بَعَثَ فِى ٱلۡأُمِّيِّـۧنَ رَسُولًا مِّنۡهُمۡ :١١١

هُوَ سَمَّىٰكُمُ ٱلۡمُسۡلِمِينَ مِن قَبۡلُ وَفِى هَٰذَا :١١١

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ ءَامِنُواْ :١٥٤

يَـٰبَنِىٓ ءَادَمَ إِمَّا يَأۡتِيَنَّكُمۡ رُسُلٞ مِّنكُمۡ :١٢٦

يَـٰزَكَرِيَّآ إِنَّا نُبَشِّرُكَ :١٢٧

يَتَنَزَّلُ ٱلۡأَمۡرُ بَيۡنَهُنَّ :٣٥

يَرِثُنِى وَيَرِثُ مِنۡ ءَالِ يَعۡقُوبَ :١٢١،١٤٠

يَوۡمَ نَحۡشُرُ ٱلۡمُتَّقِينَ إِلَى ٱلرَّحۡمَٰنِ وَفۡدٗا ﴿٨٥﴾ :١٨٤

يَوۡمَ نَدۡعُواْ كُلَّ أُنَاسِۭ بِإِمَٰمِهِمۡ :١٠٤

۲......احادیث

اَنۡتَ مَعَ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ: ۱۳۲

اَنۡتَ مِنّي بِمَنۡزِلَةِ هَارُونَ مِنۡ مُّوسىٰ: ۱۱۰،۲۲

اِنَّ اللّٰهَ بَدَأَ هٰذَا الۡاَمۡرَ نُبُوَّةً وَرَحۡمَةً: ۱۵۲

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ كَتَبَ مَقَادِيۡرَ الۡخَلۡقِ: ۴۶

اِنَّ مَثَلِيۡ وَمَثَلَ الۡاَنۡبِيَاءِ......بَنىٰ دَاراً: ۱۳ ،۱۱۰، ۱۲۷

اِنَّ النُّبُوَّةَ وَالرِّسَالَةَ قَدِ انۡقَطَعَتۡ: ۳۱، ۴۴

اِنِّيۡ عِنۡدَ اللّٰهِ مَكۡتُوبٌ خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ: ۳۲، ۴۶

اَلۡاَنۡبِيَاءُ اَحۡيَاءٌ فِيۡ قُبُوۡرِهِمۡ يُصَلُّوۡنَ: ۱۹، ۱۰۵

قُلۡ وَمَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ: ۵۴

بَيۡنَ كَتِفَيۡهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ: ۴۶، ۱۲۲

حدیث شفاعت: ۴۶، ۱۲۲، ۱۶۳، ۱۶۴

حدیث ثلٰثین دجال: ۱۱۰

حدیث تصدیق دجّال: ۹۰

حدیث نزول عیسیٰ من السماء: ۲۱۶

حدیث نواس بن سمعان: ۱۹۲

حدیث نہی نقش بر نقش نبوی: ۱۲۲

خَلَقَ اللّٰهُ الۡخَلۡقَ فَمَنۡ خَلَقَ اللّٰهَ: ۲۵

ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ وَبَقِيَتۡ مُبَشِّرَاتٌ: ۱۹۱

اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ جُزْ...مِنَ النُّبُوَّةِ: ۱۸۴

اَلسُّلْطَانُ ظِلُّ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ: ۱۱۳

كُنْتُ اَوَّلَ النَّبِيِّيْنَ فِی الْخَلْقِ: ۴۶

لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ: ۸۳

لَا تُخَيِّرُوْا بَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ: ۸۳

لَا نُوْرِثُ، مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ: ۲۱، ۱۳۰

لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ: ۱۸۴

لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمُ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا: ۱۸۲

لَوْ كَانَ مُوْسٰی حَيًّا لَمَا وَسِعَهُ اِلَّا اتِّبَاعِیْ: ۱۸۵

مَرَّ نَبِيٌّ وَمَعَهُ رَجُلٌ وَمَرَّ نَبِيٌّ وَمَعَهُ رَجُلَانِ: ۸۱

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ: ۱۲۹

نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ: ۴۶، ۱۶۳

وَخُتِمَ بِیَ النَّبِيُّوْنَ: ۱۸۱

هٰذَا خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِیْ: ۲۱۲

اِنَّ اللّٰهَ لَمَّا حَكَمَ اَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَهٗ لَمْ يُعْطِهٖ وَلَدًا ذَكَرًا يُّصِيْرُ رَجُلًا: ۱۴۰

قُوْلُوْا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ: ۲۷، ۱۹۱

مَاتَ صَغِيْرًا وَلَوْ قَضٰی اَنْ يَّكُوْنَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيٌّ

عَاشَ اِبْنُهٗ، وَلٰكِنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَهٗ: ۱۸۶

يُرِيْدُ لَوْ لَمْ اَخْتِرْ بِهِ النَّبِيِّيْنَ لَجَعَلْتَ لَهٗ اِبْنًا يَكُوْنُ بَعْدَهٗ نَبِيًّا: ۲۶

۳......اسماء

آدم علیہ السلام: ۶، ۳۲، ۳۶، ۴۶، ۵۴، ۶۱،
۷۷، ۱۲۷، ۵، ۱۲۸، ۱۲۹ (شعر ۱۶)، ۶۲

ابراہیم علیہ السلام: ۶، ۴۶، ۱۴۰، ۱۸۹

ابراہیمؓ بن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۱۰۳، ۱۳۸،
۱۸۲، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۹۰

ابراہیم بن عبدالرحمٰن العذری: ۱۴۹

ابن ابی شیبہؒ: ۴۶

ابن تیمیہؒ: ۱۸۲، ۲۱۱

ابن حجرؒ: ۱۶۸

ابن حزمؒ: ۱۶۹، ۱۸۲

ابن خلدونؒ: ۵۸، ۹۰، ۲۰۵

ابن سعدؒ: ۴۶

ابن عباسؓ: ۶۶، ۸۱، ۱۰۳، ۱۳۹، ۱۸۲

ابن عمرؓ: ۱۶۲

ابن کثیرؒ: ۴۸، ۱۵۱، ۱۵۲

ابن مسعودؓ: ۷۸

ابن ہشامؒ: ۱۱۸

ابوامامہؓ: ۳۲

ابوبکر صدیقؓ: ۲۱

ابوداؤد سجستانیؒ: ۱۱۰

ابوداؤد طیالسیؒ: ۱۲۲

ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان الواسطیؒ: ۱۸۶، ۱۸۹

ابوعبیدہ، امام لغت: ۶۶

ابو مالک اشعریؓ: ۱۵۲

ابوہریرہؓ: ۲۵، ۴۶، ۸۱، ۱۶۰، ۱۶۳

ابویعلیٰ: ۱۹، ۱۰۵

احمد صلی اللہ علیہ وسلم: ۱۲۷

امام احمدؒ: ۳۲، ۴۶، ۱۶۰

اسکندرانی: ۱۶۶

اسماعیل علیہ السلام: ۱۸، ۱۶۶

اسماعیل بن ابی خالد: ۱۸۶

اشرف علی تھانویؒ حکیم الامّت: ۸۹، ۱۴۸

انسؓ: ۱۹، ۴۴

باب، علی محمد: ۱۱۲، ۲۲۵

بخاری، امام محمد بن اسماعیلؒ: ۱۶۰، ۲۱۱

البزارؒ: ۱۹، ۱۰۵

بغویؒ: ۴۶

بہاءاللہ: ۱۱۲، ۲۲۵

البیرونی:۲۰۲

بیہقیؒ:۱۹،۱۰۵،۱۴۹،۲۱۶

ترمذیؒ:۴۴،۱۱۰

تفتازانیؒ:۱۴۲

ثناءاللہ امرتسریؒ:مولانا:۱۷۹،۱۹۵

جبریل علیہ السلام:۱۶۴

حاشر:۱۰۴

خسروؒ:۱۳۵

خضر علیہ السلام:۱۶۸

خطیب قزوینیؒ:۱۲۰

داؤد علیہ السلام:۲۱،۱۴۰

دجالِ اکبر:۶۲،۷۰،۹۰،۱۹۲،۲۰۵

رفیق دلاوریؒ،مولانا ابوالقاسم:۱۷۹،۲۰۵

رومی شیخ جلال الدینؒ:۲۱۸

زکریا علیہ السلام:۱۲۷

زیدؓ:۶

سعد بن ابی وقاصؓ:۲۲،۱۱۰

سکّاکی:۱۲۰

سلیمان علیہ السلام:۲۱،۱۴۰

شعرانیؒ:۵۷

شہاب الدین مقتول:۳۵

شہرستانیؒ:۵۴

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ:۸۱،۸۹،۱۰۹،
۱۵۴،۱۵۵،۱۸۴،۲۰۶

صالح علیہ السلام:۱۴۲

طبرانیؒ:۱۵۲

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:۲۷،۱۹۱

عاصمؒ،امام قراءت:۶۶

عاقب:۱۰۴

عبدالحکیم خان،ڈاکٹر:۱۰۹،۱۳۰

عبدالعزیزؒ،محدث دہلوی،شاہ:۸۲،۸۳

عبدالقادرؒ،جیلانی،شیخ المشائخ:۶۶،۱۲۹،۱۸۳

عبدالقادرؒ،محدث دہلوی،شاہ:۱۸،۴۸

عبداللہ آتھم،پادری:۱۳۰،۱۷۹

عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ:۱۰۳،۱۸۶

عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ:۴۶

عبداللہ لدھیانویؒ،مفتی:۱۳۵،۱۸۰

عدیؓ بن حاتم:۵۴

عرباضؓ بن ساریہ:۳۲

عطاءؒ تابعی:

علی رضی اللہ عنہ:۲۲،۲۳،۴۶،۱۱۰،۱۲۲،۱۸۵

علیؒ قاری:۱۸۲،۱۸۵،۱۸۶،۱۸۷،۱۹۰،۱۹۳

عمر رضی اللہ عنہ:۱۷۱

عمران: ۱۴۰

عیسیٰ علیہ السلام: ۱۰، ۲۷، ۴۶، ۷۰، ۷۷، ۱۰۴، ۱۱۰، ۱۲۱، ۱۲۷، ۱۵۳، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۹، ۱۷۴، ۱۷۶، ۱۷۹، ۱۸۹تا۱۹۳، ۱۹۶، ۲۱۰، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۷، ۲۲۸

غزالیؒ: ۱۰۳

کرشن: ۱۷۲، ۱۹۴

لامان: ۱۱۰

مالکؒ امام: ۲۱۱

محمد انور شاہ کشمیریؒ: ۳

محمد شفیعؒ، مفتی: ۱۵۸

محمدی بیگم: ۱۳۰، ۱۷۹

محمود: قادیانی: ۶۵، ۱۲۶، ۱۹۷، ۲۰۶

مریم صدیقہؑ: ۱۰۹، ۱۲۷

مزوک: ۱۱۰

مسلمؒ، امام: ۵۴، ۴۶، ۱۶۰

مسیلمہ کذّاب: ۹۰

مقفّیٰ: ۱۰۴

موسیٰ علیہ السلام: ۱۰، ۲۲، ۴۶، ۴۸، ۶۴، ۱۰۴، ۱۱۰، ۱۲۹، ۱۸۵، ۱۹۰، ۲۲۲

مہر علی شاہ گولڑویؒ: ۱۷۹

نواس بن سمعانؓ: ۱۹۲

نوح علیہ السلام: ۶، ۴۶، ۸۱، ۱۴۶

ہارون علیہ السلام: ۲۲، ۸۱، ۱۱۰، ۱۴۰

ہود علیہ السلام: ۱۴۶

الہیثمی: ۱۹

نظامیؒ: ۴۵

یار محمد، قادیانی، قاضی: ۲۲۸

یحییٰ علیہ السلام: ۱۲۱، ۱۲۷، ۱۴۰، ۱۷۶

یٰسین علیہ السلام: ۱۰۴

یعقوب علیہ السلام: ۲۱، ۱۴۰

یوسف علیہ السلام: ۱۰۴

یونس بن متی علیہ السلام

اقوام وقبائل

بنو اِسرائیل: ۱۰، ۱۲، ۱۵، ۱۶، ۶۴، ۷۷، ۸۱، ۱۶۰، ۱۶۶

بنو اِسماعیل: ۷۷، ۱۶۶

بنو جرہم: ۱۸

فارس: ۱۱۱

قوم عاد: ۱۱۱

عجم: ۱۱۱

عرب: ۱۱۱

یاجوج وماجوج: ۷۰

مقامات

احقاف: ۱۱۱

بیت المقدس: ۳۶

حیدر آباد دکن: ۴۶، ۱۲۹ (شعر ۳۱)

سیالکوٹ: ۲۰۵

قادیان: ۶۴، ۶۵، ۷۱، ۱۰۹، ۱۵۲، ۱۷۶، ۱۸۰، ۲۰۵، ۲۰۸

کراچی: ۱۵۸

لاہور: ۱۷۹

مدینہ طیبہ: ۱۳۸، ۱۷۴

مکہ مکرمہ: ۱۷۴

ہندوستان: ۱۷۲

ملل ومذاہب

اسماعیلی: ۱۷۸

بابی: ۱۹۹

باطنیہ وحلولیہ: ۵۷، ۱۷۸، ۱۸۸

بہائی: ۱۹۹

چکڑالوی: ۱۷۸

شیعہ متصوفہ: ۲۲۵

صائبین: ۶۰

نصاریٰ: ۵۷

ہنود: ۵۷، ۱۷۲، ۱۹۴، ۲۰۲، ۲۲۳

یہود: ۵۷، ۱۲۱، ۱۶۶، ۱۷۶

۴......کِتابیات

احیاء العلوم: امام غزالیؒ: ۱۰۳

اربعین: قادیانی: ۶۹، ۱۰۹

ازالۃ اوہام: ۷۰، ۲۰۸، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۷

اسلامی قربانی: قاضی یار محمد قادیانی: ۲۲۸

اشد العذاب: سیّد مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ: ۶۴، ۶۵، ۶۹، ۱۷۵، ۱۷۶

الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ: ۱۶۸

اظہار الحق: مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ: ۱۷۵

اکلیل شرح مدارک التنزیل: ۷۹

انجیل: ۱۷۶، ۲۱۴

الہامات مرزا: مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ: ۷۹

ایک غلطی کا ازالہ: ۱۱، ۶۹، ۹۰، ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۹۷، ۲۰۸

اخبار بدر قادیان: ۱۰۹، ۱۷۶، ۲۰۶

براہین احمدیہ: قادیانی: ۱۹۷، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۲۷

بیان القرآن: ۱۴۸

پیغام صلح: قادیانی: ۱۷۲

تاریخ ابن خلدون: ۹۰

تاریخ مرزا: مولانا امرتسریؒ: ۱۷۲

تحفہ اثناء عشریہ: ۲۲۵

تحقیق لاثانی: محمد یعقوب پٹیالوی: ۱۰۹

تذکرہ: قادیانی: ۱۱۵، ۱۷۵

تذکرۃ الموضوعات: ۱۸۹

ترک مرزائیت: مولانا لال حسین اخترؒ: ۶۳، ۶۴، ۱۰۹، ۱۲۴، ۱۲۵، ۲۰۴، ۲۰۵

تریاق القلوب: قادیانی: ۷۴، ۱۷۲، ۲۰۵

تفسیر ابن کثیر: ۴۸

تفسیر اکلیل: ۷۹

تفسیر جامع البیان: ۱۰۳

تفسیر جلالین: ٦٦

تفسیر درمنثور: ۲۷، ۱۹۱

تفسیر روح المعانی: ۷۸، ۱۰۳، ۱۸۹

تفسیر معالم التنزیل: ٦٦، ۱۳۹، ۱۴۰

تلخیص المفتاح: ٦، ۱۲۰

تورات: ۱۶٦

توضیح مرام: قادیانی: ۶۹

جامع ترمذی: ۳۱، ۴۴، ۱۹۱

جامع صغیر: سیوطی: ۱۱۳

فہرست

چشمۂ مسیحی: قادیانی:۱۰

چشمۂ معرفت:۱۷۲

حالاتِ قادیانی:۶۸

حقیقۃ النبوۃ: مرزا محمود قادیانی:۶۲، ۲۰۸

حقیقۃ الوحی:۵۷، ۶۴، ۶۶، ۷۴، ۱۰۹،

حقیقۃ الوحی قادیانی:۱۱۵، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۷۲، ۱۷۹، ۱۹۴، ۲۰۵، ۲۲۷

اخبار الحکم قادیان:۶۴، ۶۵، ۱۸۰، ۲۰۵، ۲۰۸

حمامۃ البشریٰ: قادیانی:۲۲۷

ختمِ نبوّت فی القرآن:۱۸۵

خصائص کبریٰ: سیوطی:۲۲

خطبۂ اِلہامیہ: قادیانی:۱۱۱

رئیس قادیان:۱۷۹، ۲۰۵

روح المعانی:۷۸، ۱۰۳، ۱۸۹

زاد المعاد:۱۸۱

ست بچن قادیانی:۱۷۶

سنن ابن ماجہ:۱۸۲، ۱۸۶

بیہقی:۱۳

سودائے مرزا:۱۲۴، ۱۷۲، ۲۰۴

شرح السنّۃ: بغوی:۳۲، ۴۶

شرح شفا: مُلاّ علی قاریؒ:۱۸۵

شرح فقہ اکبر: مُلاّ علی قاریؒ:۱۸۵

شرح مواہب: زرقانی:۱۰۳

شمائل ترمذی:۴۶

صحیح بخاری:۱۳، ۴۶، ۸۱، ۱۳۰، ۱۲۰، ۱۸۶، ۲۱۲

صحیح مسلم:۴۶، ۵۴، ۸۱، ۱۶۰، ۱۹۲

ضرورۃ الامام: قادیانی:۶۴، ۹۴، ۱۷۲، ۲۲۷

عجائبات مرزا:۱۰۹، ۱۱۱، ۱۷۶

عشرہ کاملہ:۶۴، ۱۰۹، ۱۷۲، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۸، ۲۲۷، ۲۲۸

عقائد مرزا:۱۰۹

عقیدہ الاسلام:۷۹

علم کلام مرزا:۱۱۵، ۱۷۲

فتح الباری:۱۹، ۶۲، ۹۰، ۱۰۵

فتح القدیر:۱۸۹

فتح قادیان:۱۷۲

فتح مبین:۱۳۵، ۱۸۰

فتوحات مکیہ:۶، ۳۴، ۴۴، ۸۱، ۸۹، ۱۰۳، ۶۶، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۵۴، ۱۸۴، ۲۲۵

فصوص الحکم:۱۸۴

قاموس:٦
قصیدۂ اعجازیہ: مرزا قادیانی:۱۷۹
الکاویہ علی الغاویہ:۷۱، ۱۰۹، ۱۱۵، ۱۷۲، ۱۹۴، ۱۹۶، ۲۰۲، ۲۰۶
کتاب الاسماء والصفات: بیہقی:۲۱٦
کتاب الفصل: ابن حزم:۵۴
کتاب المدخل: بیہقی:۱۴۹
کتاب الملل والنحل: شہرستانی:۵۴
کتاب الہند: البیرونی:۲۰۲
کرامات الصادقین: قادیانی:٦۸
کشتیٔ نوح: قادیانی:۲۲۴
کنز العمال:۱۲۹
مجمع البحار:۱۸۹
مجمع الزوائد:۱۹، ۱۰۵
مختصر المعانی:۱۲۲
مراق مرزا:۱۰، ٦۴
مرزائیت کی تردید:۱۷٦
مرقاۃ المفاتیح:۱۸۵، ۱۹۰
مرقع قادیانی:۱۰۹، ۱۷٦
مسند احمد:۳۲، ۴٦، ۱٦۰
مسند طیالسی:٦، ۴٦، ۱۲۳، ۱٦۲، ۱٦۳
مشکوٰۃ المصابیح:۲۲، ۲۵، ۳۲، ۴۲، ۸۱، ۸۳، ۱۱۰، ۱۲۲، ۱۳۰، ۱۴۹، ۱٦۰، ۱٦۳، ۱۸۴، ۱۸۵
مصباح العلیہ:٦۳، ٦۹
معالم التنزیل:٦٦، ۱۳۹، ۱۴۰
المعجم المفہرس لالفاظ القرآن:۱۵۸
معجم طبرانی:۲۲، ۱۱۳
مغلظات مرزا:۱۷۴
مغنی ابن ہشام:٦، ۱۱۸
مفتاح کنوز القرآن:۱۵۸
مقدمہ ابن خلدون:۵۸، ۲۰۵
ملفوظات احمدیہ:۲۰۵
منتخب کنز العمال:۱۹۲
مواہب لدنّیہ:٦، ۴٦، ۱۰۳
مواضح القرآن:۱۸، ۴۸، ۳۲، ۴۰
موضوعات کبیر:۱۸۲، ۱۸۵، ۱۸٦
نزول المسیح: مرزا قادیانی:٦۹
وید:۱۷۲، ۱۹۴
الیواقیت والجواہر:۵۷، ٦٦، ۱۲۹